ویران جزیرے کا راز
اینیڈ بلیٹن
احمد عدنان طارق

ویران جزیرے کا راز

احمد عدنان طارق

تخلیص: محمد عمر فاروق

آواز کا راز

معاذ ایک عجیب و غریب پریشانی میں مبتلا تھا۔ وہ ایک درخت کے نیچے لیٹا ہوا ریاضی کے سوالات حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے کان میں کسی کے بات کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس جگہ اکیلا تھا اور دور دور تک کوئی اور موجود نہیں تھا۔ اس کے باوجود کوئی ایسا تھا جو اس سے بار بار باتیں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہی آواز ایک دفعہ پھر گونجی۔

”بے وقوف کیا تم دروازہ بند نہیں کر سکتے؟“

معاذ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کوئی دوبارہ جھڑکی آمیز لہجے میں بولا۔

”اور میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ اپنے پاؤں دھویا کرو؟“

معاذ اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہونقّوں کی طرح اِدھر اُدھر گردن گھما کر دیکھنے لگا۔ پہاڑیوں کے درمیان گھری اس سرسبز وادی میں اس کے سوا کوئی ذی روح نظر نہیں آرہا تھا۔ معاذ اپنے آپ سے بولا۔

”شاید میں ہی بے وقوف ہوں۔ یہاں کون سا دروازہ ہے جسے میں نے بند کرنا ہے اور کون سے قالین بچھے ہوئے ہیں جن پر میں نے پیر صاف کر کے رکھنے ہیں۔ جو بھی اس قسم کی باتیں کر رہا ہے میرے خیال میں پاگل ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کوئی انسان دکھائی بھی نہ دے اور اس کی آواز سنائی دے تو ہو سکتا ہے یہ اپنے ساتھ مجھے بھی پاگل کر دے۔“

اسی وقت ایک بھورے مٹیالے رنگ کے بلی کے بچے نے اپنے گول مٹول چہرے

کو اس کے سویٹر سے رگڑا۔ یہ معاذ کی پالتو بلی کا بچہ نیمو تھا۔ یہ معاذ کے پالتو جانوروں میں سے ایک تھا۔ معاذ نے اس کی کمر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو نیمو کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔ تبھی اچانک نجانے کہاں سے پھر آواز گونجی۔

”بے وقوف! دروازہ بند کرو اور چھینکو مت، تمہارا رومال کدھر ہے؟“

اب معاذ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ وہ چلا کر بولا۔ ”بکواس بند کرو، میں کب چھینکا ہوں، اور تم ہو کہاں؟“ لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ معاذ بہت پریشان تھا۔ وہ اس طرح کے حالات سے وہ کبھی نہیں گزرا تھا۔ موسم بہت سہانا تھا اور دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ لیکن یہ چیختی ہوئی آواز اور اس کا تحکمانہ لہجہ اسے پریشان کر رہا تھا۔ اس نے چلّا کر کہا۔

”دیکھتے نہیں میں کام کر رہا ہوں۔ اگر تمہیں کچھ پوچھنا ہے تو سامنے آ کر پوچھو۔ چھپنا بزدلوں کا کام ہے۔“

وہ پراسرار آواز دوبارہ سنائی دی۔ ”ٹھیک ہے چچا!“

اس دفعہ آواز کا لہجہ بدلا ہوا تھا اور آواز میں بلا کی شائستگی اور دھیما پن تھا۔ معاذ نے سر پیٹ لیا۔ وہ خود سے بولا۔

”یا خدا! کیا مصیبت ہے۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے اب اس راز سے پردہ اٹھانا ہی ہو گا۔ اگر مجھے اندازہ ہو جائے کہ آواز کس سمت سے آ رہی ہے تو میں بآسانی بولنے والے کو ڈھونڈ لوں گا۔“

وہ پھر چلایا۔ ”تم کہاں ہو؟ سامنے آؤ، تا کہ میں تمہیں دیکھ سکوں۔“

اب کی بار آواز میں دوبارہ وہی جھڑکنے والا لہجہ تھا۔ کوئی بولا۔

”میں نے تمہیں ایک دفعہ نہیں کئی بار سمجھایا ہے کہ سیٹی مت بجاؤ۔“

معاذ بے چارہ حیرانی سے چپ ہو گیا۔ وہ قطعی سیٹی نہیں بجا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا پالا کسی پاگل سے پڑ گیا تھا۔ معاذ کے ذہن میں فوراً ایک خیال آیا کہ اسے کسی بھی حالت میں اس پاگل سے نہیں ملنا چاہئے بلکہ اس سے بچ کر گھر جانا چاہئے۔ اس نے نہایت احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا

کہ یہ اجنبی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ اسے ذرا سا گمان ہوا کہ آواز بائیں جانب سے آ رہی ہے۔ اس نے سوچا کہ میں درختوں میں چھپتا چھپاتا نزدیکی پہاڑی کی دائیں سمت کو جاتا ہوں تاکہ اجنبی اسے دیکھ نہ سکے۔

اس نے اپنی کتابیں اٹھائیں، پنسل جیب میں رکھی اور کھڑا ہو گیا۔ تبھی اس چیختی چلاتی آواز میں لگائے گئے ایک بلند قہقہے نے اس کی ساری احتیاط غارت کر دی اور وہ پناہ لینے کے لئے قریبی درختوں کے جھنڈ کی طرف بھاگا۔ وہ قہقہہ اچانک خاموش ہو گیا۔

معاذ بڑے درخت کے نیچے کھڑا سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ گھر واپس چلا جائے۔ تبھی وہ آواز دوبارہ گونجی۔

”میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ اپنے پاؤں صاف کیا کرو؟“

اس فقرے کے بعد کسی نے چیخ ماری تو ڈر کے مارے معاذ کے ہاتھوں سے کتابیں چھوٹ گئیں۔ تبھی اس نے اوپر درخت کی جانب دیکھا تو ایک شاخ پر بیٹھا ایک

انتہائی خوبصورت سفید رنگ کا توتا نظر۔ اس کی کلغی سنہری رنگ کی تھی جو توتے کے سر ہلانے سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ وہ اپنی چمکیلی سیاہ آنکھوں سے معاذ کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا سر بار بار ایک طرف کو جھکتا اور اس کی خمدار چونچ سے کچھ کھرچنے کی آوازیں بر آمد ہو رہی تھیں۔

معاذ نے توتے کو بے یقینی سے گھورا۔ توتے نے بھی جواب میں معاذ کو آنکھیں دکھائیں۔ پھر توتے نے اپنا ایک پنجہ شاخ سے اٹھا کر اپنے ماتھے کو کھرچا جیسے کوئی مفکّر سر پر ہاتھ مار کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی کلغی بدستور اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ وہ بولا۔

"چھینکو مت، بے وقوف کیا تم دروازہ بند نہیں کر سکتے؟ کیا تمہیں کسی نے آداب نہیں سکھائے؟"

معاذ حیرت کی شدت سے بولا۔ "یا خدا! تو یہ تم تھے جو صبح سے بول کر مجھے پریشان کر رہے تھے۔ ڈر کے مارے میری جان ہی نکل گئی تھی۔"

جواب میں توتے نے بالکل صحیح چھینک کی نقل اتاری اور بولا۔ "تمہارا رومال

کدھر ہے؟"

اس دفعہ معاذ بے اختیار کھکھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ "تم دنیا کے سب سے عجیب و غریب پرندے ہو اور سب سے چالاک بھی۔ لیکن کیا تم اپنے مالک کو دھوکا دے کر یہاں آئے ہو؟"

توتے نے سختی سے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اپنے پاؤں صاف کرو۔"

یہ سن کر معاذ دوبارہ ہنسنے لگا۔ تبھی نیچے گھاٹی سے اسے کسی لڑکے کی آواز سنائی دی جو پکار رہا تھا۔ "مٹّھو۔۔۔ مٹّھو۔۔۔ مٹّھو۔۔۔ تم کہاں ہو؟"

توتے نے اپنے پر پھیلائے۔ ایک دفعہ پھر منہ سے کچھ کھرچنے کی آواز نکالی اور گھاٹی کے دامن میں بنے ایک مکان کی سمت پرواز کرنے لگا۔

معاذ اسے اڑ کے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکا اسی توتے کو آوازیں دے رہا ہو گا۔ اسے وہ لڑکا گھاٹی میں بنے ایک گھر کے باہر باغیچے میں

کھڑا دکھائی دیا۔ یہ جگہ بالکل اس جگہ کے قریب تھی جہاں معاذ رہتا تھا۔ معاذ نے دل ہی دل میں خواہش کی کہ کاش یہ لڑکا واقعی وہیں رہتا ہو کیونکہ اتنے عجیب توتے کے ساتھ رہنا بڑے مزے کی بات ہو گی۔ وہ ویسے بھی ہر وقت کتابوں کا کیڑا بنے رہنے سے اکتا چکا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ توتے کے ہونے سے اس کا دل بہل جائے گا۔ معاذ کچھ ماہ پہلے خسرہ کا شکار ہوا تھا جس سے پچھلے سال اس کی جماعت چھوٹنے سے اس کا کام کافی ادھورا رہ گیا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس کے چچا کو ایک خط لکھا تھا کہ اسے سکول کے ہی ایک استاد کے گھر کچھ دن رہنے کے لئے بھجوائیں تا کہ وہ اپنا ادھورا کام مکمل کرے۔ معاذ کی دعاؤں کے باوجود معاذ کے چچا نے ہیڈ ماسٹر صاحب کی یہ بات مان بھی لی تھی۔ لہٰذا اب وہ گرمیوں کی چھٹیوں کو کھیل کود کے بجائے ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ کے اسباق یاد کرتے گزار رہا تھا۔ وہ اپنی چھوٹی بہن تزئین کے ساتھ گھر میں مختلف کھیل کھیلنا چاہتا تھا۔

وہ اپنے گھر کو یاد کر رہا تھا جو کہ سمندر کے کنارے پر تھا۔ اسے اپنے استاد رائے

صاحب بہت پسند تھے لیکن اُن کے ساتھ رہنے والے لڑکوں کو وہ زیادہ پسند نہیں کرتا تھا جو خود بھی کسی بیماری یا کسی اور وجہ سے رائے صاحب سے پڑھنے آئے ہوئے تھے۔

ایک لڑکا عمر میں معاذ سے کہیں بڑا تھا۔ دوسرا بالکل ہی دھان پان سا منہ بسورتا ہوا لڑکا جسے معاذ کے جمع کیے گئے کیڑوں، پتنگوں اور جانوروں سے بہت ڈر لگتا تھا۔ معاذ میں یہ بھرپور خاصیت تھی کہ جانور اس پر اعتبار کرنے تھے اور اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ معاذ تیزی سے گھاٹی کی طرف اترنے لگا تاکہ دیکھ سکے کہ کیا مزید طالبِ علم بھی رائے صاحب سے پڑھنے آچکے ہیں۔ اگر تو تا واقعی اسی لڑکے کا ہوا تو مزہ آجائے گا۔ کم از کم اُسے بڑے مسخرے لڑکے اور دھان پان سے چھوٹے لڑکے سے چھٹکارا مل جائے گا۔

اس نے باغیچے کا پھاٹک کھولا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے دیکھا کہ باغیچے میں ایک لڑکی گھوم رہی تھی۔ لڑکی کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ وہ قریب نو دس سال کی ہوگی۔ اس کے بال مٹیالے بھورے تھے جو کچھ گھنگھریالے بھی تھے۔

آنکھوں کا رنگ سلیٹی تھا اور اس کے چہرے پر سیاہ نشان تھے جو دور سے نظر آتے تھے۔ وہ بھی غور سے معاذ کو دیکھ رہی تھی۔ معاذ نے اسے ہیلو کہا۔ وہ اسے شرارتی لگ رہی تھی۔ معاذ نے اس سے پوچھا۔

"کیا تم بھی یہاں پڑھنے کے لئے آئی ہو؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "میں یہاں پڑھنے تو نہیں آئی البتہ عنزیق کے ساتھ رہنے کے لئے آئی ہوں۔"

معاذ نے پوچھا۔ "عنزیق کون ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "میرا بھائی ہے جو یہاں پڑھنے آیا ہے۔ لیکن وہ بہت لاپروا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بڑا ہو کر پرندوں کے بارے میں تعلیم حاصل کرے گا۔ وہ آرنتھیالوجسٹ بننا چاہتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ نظمیں اور سبق پڑھنے کا اسے کوئی فائدہ نہیں۔"

معاذ نے لڑکی سے دوبارہ آرنتھیالوجسٹ لفظ دھرانے کو کہا لیکن دل میں وہ سوچ

رہا تھا کہ اس لڑکی کے چہرے پر کتنے کیلوں کے داغ ہیں۔ لڑکی نے بتایا کہ آرنتھیالوجسٹ اسے کہتے ہیں جو پرندوں کے بارے میں تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اس نے بتایا کہ عنزیق پرندوں سے دیوانہ وار محبت کرتا ہے۔

معاذ نے کہا۔ ”پھر تو اسے میرے ساتھ ہی رہنا چاہئے۔ میں سمندر کے کنارے رہتا ہوں جہاں بڑی تنہائی ہے۔ وہاں جو درختوں کے جھنڈ ہیں، ان میں پرندوں کی بڑی تعداد کا آنا جانا ہے۔ مجھے بھی پرندے بہت پسند ہیں لیکن مجھے ان کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ کیا وہ توتا عنزیق کا پالتو ہے؟“

لڑکی نے یہ باتیں سن کر اسے جواب دیا۔ ”ہاں! وہ چار سال سے عنزیق کے پاس ہے اور اس کا نام مِٹّھو ہے۔“

معاذ نے شوق سے پوچھا۔ ”کیا عنزیق نے اسے باتیں کرنا سکھایا ہے؟“

وہ سوچ رہا تھا کہ بھلے عنزیق کے نمبر تمام جماعت سے کم بھی ہوں لیکن توتے کو یہ باتیں سکھانے کے لئے اسے پورے پورے نمبر ملنے چاہئیں۔

لڑکی نے جواب دیا۔ ”نہیں نہیں، مٹّھو نے یہ تمام باتیں ہمیں سن کر خود ہی سیکھ لی ہیں۔ زیادہ باتیں اس نے ہمارے بوڑھے تایا سے سیکھی ہیں۔ ہمارے تایا دنیا کے سب سے سخت طبیعت رکھنے والے تایا ہیں۔ ہمارے والدین اب دنیا میں نہیں رہے لہٰذا ہمارے تایا کو مجبوری میں ہمیں پالنا پڑا ہے۔ وہ ہم سے محبت نہیں کرتے ہیں۔ گھر کا ملازم بھی ہم سے چڑتا ہے لیکن مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ میرا بھیا عنزیق میرے ساتھ ہوتا ہے۔ میری طرح عنزیق بھی خوش رہتا ہے کیونکہ وہ اپنے پرندوں میں مگن رہتا ہے۔“

معاذ سب سن کر بولا۔ ”میرا خیال ہے عنزیق بھی میری طرح یہاں پڑھنے آیا ہے۔ تم بھی خوش قسمت ہو جو عنزیق کے ساتھ آ گئی ہو۔ یہاں تم اپنی مرضی سے رہ سکتی ہو۔ کھیل سکتی ہو۔ ہماری قسمت بری ہے۔ ہم اپنی کتابوں سے مغز ماری کریں گے۔“

لڑکی نے جواب دیا۔ ”نہیں میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں عنزیق کے ساتھ ساتھ ہی رہوں گی۔ میں اس کے ساتھ کھیلنا پسند کرتی ہوں۔“

معاذ نے حیرت سے لڑکی کو دیکھا اور بولا۔ ”میں اور میری بہن تزئین تو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ تم تو اپنے بھائی کا بہت خیال کرتی ہو۔“

تبھی عنزیق رستے سے نمودار ہوا۔ اس کے بائیں کندھے پر توتا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ عنزیق کے کان کے پیچھے اپنی چونچ ایسے رگڑ رہا تھا جیسے کہ اس کے کان میں آہستگی سے کچھ کہہ رہا ہو۔ عنزیق نے پیار سے توتے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنی بہن کی مشابہ سلیٹی آنکھوں سے معاذ کو گھورنے لگا۔ اس کے بال اپنی بہن سے بھی مٹیالے تھے اور اس کے منہ پر بھی اتنے تلوں کے نشان تھے کہ جلد پر کوئی خالی جگہ ڈھونڈنا ناممکن تھا۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے تلوں کے نشانات پر مزید تل نکل آئے ہوں۔

معاذ نے آتے ہی اسے چھیڑا۔ ”کیا خیال ہیں تِلوں والے کُلچے؟“ اور پھر مسکرایا۔

عنزیق نے جواب میں کہا۔ ”میں ٹھیک ہوں بودی والے لڑکے۔“

اور پھر وہ بھی مسکرا دیا لیکن لاشعوری طور پر معاذ کا ہاتھ اپنے سر پر گیا جہاں اس کی بالوں کی ایک لٹ بودی کی صورت میں سیدھی کھڑی تھی۔ وہ اس لٹ کو کبھی

پانی لگا کر یا کنگھی سے سیدھا نہیں کر پایا تھا۔ اب بولنے کی باری مٹّھو کی تھی جو چیخا۔ ”اپنے پاؤں صاف کرو۔“

لڑکی نے کہا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ تمہیں مٹھو مل گیا۔ اسے اجنبی جگہیں پسند نہیں ہیں اس لئے وہ اُڑ گیا تھا۔“

عنزیق نے بہن کو بتایا۔ ”میرا خیال ہے مٹّھو زیادہ دور نہیں گیا تھا اور اس کی باتیں سن کر یہ بودی والا لڑکا ضرور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا ہو گا۔“

معاذ نے اسے بتایا۔ ”میں واقعی بھاگ نکلا تھا۔“ پھر وہ ان دونوں کو سارا واقعہ سنانے لگا۔ وہ سب آپس میں باتیں کرنے لگے اور مٹّھو بھی اس میں شریک ہو گیا۔ وہ ایسے ہنس رہا تھا جیسے کوئی شریر لڑکا ہنس رہا ہو۔

معاذ بولا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں بہن بھائی یہاں آئے۔“

وہ واقعی ان دونوں بہن بھائیوں سے مل کر بہت خوش تھا اور انہیں دوست بنانا چاہتا تھا۔ وہ انہیں اپنے پالتو جانوروں سے ملوانا چاہتا تھا۔ وہ اکٹھے سیر کو جا سکتے

تھے۔ عنزیق نایاب سے کچھ سال بڑا تھا۔ وہ کوئی بارہ تیرہ سال کا ہو گا۔ معاذ بھی تقریباً عنزیق کا ہم عمر ہی تھا۔ معاذ کو افسوس ہو رہا تھا کہ تزئین وہاں موجود نہیں تھی۔ تزئین بھی نایاب کی ہم عمر تھی۔ وہ بآسانی اس گروپ میں شریک ہو سکتی تھی لیکن ہو سکتا ہے اس کی جھگڑالو طبیعت کی وجہ سے ایسا نہ بھی ہو سکتا۔

معاذ نے سوچا کہ عنزیق اور نایاب، اس کے اور تزئین سے کتنے مختلف ہیں۔ صاف ظاہر تھا کہ نایاب اپنے بھائی سے بہت محبت کرتی تھی اور دوڑ دوڑ کر اپنے بھائی کے لئے کر رہی تھی۔ جبکہ تزئین نے شاید ہی کبھی اس کے لئے کوئی کام کیا ہو۔ پھر اس نے سوچا کہ ہر شخص کی طبیعت دوسروں سے مختلف ہوتی ہے۔ تزئین بھی دل کی بری نہیں ہے۔ اگرچہ وہ معاذ کے ساتھ لڑتی جھگڑتی رہتی ہے لیکن اسے پتا تھا کہ وہ اس کے بغیر سمندر کے کنارے گھر میں تنہا ہو گی۔ اس کی چچی بھی اس سے خوب کام لے رہی ہوں گی۔

شام کو چائے پیتے وقت سبھی عنزیق کے شانے پر بیٹھے توتے کو دیکھ رہے تھے اور اسی کے متعلق فقرے کس رہے تھے۔ البتہ نایاب بڑے لڑکے کو تنگ کر کے

اور دھان پان سے بزدل لڑکے کو گدگدی کر کے مزا لے رہی تھے۔

بچوں کی بوریت دور ہوتی جا رہی تھی۔ معاذ کو محسوس ہونے لگا کہ عنزیق اور
نایاب کی موجودگی میں یہاں پڑھنا اتنا اکتا دینے والا تجربہ نہیں ہو گا۔

چھٹیاں

رائے صاحب نے چھٹیوں میں بچوں کی تعلیم پر بہت محنت کی۔ وہ ساری صبح انہیں مختلف سبق پڑھاتے رہتے۔ پھر بار بار ان اسباق کو دہراتے تاکہ بچوں کو یہ اسباق ازبر ہو جائیں۔ اس سب محنت کے بعد وہ تمام بچوں کی تیاری سے مطمئن تھے ماسوائے عنزیق کے۔ عنزیق پرندوں کے علاوہ کسی چیز پر توجہ نہیں دیتا تھا۔ رائے صاحب اسے شکایتاً کہتے۔

”عنزیق! جتنی توجہ تم پرندوں پر لکھی گئی کتابوں کو دیتے ہو اگر جیومیٹری پر دی ہوتی تو اپنے ہم جماعتوں سے کہیں آگے جاسکتے تھے۔ تم مجھے تنگ کرتے ہو۔ مجھے

کبھی کسی نے اتنا زِچ نہیں کیا جتنا کہ تم نے کیا ہے۔"

تبھی مٹّھو بولا۔ "اپنا رومال استعمال کرو۔"

رائے صاحب نے مایوسی اور غصّے کی ملی جلی کیفیت سے کہا۔

"میں کسی دن تمہارے اس توتے کی گردن تو ضرور مروڑ دوں گا۔ مجھے یقین ہے تم اس وقت تک پڑھائی پر دھیان نہیں دے سکتے جب تک یہ توتا تمہارے بازو پر براجمان ہے۔ تمہارے علاوہ معاذ بھی اگر اپنے کریہہ پالتو جانور جماعت میں مسلسل لاتا رہا تو یہ جماعت میرے لیے تو کیا سبھی کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ تم سب میں صرف نایاب ہی ہے جو پڑھائی میں دھیان دیتی رہی ہے، حالانکہ وہ یہاں پڑھنے کے لیے نہیں آئی تھی۔"

نایاب کو واقعی پڑھنا پسند تھا۔ وہ خوشی خوشی بھائی کے ساتھ بیٹھی رہتی اور وہی کام کرتی جو اس کے بھائی عنزیق کو کرنے کے لیے دیا جاتا۔ جب اس کا بھائی پرندوں کے بارے میں سوچ رہا ہوتا تو وہ دیے گئے سوالات کو حل کرنے کی کوشش کر رہی ہوتی تھی۔ وہ معاذ کی شرارتوں کو بھی پسند کرنے لگی تھی کیونکہ اس کا کچھ

پتہ نہیں چلتا تھا کہ کب اپنی آستین یا جیب سے کوئی نامانوس پالتو جانور بر آمد کر لے۔

ایک روز قبل ہی اس نے اپنی آستین سے رینگتا ہوا رنگ برنگا ٹڈا نکالا تھا جس سے رائے صاحب بہت ناراض ہوئے تھے۔ ایک دن تو ایک ننھا منا پھُرتیلا چوہا معاذ کی کسی جیب سے بر آمد ہوا اور رائے صاحب کی پتلون کے پائینچے میں جا گھسا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک ساری جماعت ششدر بیٹھی رہی اور رائے صاحب اپنی پتلون میں گھسے چوہے کو نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔

عام حالات میں رائے صاحب بہت صابر اور خاموش طبع شخص تھے لیکن عنزیق اور معاذ میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ کسی جماعت کا سکون درہم برہم کر سکتے تھے۔ گرمی کہ چھٹیاں سخت محنت کرتے ہوئے گزر رہی تھیں۔ سہ پہر میں بچے اگلے دن کے اسباق کی تیاری کر کرتے اور صبح پوچھے جانے والے سوالات لکھ کر یاد کرتے۔ البتہ شام کو سب بچے بالکل آزاد ہوتے۔ وہاں وہی پانچ بچے تھے اس لیے رائے صاحب سب کو ذاتی توجہ دے سکتے تھے اور علم حاصل کرنے میں جو کمی

رہتی وہ پورا کرنے کی کوشش کرتے۔

کئی سالوں سے رائے صاحب کو بہت کامیاب استاد تصور کیا جاتا رہا تھا۔ اب انہیں یہ جماعت مل گئی تھی جہاں ان کا کوئی بھی آزمودہ حربہ کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ عنزیق کو سبق کی طرف راغب کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ اسے پڑھاتے ہوئے رائے صاحب کو کئی دفعہ محسوس ہوتا کہ وہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ وہ ہر وقت پرندوں کے بارے میں سوچتا رہتا۔ رائے صاحب سوچتے کہ اگر میرے کندھوں پر پَر اُگ آتے تو شاید عنزیق میری بات مان لیتا۔ انہوں نے پرندوں کے لیے کسی کو اتنا پاگل نہیں دیکھا تھا۔ پرندے تو پرندے عنزیق کو ان کے انڈوں کی بھی پہچان ہو گئی تھی۔ وہ ذہنی طور پر تیز ضرور تھا مگر وہ کسی ایسی چیز پر دماغ لڑانے کو تیار نہیں تھا جس میں اس کی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

معاذ واحد طالب علم تھا جس نے پڑھائی میں بہتری دکھائی تھی۔ اگرچہ وہ بھی اپنے پالتو جانوروں سے دوسروں کو زِچ کر دیتا تھا۔ وہ چوہا جو ان کی ٹانگوں پر چڑھا تھا، انہیں آج بھی یاد تھا۔

صرف نایاب تھی جو ہر کام قاعدے سے کرتی تھی۔ بے شک اسے اس میں دلچسپی ہو نہ ہو وہ بے چاری صرف اس لئے یہاں موجود تھی تاکہ اپنے بھائی سے جدا نہ ہو۔

جلد ہی معاذ، عنزیق اور نایاب پکے دوست بن گئے۔ اس دوستی کی ایک وجہ ان کی جانوروں اور پرندوں میں دلچسپی تھی۔ عنزیق کا کوئی دوست نہیں تھا اس لیے اسے معاذ کے مذاق اور اس کا تنگ کرنا اچھا لگتا تھا۔ نایاب کو بھی معاذ اچھا لگتا تھا لیکن کبھی کبھار وہ اس دوستی سے حسد میں مبتلا بھی ہو جاتی تھی۔

مٹّھو معاذ سے بہت مانوس ہو گیا تھا اور جب بھی معاذ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتا تو وہ عجیب مضحکہ خیز آوازیں نکالتا رہتا۔ شروع شروع میں رائے صاحب کو مٹّھو سے نفرت تھی۔ وہ اپنی بے تکی فقرے بازی سے انہیں پریشان کرتا رہتا تھا۔ یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ وہ چھینکتے رہتے تھے اور مٹّھو ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا نہ بھولتا۔

مٹّھو جب انہیں بڑے رعب سے کہتا "مت چھینکو" اور یہ سن کر ہمیشہ تمام بچوں

کی ہنسی چھوٹ جاتی۔ لہٰذا آخر کار رائے صاحب نے مٹّھو کا جماعت میں داخلہ روک دیا لیکن معاملات اور بگڑ گئے۔ مٹّھو جماعت میں نہ آسکنے کی وجہ سے سخت ناراض تھا۔ وہ اپنے مالک کے کندھے پر بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا جو اس کے بیٹھنے کی پسندیدہ جگہ تھی۔ وہ کھلی کھڑکی کے باہر ایک جھاڑی میں بیٹھ جاتا اور پھر انتہائی اونچی آواز میں بے چارے رائے صاحب پر فقرے کس کر انہیں تنگ کرتا رہتا۔

توتے کی آواز آتی۔ ''بے وقوفوں کی سی باتیں مت کرو۔''

یہ ایسے وقت ہوتا جب رائے صاحب تاریخ کے موضوع پر بہت ہی دلچسپ موضوع چھیڑ چکے ہوتے۔ کبھی کبھار رائے صاحب کو چھینک آجاتی تو مٹّھو صاحب فوراً فرماتے۔ ''استاد جی! آپ کا رومال کدھر ہے۔''

رائے صاحب غصّے میں بھرے ہوئے کھڑکی کے پاس جا کر شور مچا کر اور ہاتھ ہلا ہلا کر مٹّھو کو اڑانے اور خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتے تو وہ کہتا۔ ''شرارتی لڑکا، میں تمہیں تمہارے کمرے میں بند کر دوں گا۔ تم شرارتی لڑکے ہو۔''

اور خود ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹتا۔ ظاہر ہے آپ اس قسم کے ڈھیٹ پرندے کا کچھ نہیں کر سکتے۔

آخر کار رائے صاحب نے ہار مان لی تھی اور مٹّھو کو عنزیق کے شانے پر بیٹھنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ توتے کے قریب ہونے سے عنزیق کی کارکردگی میں بہتری آنے لگا۔ اور مٹّھو بھی کمرے میں رہ کر اتنا تنگ نہیں کرتا تھا جتنا کہ وہ کمرے سے باہر رہ کر کرتا تھا۔

رائے صاحب آج کل بہت خوش تھے کیونکہ طلبا کے قیام کا وقت ختم ہونے کو تھا اور چاروں لڑکے اور لڑکی جلد اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ مٹّھو اور معاذ کے پالتو جانور بھی واپس جا رہے تھے۔ معاذ، عنزیق اور نایاب ہر شام لمبے علی اور کمزور حسن کو اکٹھا چائے پیتے چھوڑتے اور کہیں نہ کہیں سیر کو نکل جاتے۔ دونوں لڑکے دیر تک پرندوں اور پالتو جانوروں کے متعلق گفتگو کرتے رہتے اور نایاب ان کی باتیں سنتی رہتی۔ اور جب وہ سیر کرتے تو نایاب کوشش کرتی کہ وہ کہیں ان سے پیچھے نہ رہ جائے۔ چاہے وہ جتنا زیادہ دور جاتے یا

کیسی بھی خطرناک ڈھلوان پر چلتے نایاب ان کا ساتھ دیتی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی بھی لمحے اس کا بھائی اس کی نظروں سے جدا ہو۔

کئی دفعہ معاذ، نایاب کی موجودگی سے تنگ آجاتا اور کہتا۔ ''شکر ہے میری چھوٹی بہن مجھ سے اس طرح چمٹی نہیں رہتی جس طرح کہ نایاب عنزیق سے۔''

پھر وہ سوچتا پتا نہیں عنزیق کیسے گزارا کرتا ہے لیکن عنزیق گزارا کر لیتا تھا۔ حالانکہ کئی دفعہ وہ نایاب کو نظر انداز بھی کر دیتا اور خاصی دیر تک اس سے بات نہ کرتا لیکن وہ کبھی بھی اپنی بہن کو ڈانتا نہیں تھا۔ نہ ہی اس سے ناراض ہوتا تھا۔ پرندوں کے علاوہ وہ نایاب کا خیال کرتا تھا۔ معاذ سوچتا کہ بہت اچھی بات ہے کہ وہ اپنی بہن کا خیال کرتا ہے کیونکہ نایاب کی ساری دنیا اس کا بھائی تھا۔

تینوں بچے ایک دوسرے کو اپنے متعلق بتاتے رہتے۔ عنزیق نے بتایا۔ ''ہمارے ماں باپ دونوں اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ہمیں اب وہ یاد بھی نہیں ہیں۔ وہ ایک کار کے حادثے میں انتقال کر گئے تھے۔ ہمیں ہمارے اکلوتے رشتہ دار یعنی ہمارے تایا کے پاس بھجوا دیا گیا۔ ان کا نام چوہدری الیاس ہے۔ وہ کافی بوڑھے ہو

چکے ہیں اور کافی چڑچڑے ہیں۔ وہ ہمیشہ غصّے میں رہتے ہیں۔ گھر کا واحد ملازم بابا ناظر چھٹیوں میں ہمیں گھر دیکھ کر غصّے میں آجاتا ہے۔ تمہیں مٹّھو کے ادا کردہ فقروں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہوگا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ مثلاً اپنے پاؤں صاف کرو، چھینکو مت، فوراً اپنے جوتے بدلو، تمہارا رومال کدھر ہے، کتنی دفعہ تم سے کہا ہے کہ سیٹی نہ بجاؤ اور بے وقوف کیا تم دروازہ بند نہیں کر سکتے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

معاذ ہنسنے لگا۔ اس نے کہا۔ "واقعی اگر مٹّھو کی باتیں غور سے سنیں تو تمہیں خاصا مشکل وقت گزارنا پڑ رہا ہے۔"

"کیا تمہارے والدین بھی فوت ہو چکے ہیں؟" نایاب اپنی سلیٹی آنکھوں سے مسلسل معاذ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

معاذ نے بتایا۔ "ہمارے والد فوت ہو چکے ہیں اور وہ اپنے پیچھے کوئی رقم چھوڑ کر نہیں گئے لیکن امّی زندہ ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ زیادہ نہیں رہ پاتیں۔"

نایاب نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیوں نہیں؟"

اس کے پوچھنے پر معاذ نے بتایا۔ ”وہ ایک نوکری کرتی ہیں۔ وہ اس نوکری سے اتنا کما لیتی ہیں جس سے گھر چلا سکیں اور ہماری سکول کی فیس ادا کر سکیں۔ وہ ایک آرٹ ایجنسی چلاتی ہیں جس کے لئے انہیں پوسٹر اور تصویروں کے بنانے کے آرڈر لینے پڑتے ہیں۔ وہ اِن چیزوں کے بکنے سے اپنی فیس لیتی ہیں۔ وہ ایک بہت اچھی کاروباری خاتون ہیں لیکن ان کے پاس ہمارے لئے زیادہ وقت نہیں بچتا۔“

عنزیق نے پوچھا۔ ”کیا وہ تم سے پیار کرتی ہیں؟“

وہ اس لئے کرید کر یہ بات پوچھ رہا تھا کیونکہ اس نے کبھی اپنی ماں کو نہیں دیکھا تھا۔

معاذ نے سر ہلا کر انہیں بتایا۔ ”وہ بہت اچھی ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے وہ اپنی امّی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے اپنی ماں کے کام اور کامیابی پر فخر تھا۔ لیکن کبھی کبھار جب وہ انہیں ملنے آتیں تو بہت تھکی محسوس ہوتیں۔

معاذ نے سوچ رکھا تھا کہ بڑا ہو کر وہ بھی کامیابی سے کوئی کام کر کے رقم کمائے گا

اور اپنی محنتی ماں کا سہارا بنے گا۔

نایاب نے پوچھا۔ ”کیا تم بھی ہماری طرح اپنے چچا کے ساتھ رہتے ہو؟“

اسی دوران ایک ننھی گلہری معاذ کی قمیض کی آستین سے اچانک باہر نکل آئی۔ اس نے گلہری کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ جیب اندر کر دیا۔ معاذ نے کہا۔ ”ہاں! ہم اپنی تمام چھٹیاں اپنے چچا آصف اور چچی کے ساتھ گزارتے ہیں۔ میرے چچا بہت سنکی ہیں۔ وہ ہمیشہ پرانے اخبار، کتابیں، دستاویز خرید کر پڑھتے رہتے ہیں اور انہیں سنبھال کر رکھتے ہیں۔ وہ دراصل سمندر کے کنارے ہونے والی خون ریز لڑائیوں کے بارے میں تاریخ سے شواہد اکٹھے کرتے رہتے ہیں۔ ہم جس جگہ رہتے ہیں، وہ وہاں کی مکمل تاریخ لکھ رہے ہیں۔ انہیں ایک یا دو واقعات لکھنے کے لئے بھی ایک سال لگ جاتا ہے اور جب تک وہ یہ کتاب لکھ پائیں گے مجھے امید ہے کہ ان کی عمر اس وقت چار یا پانچ سو سال ہو چکی ہو گی۔“

یہ بات سن کر سبھی ہنسنے لگے۔ انہوں نے خیالوں ہی خیالوں میں ایک بوڑھے پڑھاکو کو دیکھا جو پرانے بوسیدہ اخبارات کو جھاڑتا رہتا ہے۔ نایاب سوچنے لگی کہ

یہ کتنا وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔ پھر وہ چچی کے متعلق سوچنے لگی کہ وہ کیسی ہوں گی۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ ''تمہاری چچی کیسی ہیں؟''

معاذ نے اپنا ناک چڑھایا اور کہنے لگا۔ ''تھوڑی نک چڑھی ہیں لیکن اتنی بری بھی نہیں۔ وہ بہت محنتی ہیں۔ ان کے پاس زیادہ پیسے نہیں ہوتے۔ ان کا مددگار صرف ایک پرانا ملازم صغیر ہے۔ وہ گھر کے کاموں میں چچی کی مدد کرتا ہے۔ چچی ہمیشہ تزئین سے ملازموں کی طرح کام کرواتی ہیں۔ میں چونکہ ان کا کہا نہیں مانتا اس لئے انہوں نے مجھے کام کہنا بند کر دیا ہے۔ لیکن کیونکہ تزئین ان سے ڈرتی ہے اس لئے جو چچی کہتی ہیں اس سے بڑھ کر کرتی ہے۔''

نایاب نے پوچھا۔ ''تمہارا گھر کیسا ہے؟''

معاذ نے بتایا کہ ''بہت مضحکہ خیز اور بہت پرانا ہے، کئی سو سال پرانا اور آدھا ڈھے چکا ہے۔ بہت ہی بڑا ہے اور اس طرح بنا سے ہے جیسا کہ آدھا ایک چٹان کی ڈھلان پر جیسے اٹکا ہوا ہو۔ ایک آدھ بار تو طوفان میں ڈوب ہی گیا تھا۔ لیکن مجھے اس جگہ سے پیار ہے۔ وہ پر اسرار ہے اور ہر وقت وہاں پرندوں کے بولنے

اور چیخنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ عنزیق تمہیں بھی وہ پسند آئے گا۔"

عنزیق سوچ رہا تھا کہ واقعی اسے وہ جگہ پسند آئے گی۔ وہ سن کر ہی پُرجوش ہو گیا تھا۔ اس کا گھر ایک عام سے محلہ میں بنا ہوا عام سا گھر تھا۔ معاذ کے گھر میں تو اسے ابھی سے دلچسپی پیدا ہونی شروع ہو گئی تھی۔ وہ تیز ہوا، لہروں اور سمندری پرندوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ ان پرندوں کی بولی یہیں سے سن سکتا ہو۔ اس نے انہیں محسوس کرنے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ تبھی مٹّھو چلّا کر بولا۔

"جاگو! جاگو! اے سست انسان!"

ساتھ ہی اس نے آہستگی سے عنزیق کے کان پر کاٹ لیا۔ عنزیق نے آنکھیں کھولیں اور ہنسنے لگا۔ کبھی کبھار وہ خود حیران ہو جاتا کہ یہ توتا موقع کی مناسبت سے بالکل صحیح بات کرتا تھا۔

عنزیق نے معاذ سے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے گھر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایسا لگتا ہے آج بھی وہاں کچھ ہونے والا ہے۔ حقیقی، زندہ

سلامت، پُرجوش واقعات، سنسنی خیز معرکے۔ لیکن میرے گھر میں ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔"

معاذ نے ہنستے ہوئے کہا۔"میرے گھر میں بھی کچھ نہیں ہوتا۔"

یہ کہہ کر اس نے ننھی گلہری دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لی اور دوسری جیب میں ایک خارپشت کا بچہ جس کے کانٹے ابھی سخت نہیں ہوئے تھے۔ وہ بڑے مزے سے معاذ کی جیب میں چلا گیا جہاں پہلے سے ہی ایک بڑا گھونگا آرام فرما تھا اور احتیاطاً اپنے خول میں بند تھا۔

عنزیق کہنے لگا۔"میری خواہش ہے کہ ہم اکٹھے گھر جائیں۔ مجھے تزئین سے بھی ملنے کی خواہش ہے۔ اگرچہ تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ وہ کوئی خونخوار جنگلی بلی ہے لیکن میں وہاں پائے جانے والے پرندے اور تمہارا آدھا رہ جانے والا گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایک ایسے گھر میں رہنا جو بہت قدیم ہو اور آدھا تباہ ہو گیا ہو کتنی دلچسپی کی بات ہے۔ معاذ تم نہیں جانتے کہ تم کس قدر خوش قسمت ہو۔"

معاذ نے کہا۔"اتنا خوش نصیب بھی نہیں۔ جہاں نہانے کا گرم پانی لانے کے لئے

خاصا دور کا سفر کرنا پڑے۔ آؤ اب جانے کا وقت ہو چکا ہے۔ شاید تم کبھی میرا گھر نہ دیکھ سکو اور ہو سکتا ہے جب دیکھو تو تمہیں پسند بھی نہ آئے۔ ویسے بھی جو کام بندہ نہ کر سکے اس کے بارے میں بات کرنے کا کیا فائدہ ہے۔"

یہ کہتے ہوئے معاذ کپڑے جھاڑے ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

خطوط اور منصوبہ

اگلے دن معاذ کو تزئین کا خط ملا جو اس نے دوسروں کو دکھایا۔ اس نے بتایا۔

”تزئین مشکل میں ہے۔ میرا خیال ہے مجھے جلد اس کے پاس پہنچنا چاہئے کیونکہ جب میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں تو وہ بہادر ہو جاتی ہے۔“

تزئین اپنے بھائی کو خط میں کہہ رہی تھی:

”معاذ بھائی

کیا اب تمہارا واپس گھر آنے کا ارادہ نہیں رہا۔ اگرچہ جب بھی تم میرے ساتھ ہوتے ہو تو لڑنے جھگڑنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے لیکن پھر بھی تمہارے بغیر میں بہت اکیلی رہ جاتی ہوں۔ اب یہاں میں تنہا ہوں اور ساتھ ہیں چچا، چچی اور ملازم صغیر۔ لیکن آج کل سب کا رویہ پہلے سے بھی بدل گیا ہے۔

کل چچا نے شام کے بعد مجھے گھر سے باہر جانے سے منع کر دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ رات کو وہاں "چیزیں" بھٹکتی پھرتی ہیں۔ مجھے تو یقین ہے کہ وہ مزید سنکی ہوتے جا رہے ہیں۔ میرے علاوہ یہاں جو چیزیں بھٹکتی پھرتی ہیں وہ صرف یہاں کے سمندری پرندے ہیں اور اس سال تو وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں لیکن خدا کے واسطے اس دفعہ گھر اپنے نامانوس پالتو جانور نہ لے آنا۔ تمہیں معلوم ہے مجھے ان سے کتنی گھن آتی ہے اور اگر تم گھر کوئی چمگادڑ لے کر آئے تو میری موت پکی ہے۔ اور اگر تم نے کسی رینگتی چیز کو پچھلے سال کی طرح سدھانے کی کوشش کی تو میں کوئی کرسی تمہارے سر پر توڑ دوں گی۔

چچی مجھ سے بہت زیادہ کام کروا رہی ہیں۔ ہم کپڑے دھوتے ہیں، فرش صاف

کرتے ہیں اور گھر کی صفائی کرتے رہتے ہیں لیکن یہ سب کچھ پتا نہیں اتنے زور و شور سے کیوں کیا جاتا ہے حالانکہ مدّتوں ہوئیں ہمارے ہاں کوئی مہمان نہیں آیا۔

مجھے بہت خوشی ہو گی جب چھٹیاں ختم ہوں گی اور ہم دوبارہ سکول جا سکیں گے۔ بھائی! تم کب آرہے ہو؟ میں نے سوچا ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح کچھ رقم کمائیں۔ چچی جب کوئی بل ادا نہیں کر پاتیں تو انہیں ایسا لگتا ہے جیسے وہ مر رہی ہیں۔ چچا ان کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ ان کے پاس پیسے نہیں ہیں اور اگر ان کے پاس رقم ہو بھی تو وہ چچی کو نہیں دیتے۔ مجھے امید ہے کہ اگر ہم امی کو لکھیں تو وہ زیادہ پیسے بھجوا دیں گی۔ لیکن اس کے لیے انہیں جو مزید محنت کرنی پڑے گی وہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔

مجھے عنزیق اور نایاب کے متعلق مزید بتاؤ۔ میں ان کی آوازیں سننے کے لئے بے تاب ہوں۔

تمہاری چھوٹی بہن تزئین"

عنزیق نے خط پڑھتے ہوئے سوچا کہ تزئین تو مزے میں لگتی ہے اور پھر خط پڑھ

کر اس نے خط معاذ کو واپس کر دیا۔ وہ کہنے لگا۔ "اب بتاؤ بودی والے لڑکے! تزئین بالکل تنہا ہے۔ اچھا ذرا سنو، میرا خیال ہے رائے صاحب مجھے بلا رہے ہیں۔ میں ذرا پتا کر لوں وہ کیا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے مزید پڑھائی!!!"

آج کی ڈاک میں رائے صاحب کے نام بھی ایک خط موصول ہوا تھا۔ یہ خط عنزیق کے تایا چوہدری الیاس کے ملازم بابا ناظر کی طرف سے تھا۔ رائے صاحب نے یہ خط بڑی مایوسی کے عالم میں پڑھا تھا۔ خط بہت مختصر تھا۔ انہوں نے عنزیق کو بلایا۔ عنزیق نے بھی اسے مایوسی میں ہی پڑھا۔ خط میں لکھا تھا:

"محترم رائے صاحب!

چوہدری صاحب کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اور وہ ابھی نہیں چاہتے کہ بچے فوراً واپس جائیں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ انہیں مزید اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ وہ آپ کے وقت کے بدلے میں کچھ رقم بھی بھجوا رہے ہیں۔ بچے سکول میں چھٹیاں ختم ہونے سے دو یوم پہلے واپس آسکتے ہیں تاکہ وہ اپنا سکول کا یونیفارم درست کر لیں۔ آپ کا تابعدار ناظر بابا۔"

”رائے صاحب! اب کیا ہو گا؟“

عنزیق نے انہیں بتایا کہ وہ بھی گھر جانا پسند نہیں کرتا لیکن رائے صاحب کے ساتھ رہنا بھی اس کے لیے محال تھا یالاغر حسن کے ساتھ جو رائے صاحب کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ بڑبڑایا۔ ”مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہم چوہدری تایا کے گھر واپس کیوں نہیں جاسکتے۔“

رائے صاحب کی عنزیق سے بھی بڑی خواہش تھی کہ وہ مزید اکٹھے نہ ہی رہیں اور پھر مٹھو کے ساتھ ایک بھی مزید دن گزارنا انہیں ایک ڈراؤنے خواب کی مانند نظر آتا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی کو اتنا ناپسند نہیں کیا تھا جتنا وہ مٹھو کو کرتے تھے۔ وہ بدتمیز لڑکوں کے ساتھ تو رہ سکتے تھے لیکن بدتمیز توتوں کے ساتھ گزارا کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ رائے صاحب نے ٹھنڈی آہ بھری۔ ہونٹوں پر زبان پھیری، ’کی کی‘ کی طرف نفرت سے دیکھا اور کہنے لگے۔

”میں تمہیں مزید اپنے پاس نہیں رکھ سکتا کیونکہ یہ تمہارے وقت کا ضیاع ہو گا۔ اتنی محنت کے باوجود اس عرصے میں تم نے ایک لفظ تک نہیں سیکھا۔ اب کوئی

چارہ بھی نہیں ہے۔ یہ تو واضع ہے کہ تمہارے تایا نہیں چاہتے کہ تم واپس آؤ اور اس مقصد کے لیے انہوں نے مجھے خطیر رقم بھی بھجوائی ہے۔"

"میرے پاس ایک ترکیب ہے۔ چاہتا ہوں کہ ہم کسی اور کے ہاں مہمان بن کر جائیں۔ مجھے امید ہے کہ ہم کوئی ایسی جگہ ڈھونڈ لیں گے جہاں جایا جا سکتا ہے۔"

عنزیق جب نایاب اور معاذ کے پاس واپس آیا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ نایاب فوراً اس کی دلجوئی میں مصروف ہو گئی اور اس سے وجہ پوچھنے لگی۔

عنزیق نے انہیں بتایا۔ "تایا چوہدری نہیں چاہتے کہ ہم واپس گھر جائیں اور رائے صاحب نہیں چاہتے کہ ہم ان کے پاس رہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ دنیا میں کسی کو بھی ہماری ضرورت نہیں ہے اور کوئی ہم سے پیار نہیں کرتا۔"

تینوں بچوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور تب معاذ کے دماغ نے کام کیا۔ اس نے عنزیق کے شانے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ 'کی کی' گرتا گرتا بچا۔ وہ جوش سے بولا۔ "عنزیق تم اور نایاب میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ تمہیں دیکھ کر تزئین بھی خوش ہو گی اور سمندری پرندوں کے ساتھ تم خوشی خوشی وقت

گزاروگے۔ کیا خیال ہے؟“

عزیق اور نایاب نے غیر یقینی اور خوشی سے اسے گھورا۔ کیا واقعی سمندر کے کنارے گھر میں وہ رہ سکتے ہیں جو آدھا تباہ ہو چکا ہے اور جہاں ایک پڑھا لکھا سنکی چچا، ایک بے صبری چچی، ایک عجیب و غریب ملازم صغیر رہتے ہیں اور جہاں ہر وقت سمندر کی لہریں شور مچاتی ہیں۔ کیا خوبصورت وقت آنے والا تھا۔

عزیق نے لیکن ٹھنڈی آہ بھری کیونکہ اسے معلوم تھا کہ بڑوں کی مرضی کے بغیر بچے جو بھی منصوبے بناتے رہیں وہ کبھی پورے نہیں ہوا کرتے۔ وہ بولا۔ ”یہ منصوبہ کسی کام کا نہیں کیونکہ تایا چوہدری اجازت نہیں دیں گے اور نہ ہی رائے صاحب اور ہمارے جانے سے تمہارے چچا اور چچی کی ذمہ داریاں اور اخراجات بھی تو بڑھ جائیں گے۔“

عزیق خط میں لکھی ہوئی تمام تفصیلات معاذ اور نایاب کو بتا چکا تھا۔ معاذ کہنے لگا۔ ”وہ ہر گز ناراض نہیں ہوں گے۔ تمہارے تایا نے جو رقم رائے صاحب کو بھجوائی ہے وہ تم میرے چچا کو دے دینا۔ مجھے یقین ہے کہ میری چچی کو تمہیں اپنے پاس

رکھنے میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ وہ اس رقم سے اپنے بل ادا کر لیں گی جن کا ذکر تزئین اپنے خط میں کر چکی ہے۔"

نایاب تو منّتوں پر اتر آئی۔ وہ کہنے لگی۔ "معاذ بھیا! عنزیق بھیا اگر ہم یہاں رہے تو رائے صاحب ایک نہ ایک دن مٹھو کو اس کی کسی بد تمیزی کی پاداش میں قتل کر دیں گے۔"

مٹھو نے بھی نایاب کی باتیں سن کر خوفزدہ انداز میں چیخا اور اپنی چونچ عنزیق کی گردن میں چبھو دی۔ عنزیق کہنے لگا۔ "کوئی بات نہیں مٹھو۔ میں کسی کو تمہیں ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ مجھے نہیں لگتا کہ رائے صاحب سے پوچھنے کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے۔ وہ ہمیں ساتھ رکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور ہمیں انہی کے ساتھ رہنا ہو گا۔"

نایاب نے فوراً بھائی کو کہا۔ "پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

اس کا جوش دیکھ کر دونوں لڑکے اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔

”پوچھے بغیر ہی چلے جائیں؟“ معاذ نے کہا۔

”یہ تو بڑے مزے اور خوشی والی بات ہو گی اگر ہم سب ساحل سمندر والے مکان میں اکٹھے ہو جائیں۔ تم دیکھنا ایک بار ہم وہاں چلے جائیں تو چچی کا رویہ درست نہ ہوا تو ہم انہیں سمجھائیں گے کہ وہ اپنے اخراجات کی رقم کے لئے رائے صاحب کو فون کر دیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ انہیں رقم بھیج دیں گے۔“

نایاب نے کہا۔ ”رائے صاحب تو یہ سوچ کر خوش ہوتے رہتے ہیں کہ ہم جانے والے ہیں اور تایا چوہدری کو ہماری ویسے بھی پروا نہیں ہے۔ ہم اس پروگرام پر عمل درآمد کر سکتے ہیں عنزیق بھیا۔“

وہ دل ہی دل میں معاذ اور تزئین کے ساتھ رہنے کے خیال سے ہی خوش ہو رہی تھی۔ کچھ دیر سوچ کر عنزیق بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ ہم سبھی اکٹھے ہی جائیں گے۔ تو معاذ اب بتاؤ تمہارے قصبے کو جانے والی ٹرین کب جاتی ہے؟ ہم ریلوے اسٹیشن پر تمہیں الوداع کہنے کے بہانے جائیں گے لیکن آخری منٹوں میں چھلانگ لگا کر تمہارے ڈبّے میں سوار ہو جائیں گے۔“

نایاب یہ سن کر بہت پُرجوش تھی۔ مٹھو بھی کچھ غیر معمولی لگ رہا تھا۔ وہ فوراً بولا۔ ''تمہارا رومال کدھر ہے؟''

وہ عنزیق کے بازو سے شانے تک پھدکتا ہوا اِدھر سے اُدھر جا رہا تھا لیکن جب کسی نے اسے اہمیت نہ دی تو وہ افسوس سے بار بار پکارنے لگا۔ ''بے چارہ مٹھو، بے چارہ مٹھو۔''

عنزیق نے ہاتھ کے اشارے سے مٹھو کو چپ کروایا۔ وہ روانگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ''میں اپنا اٹیچی کیس اور نایاب کو کچھ دیر پہلے ہی اسٹیشن پر چھوڑ آؤں گا۔ جب بعد میں ہم تمہارے ساتھ آئیں گے، ہم وہیں اپنے ٹکٹ خریدیں گے۔ کسی کو گمان بھی نہیں ہو گا۔ اب مجھے بتاؤ تم دونوں میں سے کس کے پاس پیسے ہیں؟''

پھر تینوں نے اپنے پیسے نکال کر اکٹھے کیے جو اتنے ہی تھے جن سے وہ ٹکٹیں خرید سکیں۔ اب وہ مصمّم ارادہ کر چکے تھے کہ وہ اکٹھے ہی جائیں گے اور یہ سوچنا بھی محال تھا کہ اس ارادے میں کوئی دراڑ ڈال سکے۔

انہوں نے مکمل منصوبہ بنالیا تھا۔ جب معاذ نے روانہ ہونا تھا، معاذ نے اپنا اٹیچی کیس بغیر کسی کو شبہ ہوئے کھسکالیا اور اسے اپنے کمرے کی پرانی الماری میں چھپا دیا تھا۔ نایاب نے سامان ترتیب دینے میں بھائی کی مدد کی تھی۔

معاذ نے رائے صاحب کو بتایا۔ ”جناب! میں اپنا اٹیچی ریڑھی کی مدد سے اسٹیشن لے جاؤں گا۔“

پہلے بھی ایسا ہی ہوتا تھا اس لیے رائے صاحب نے فوراً آمادگی کا اظہار کر دیا۔ وہ دل ہی دل میں خواہش کر رہے تھے کہ کاش کسی طرح عنزیق بھی اپنے بدتمیز توتے کو لے کر چلا جائے۔ دونوں لڑکوں نے آنکھ بچا کر اپنا سامان ایک ریڑھی پر رکھ لیا تھا اور وہ اسے لے کر اسٹیشن کی طرف چل دیے۔ وہاں سے رفوچکر ہونا انہیں بہت آسان لگ رہا تھا۔ علی اور حسن کو معاملات میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ علی ویسے ہی گھر واپس جانے کے خیال سے بہت خوش تھا اور حسن اس غم میں گھلا جا رہا تھا کہ ابھی اسے مزید رائے صاحب کے پاس ٹھہرنا پڑے گا۔

کچھ دیر بعد معاذ نے رائے صاحب کو بڑی خوش دلی سے خدا حافظ کہا۔ ”جناب

آپ کا بہت شکریہ۔ آپ نے ہمیں پڑھایا۔ مجھے امید ہے کہ میری کارکردگی میں اگلے سال بہتری ہو گی۔"

رائے صاحب کہنے لگے۔ "خدا حافظ معاذ! تم نے کوئی اتنا برا کام بھی نہیں کیا۔"

پھر معاذ نے رائے صاحب سے ہاتھ ملایا لیکن رائے صاحب نے ہاتھ فوراً ڈھانپ لیا۔ رائے صاحب کو ایک زبردست چھینک آئی اور وہ کہنے لگے۔ "خدا کی پناہ، تم کیسے اپنے جسم کے ساتھ ان کریہہ جانوروں کی موجودگی قبول کر لیتے ہو؟"

مٹھو چھینک سن کر کب چپکا بیٹھ سکتا تھا۔ فوراً بولا۔ "تمہارا رومال کدھر ہے؟"

رائے صاحب نے اسے گھورا تو وہ فوراً عنزیق کے بازو سے اس کے شانے پر چلا گیا۔

عنزیق نے رائے صاحب سے پوچھا۔ "کیا میں اور نایاب معاذ کو خدا حافظ کہنے ریلوے اسٹیشن پر جا سکتے ہیں؟"

مٹھو صورت حال سمجھ کر ہنسنے لگا تو عنزیق نے اس کے سر پر جھانپڑ مارا اور کہنے

لگا۔ ”خاموش رہو، اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے؟“

مٹھو نے فوراً جواب دیا۔ ”شرارتی لڑکا۔“ جیسے وہ جانتا ہو کہ اس وقت عزیق کے ذہن میں کیا منصوبہ چل رہا ہے۔

رائے صاحب نے کہا۔ ”ضرور! تم معاذ کو خدا حافظ کہنے جا سکتے ہو۔“

وہ سوچ رہے تھے کہ اس توتے سے جتنی دیر بھی جان چھوٹ جائے غنیمت ہے۔ تب سارے بچے اکٹھے اسٹیشن گئے۔ ان کی زیادہ گفتگو سرگوشیوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مٹھو آخری بار رائے صاحب کو حکم دینے سے باز نہیں آیا۔ ”تم دروازہ بند نہیں کر سکتے؟“ رائے صاحب نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور واقعی دروازہ بند کر لیا۔

دروازہ بند کرنے کے باوجود انہیں بچوں اور مٹھو کا قہقہہ سنائی دیا اور انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے خود کو کہا۔ ”کاش میں اس منحوس پرندے کی شکل دوبارہ نہ دیکھوں۔“

انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کی یہ شدید خواہش کچھ ہی لمحوں کے بعد قبول ہونے والی ہے۔ معاذ، عنزیق اور نایاب اسٹیشن پہنچے۔ انہوں نے اپنا سامان لیا اور ایک قلی سے کہہ کر اسے گاڑی کے ڈبّے میں رکھوایا اور جب سیٹی بجا کر گاڑی نے دھواں چھوڑنا شروع کیا تو وہ ڈبّے میں سوار ہو گئے۔ کسی نے انہیں منع نہیں کیا۔ کسی کو اندازہ نہیں ہوا کہ ان تین میں سے دو بچے فرار ہو رہے ہیں۔

بچے پُرجوش بھی تھے اور تھوڑے سے خائف بھی۔ عنزیق بولا۔ ”مجھے امید ہے کہ تمہارے چچا اور چچی ہمیں واپس نہیں بھجیں گے۔“

پھر پیار سے مٹھو کے سر پر ہاتھ پھیرا جو ریل گاڑی کی آواز سے ڈرا بیٹھا تھا۔ اب تو اس کی اپنی سیٹیاں بھی ڈر کر بند ہو چکی تھیں۔

ایک بوڑھی عورت ان کے خالی ڈبے میں بیٹھنا چاہ رہی تھی لیکن جب مٹھو نے دو چار خوفناک چیخیں ماریں تو اس نے اس ڈبّے میں بیٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ آخر کار ریل گاڑی چلنا شروع ہو گئی۔ اس کی آوازوں سے مٹھو کو کسی کی چھینک کا گمان ہوا تو وہ رومال استعمال کرنے کا مشورہ دینے لگا۔ بچے مٹھو کی حالت پر ہنس رہے

تھے۔

معاذ نے اطمینان کا سانس لیا اور بولا۔ ”خدا کا شکر ہے ہمارا سفر شروع ہوا اور تمہارے فرار میں کوئی مسئلہ درپیش نہیں آیا۔ واہ کیا مزا آئے گا جب ہم ساحل سمندر پر اکٹھے ہوں گے۔ تزئین تو تمہیں دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔“

نایاب گانے لگی۔ ”ساحل سمندر، سمندر کی لہریں، لہروں کا شور، ہو۔۔۔ ہو۔۔۔“

جی ہاں ساحل سمندر کے حیران کن لمحات جو کبھی بچوں نے نہیں سوچے تھے۔ ساحل سمندر اور ممکن طور پر ساحل سمندر پر کوئی کارنامہ بھی۔

ساحلِ سمندر والا گھر

ریل گاڑی فرّاٹے بھرتی ہوئی کھیتوں، کھلیانوں اور ریلوے اسٹیشنوں سے گزرتی رہی اور راستے میں کئی اسٹیشنوں پر رکی اور ساحل سمندر کی طرف بڑھتی رہی۔ راستے میں اونچے پہاڑ آئے، چاندی جیسے پانی سے بہتے دریا آئے اور کئی بڑے شہر بھی۔ آخر گاڑی ایک بڑے ویرانے میں آگئی۔ سمندر کی مخصوص ہوا کھڑکی سے اندر آنے لگی۔

عزیق کہنے لگا۔ ”میں سمندر کی مہک کو دیکھے بغیر ہی پہچان سکتا ہوں۔“

وہ پہلے ایک دفعہ سمندر کے کنارے جا چکا تھا لیکن اسے وہ تجربہ کچھ زیادہ یاد نہیں تھا۔ آخر ریل گاڑی ایک ویران سے چھوٹے ریلوے اسٹیشن پر رک گئی۔

معاذ بولا۔ ”ہم پہنچ گئے۔ وہ دیکھو صغیر ہمیں لینے آیا ہے۔ صغیر کیا تم پرانی گاڑی پر آئے ہو؟“

عزیق اور نایاب نے ایک عجیب سا آدمی اپنی طرف آتے دیکھا۔

اس کی جلد پر دراڑیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے دانت بہت سفید تھے۔ بھینگے ہونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے ڈھیلے کسی اور سمت کو بھٹک رہے تھے لیکن وہ ان ہی کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

اس کے پیچھے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی آرہی تھی جو نایاب سے کچھ ہی بڑی ہو گی۔ اپنی عمر کے حساب سے اس کا قد لمبا تھا۔ اس کے سر کے بال بالکل معاذ کی طرح گھنگھریالے تھے۔ حتیٰ کہ اس کے ماتھے پر بالوں پر معاذ کی طرح بودی بھی

کھڑی تھی۔

عنزیق نے سوچا کہ یہ لو ایک اور بودی والے بچے سے واسطہ پڑ گیا لیکن یہ زیادہ غصیلی لگتی ہے۔ یہ ضرور تزئین ہو گی اور واقعی وہ تزئین ہی تھی۔ وہ صغیر کے ساتھ معاذ کو لینے کے لیے ایک بہت ہی پرانی کار میں آئی تھی۔

وہ اچانک رُک گئی اور حیرانی سے عنزیق اور نایاب کو دیکھنے لگی۔ عنزیق تو اسے دیکھ کر مسکرا دیا لیکن نایاب تزئین جیسی پر اعتماد اور بنی ٹھنی لڑکی کو دیکھ کر بھائی کے پیچھے ہو گئی۔

تزئین کو سب سے زیادہ حیرت مٹھو کو دیکھ کر ہو رہی تھی جو صغیر کو حکم دے رہا تھا کہ اپنے پیروں کو صاف کرے۔ صغیر نے غصّے سے کہا۔ ”جاؤ منہ دھو کر آؤ!“

وہ توتے سے ایسے بات کر رہا تھا جیسے انسانوں سے کی جاتی ہیں۔ مٹھو نے اپنی چھاتی نکال اور کتّے کے بھونکنے کی آواز نکالنے لگا۔

صغیر حیران رہ گیا۔ اس نے معاذ سے پوچھا۔ ”کیا یہ پرندہ ہی ہے؟“

معاذ نے جواب دیا۔ ”ہاں کیوں نہیں۔ اچھا صغیر یہ اٹیچی کیس بھی کار کی ڈگی میں رکھوا دو۔ میرے دونوں مہمانوں کا ہے۔“

صغیر نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”کیا یہ رہنے کے لیے آئے ہیں؟ تمہاری چچی نے تو مجھ سے ان کے آنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔“

تزئین نے پوچھا۔ ”بھیّا یہ کون ہیں؟“

وہ نزدیک آ کر بولا۔ ”میرے خطوں والے دوست جو رائے صاحب کے پاس رہتے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔“

پھر اس نے بہن کو آنکھ کے خفیف اشارے سے سمجھا دیا کہ وہ اسے تب سمجھائے گا جب صغیر پاس نہیں ہو گا۔ پھر اس نے تزئین کو یاد دلایا یہ عنزیق ہے اور نایاب جن کے بارے میں وہ پہلے ہی بتا چکا ہے۔ تینوں بچوں نے سر کو خفیف سی حرکت سے خم کیا اور پھر سبھی دھچکوں والی کار میں سوار ہو گئے۔ ان کے دونوں اٹیچی کار کی ڈگی میں تھے اور پھر جس طرح صغیر نے گاڑی چلائی وہ نایاب کے لئے سب سے خطرناک بات تھی۔ وہ کار میں سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی، ڈری سہمی۔

ان کی کار نے اپنا سفر ایک ایسے رستے پر جاری رکھا جس کے ارد گرد سنگلاخ چٹانیں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ پر شکوہ چوٹیاں جابجا تھیں ماسوائے کچھ مقامات کے جہاں ویرانہ تھا۔ یہ ساحل سمندر بہت ویران اور اُجاڑ لگتا تھا۔ وہ راستے میں شکستہ اور تباہ شدہ گھروں کو دیکھ رہے تھے۔

معاذ نے بتایا۔ ”یہ جنگ میں جلائے گئے گھر ہیں۔ میں ان کے متعلق پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں۔ انہیں کسی نے دوبارہ تعمیر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ صرف ہمارے گھر کے قریب کی جگہ جنگ سے بچی رہی۔“

تزئین بولی۔ ”وہ دیکھو، وہ چٹان ہے جس پر ہمارا گھر تعمیر ہوا ہے۔“

تزئین کے بتانے پر سبھی ایک اونچی چٹان کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر مڑتے ہوئے انہیں دور ایک مینار نظر آیا جس کے متعلق بچوں کو لگا کہ وہ معاذ کے گھر کا حصّہ ہو سکتا ہے۔ معاذ بتانے لگا۔ ”ہمارا گھر ایسا بنایا گیا تھا جو سمندر کی لہروں سے بچا رہے لیکن طوفان کے دنوں میں لہروں سے بننے والی پھواریں اتنی ہی تیز ہوتی ہیں جتنی خود لہریں۔“

نایاب اور عنزیق کو یہ سب بڑا حیرت انگیز لگ رہا تھا۔ کسی ایسے گھر میں رہا جائے جس کی دیواروں سے سمندر کی لہریں سر پٹختی ہوں بہت زبردست تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ ان کے یہاں قیام کے دوران کوئی بڑا سا سمندری طوفان آجائے۔

اچانک صغیر بولا۔ ”کیا تمہاری چچی تم سب کا انتظار کر رہی ہیں؟ انھوں نے مہمانوں کا مجھے نہیں بتایا تھا۔“

وہ دراصل بہت حیران تھا کہ یہ دو مہمان کہاں سے ٹپک پڑے ہیں۔

معاذ بولا۔ ”انھوں نے اگر ذکر نہیں کیا تو یہ بڑی حیرانی والی بات ہے۔“

یہ سن کر مٹھو پھر ہنسنے لگا۔ صغیر نے اس قہقہے پر خاصا ناک منہ چڑھایا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ مٹھو کے اس کی دوستی نہیں ہو سکتی۔ عنزیق کو بھی یہ بات بالکل پسند نہیں آرہی تھی جس طرح صغیر مٹھو کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک تزئین نے چیخ ماری اور معاذ کو دھکا دے کر بولی۔ ”اوہ، تمہاری گردن کے

پیچھے ننھا منا چوہا پھر رہا ہے۔ میں نے اسے تمہاری گردن کے پیچھے سے جھانکتے دیکھا ہے۔ اس کو گاڑی سے باہر پھینکو۔ تمہیں معلوم ہے میں چوہے برداشت نہیں کر سکتی۔"

معاذ ناراضگی سے بولا۔ "اپنا منہ بند کرو اور بے وقوفی کی باتیں مت کیا کرو۔"

اتنی بات تزئین کو طیش دلانے کے لیے کافی تھی۔ اس نے معاذ کا کالر پکڑ کر اسے جھنجھوڑا تاکہ چوہے کو باہر نکال کر گاڑی سے باہر پھینک دے۔

معاذ نے بھی جواب میں تزئین کو دھکا دیا۔ جس نے اس کا سر گاڑی کے دروازے میں لگا۔ اب تزئین کی باری تھی۔ اس نے معاذ کو بلا جھجک ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ عنزیق اور نایاب حیران پریشان ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

تزئین بولی۔ "جانور! میری خواہش تھی کہ کاش تم واپس نہ ہی آتے۔ اپنے دونوں عجیب دوستوں کو ساتھ لے کر رائے صاحب کے پاس واپس لوٹ جاؤ۔"

معاذ کہنے لگا۔ "میرے مہمان عجیب نہیں ہیں۔ یہ بہت اچھے ہیں۔"

پھر اس نے اپنا منہ تزئین کے کان کے قریب کر لیا۔ جب اس نے دیکھا کہ صغیر ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا اور تزئین کے کان میں کھسر پھُسر کرنے لگا۔

''یہ رائے صاحب کی دسترس سے فرار ہو کر آئے ہیں اور میں نے ہی انہیں آنے کے لیے کہا ہے۔ ان کے تایا ہماری چچی کو باقاعدہ ان کے رہنے کے عوض رقم دیں گے اور اس رقم سے چچی گھر کے بل ادا کریں گی جن کے متعلق تم نے خط میں بتایا تھا۔''

تزئین کا غصّہ اتنی ہی تیزی سے غائب ہو گیا جتنی تیزی سے ظاہر ہوا تھا۔ وہ اب انہماک سے دونوں بہن بھائیوں کو دیکھ رہی تھی اور ساتھ اپنے دکھتے سر کو سہلا بھی رہی تھی۔ چچی کیا کہیں گی؟ یہ کہاں سوئیں گے؟ لیکن یہ مسئلہ مزے کا ہو گا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

صغیر پتھریلے اور دھچکوں والے رستے پر گاڑی بھگاتا رہا۔ عنزیق حیران تھا کہ اس طرح کی ڈرائیونگ سے گاڑی اب تک ٹکڑوں میں تقسیم کیوں نہیں ہوئی۔ وہ

پہلے چٹان پر سیدھا چڑھے اور پھر ایک خفیہ ڈھلوان پر سفر کرتے ہوئے گھر تک پہنچے۔ وہاں اچانک ہی غراتا ہوا سمندر ان کے سامنے تھا اور اوپر سامنے ان کا گھر تھا جو چٹان کی اونچائی کے وسط میں واقع تھی۔

یہ ایک انتہائی حیران کن جگہ تھی۔ کئی سال پہلے یہاں دو مینار ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک گر چکا تھا لیکن دوسرا ابھی پورے طمطراق سے کھڑا تھا۔ گھر بڑے بڑے مٹیالے پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ وہ بہت بڑا اور آنکھوں کو لُبھانے والا نہیں تھا، لیکن پھر بھی پُر شکوہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ ایک مغرور اور ناراضگی بھرا تاثر لیے سمندر کے سامنے سینہ تانے کھڑا تھا جیسے بے چین سمندر کا مقابلہ کر رہا ہو۔

عنزیق نے نیچے پانی پر نظر دوڑائی تو اسے مختلف اقسام کے سمندری پرندوں کے جھنڈ دکھائی دیے۔ عنزیق کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ ہزاروں پرندے، لاکھوں پرند۔ اس نے سوچا کہ وہ پورے ذوق و شوق سے پرندوں کے متعلق معلومات حاصل کرے گا۔ ان کے گھونسلے ڈھونڈے گا اور سکون سے ان کی تصویریں کھینچے گا۔ کیا مزے کا وقت ہو گا۔

ایک عورت دروازے پر آئی اور حیرت سے چاروں بچوں کو دیکھنے لگی۔ وہ کمزور سی تھی اور اس کے بال ریتلے رنگ کے الجھے ہوئے تھے۔ وہ تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

معاذ چلایا۔ ’’سلام چچی! میں واپس آگیا ہوں۔‘‘

وہ دوڑتا ہوا پتھریلے راستے پر آرہا تھا۔ چچی نے معاذ کو پیار کیا اور کہنے لگیں۔

’’وہ تو میں دیکھ رہی ہوں لیکن تمہارے ساتھ کون ہے؟‘‘

تو معاذ بولا۔ ’’چچی یہ میرے دوست ہیں۔ یہ گھر نہیں جاسکے کیونکہ ان کے تایا کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اس لیے میں انہیں ساتھ لے آیا ہوں۔ ان کے تایا ان کے یہاں رہنے کے اخراجات برداشت کریں گے۔‘‘

چچی یہ سن کر تیزی سے بولیں۔ ’’لیکن تم ایسے کیسے کر سکتے ہو اور وہ بھی مجھے بتائے بغیر۔ یہ کہاں سوئیں گے۔ تمہیں پتا ہے ہمارے گھر میں مہمانوں کو ٹھہرانے کا کوئی کمرہ نہیں ہے۔‘‘

معاذ نے کہا۔ "یہ مینار والے کمرے میں سو جائیں گے۔"

مینار والا کمرہ، یہ ذکر سن کر ہی عنزیق اور نایاب کی باچھیں کھل گئیں۔ چچی دبے دبے لہجے میں بولیں۔ "وہاں کوئی بستر نہیں ہے۔ انہیں واپس جانا ہو گا۔ یہ آج رات ادھر رہیں اور صبح واپس چلے جائیں۔"

نایاب روہانسی ہو گئی تھی۔ چچی کے لہجے میں بڑی سختی تھی جسے وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے یہاں آنے میں بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ عنزیق نے یہ دیکھ کر اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ ارادہ کر چکا تھا کہ وہ واپس جانے والا نہیں۔ اڑتے، چکر کاٹتے، لہراتے پرندوں کے جو مناظر نے اس کے دل میں ان جانی خوشی بھر دی تھی۔ وہ چٹان پر لیٹ کر انہیں غور سے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ تمام گھر میں داخل ہوئے۔ صغیر ان کے اٹیچی لے کر آ رہا تھا اور چچی نفرت سے مٹھو کو گھور رہی تھی۔ انہوں نے کہا۔ "ایک توتا بھی ہے۔ ایک شور مچانے والا پرندہ۔ کیا تمہارے گندے مندے سے پالتو جانور کافی نہیں تھے جو اب ایک توتا بھی تشریف لے آیا ہے۔"

اچانک مٹھو بولا۔ ”بیچاری چچی، بیچاری بوڑھی چچی۔“

چچی حیران ہو کر توتے کو دیکھنے لگیں۔ انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔ ”یہ مجھے کیسے جانتا ہے؟“

مٹھو یہ نام نہیں جانتا تھا بلکہ خود چچی کئی دفعہ اپنے آپ کو بوڑھی بیچاری چچی کے نام سے پکارتی رہتی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ اس نے بوڑھی عورت پر اپنا ایک تاثر قائم کر لیا ہے تو اس نے انہی الفاظ کو بہت نرمی سے دوبارہ ادا کیا۔ لگتا تھا جیسے وہ رونے کے قریب ہے۔

”بیچاری چچی، بے چاری بوڑھی چچی۔“

چچی مزید متاثر ہو کر اب مٹھو کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔ کام کرتے کرتے چچی کئی دفعہ بیمار ہوئیں، تھکیں یا ان کو جھڑکا گیا لیکن کبھی کسی نے نہ ان سے افسوس کیا اور نہ ہی ہمدردی کا ایک لفظ کہا۔ اب وہ کھڑی تھیں اور ایک توتا ان کے لیے ہمدردی کے بول بول رہا تھا اور دنیا میں کسی بھی شخص سے زیادہ ان پر مہربانی کے پھول برسا رہا ہے۔ چچی کو عجیب بھی لگ رہا تھا لیکن وہ خوش بھی

ہو رہی تھیں۔

وہ معاذ سے بولیں۔ ”معاذ تم ایک سونے والا گدا اوپر مینار والے کمرے میں لے جانا اور لڑکے کے ساتھ ہی آج رات سو جانا۔ اس کا نام کیا ہے؟ اور لڑکی تزئین کے ساتھ سو سکتی ہے۔ گدا چھوٹا ہے لیکن میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اگر تم مہمانوں کو میرے پوچھے بغیر لے آؤ گے تو میں تیاری کیسے کروں گی۔“

بچے کھانا کھانے لگے، کھانا بہت مزیدار تھا۔ چچی کھانا بہت مزے کا بناتی تھیں۔ یہ چائے اور دوپہر کے کھانے کا امتزاج تھا اور بچوں نے اسے بڑی رغبت سے کھایا۔ سارے دن میں ناشتے کے بعد انہوں نے صرف وہ سینڈوچ بانٹ کر کھائے تھے جو معاذ کو رائے صاحب نے کھانے کے لئے دیے تھے۔ ظاہر ہے ایک سینڈوچ تین بچے بانٹ کر کھائیں گے تو ان کا پیٹ کیسے بھرے گا؟ تبھی تزئین چھینکی اور مٹھو نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہنے لگا۔ ”تمہارا رومال کدھر ہے؟“

چچی نے توتے کی طرف حیرانگی سے دیکھا اور کہنے لگیں۔

”میں نے ہمیشہ یہ بات تزئین سے کہی ہے مجھے تو یہ توتا بہت ذہین لگتا ہے۔“

مٹھو چچی کی تعریف سے پھولا نہ سمایا اور چہکا۔ ”بیچاری چچی۔ بے چاری پیاری چچی“

یہ کہہ کر اس نے اپنی گردن پیارے سے ایک طرف پھینک دی اور اس کی چمکدار آنکھوں میں چچی کے لئے محبت اُمڈی ہوئی تھی۔ معاذ نے عنزیق کے کان میں آہستگی سے کہا۔ ”چچی تم سے زیادہ تمہارے توتے کو پسند کرتی ہیں۔“

کھانے کے بعد چچی معاذ کو چچا کے مطالعے کے کمرے میں لے گئیں۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر چلی گئیں۔ اس کے چچا کاغذوں سے بھری الماری کے ایک خانے پر جھکے ہوئے تھے اور ایک خوردبین سے کاغذات کا باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے۔ وہ معاذ کو جیسے دانت پیتے ہوئے کہنے لگے۔

”تو تم دوبارہ واپس آ گئے ہو۔ اب تمیز سے رہنا اور میرا کوئی کام خراب نہیں کرنا۔ میں ان بقایا چھٹیوں میں بہت مصروف ہوں۔“

چچی نے چچا کو مخاطب کر کے کہا۔ ”آصف صاحب! معاذ اپنے ساتھ دو مہمان بھی

لایا ہے اور ایک عدد توتا بھی اور وہ چاہتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ رہیں۔“

چچا آصف فوراً بولے۔ ”وہ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ توتا رہ سکتا ہے، تم توتا رکھنا چاہو تو رکھ لو۔ نہ رکھنا چاہو تو نہ رکھو میں مصروف ہوں۔“

وہ اپنے کاغذوں پر جھک گئے۔ چچی نے ٹھنڈی سانس لی اور دروازہ بند کر دیا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے بولیں۔ ”وہ اپنے ماضی میں اتنا مگن ہے کہ اپنا حال بھول چکا ہے۔ مجھے لگتا ہے مجھے خود رائے صاحب سے بات کرنی ہو گی۔ وہ ان بچوں کے متعلق پریشان ہو رہا ہو گا۔“

وہ ٹیلی فون کرنے گئیں۔ معاذ ان کے پیچھے تھا۔ وہ سننا چاہتا تھا کہ اس بارے میں رائے صاحب کیا کہتے ہیں؟ ایک کمرے سے تزئین نے بھی جھانکا اور معاذ نے ٹیلی فون کی طرف اشارہ کیا۔ اگر رائے صاحب ناراض ہوئے اور انہوں نے عنزیق اور نایاب کو واپس لینے سے انکار کر دیا اور ہو سکتا ہے رائے صاحب اتنی رقم چچی کو بھجوا دیں جس سے چچی کا عنزیق اور نایاب کو واپس بھجوانے کا ارادہ تبدیل ہو جائے۔

قیام

رائے صاحب پریشان تھا کیونکہ عنزیق اور نایاب واپس نہیں لوٹے تھے۔ پہلے پہل وہ یہ سمجھے کہ شاید دونوں بہن بھائی سیر پر نہ نکل گئے ہوں یا ہو سکتا ہے کہ عنزیق کو کوئی غیر معمولی پرندہ مل گیا ہو اور وہ وقت کے بارے میں بالکل بھول گیا ہو لیکن پھر جب گھنٹوں بیت گئے اور ابھی بھی بچے واپس نہیں لوٹے تو وہ واقعی بہت پریشان ہو گئے۔

ایسا لگتا ہے کہ ٹیلی فون کرنے میں چچی نے کچھ زیادہ دیر لگا دی۔ یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ معاذ کے ساتھ بھی جا سکتے ہیں۔ اگر یہ ان کے ذہن میں ہوتا تو وہ فوراً معاذ کے چچا کو ٹیلی فون کر سکتے تھے۔ جب معاذ کی چچی نے انہیں فون کر کے یہ اطلاع دی کہ بچے محفوظ ہیں تو رائے صاحب کی جان میں جان آئی۔

وہ بتا رہی تھیں۔ "وہ دونوں معاذ کے ساتھ ہی میرے پاس آ گئے ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں کہ انہیں ایسا کرنے کی اجازت کیسے مل گئی لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں انہیں مزید اپنے پاس نہیں رکھ سکتی۔"

یہ بات سن کر رائے صاحب کا دل جیسے ڈوب ہی گیا۔ کیونکہ ایک لمحہ ایسا تھا جب انہیں محسوس ہوا کہ شاید ان کی جان عنزیق، نایاب اور ان کے بد تمیز توتے سے چھوٹ گئی ہے۔ لیکن اب ایسا نہیں لگ رہا تھا۔ رائے صاحب نے بڑے ادب سے چچی کو کہا۔

"ٹھیک ہے بیگم آصف! مجھے اس بارے میں افسوس ہے۔ بچے مجھے بتا کر گئے تھے

کہ وہ معاذ کو الوداع کہنے جارہے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ معاذ نے انہیں ساتھ چلنے کے لیے مجبور کیا ہے۔ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ آپ باقی چھٹیاں بچوں کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بچے چھٹیاں آپ اور معاذ کے ساتھ گزارنا پسند کریں گے۔ وہ صحیح کہہ رہے ہیں کہ ان کے تایا چوہدری انہیں ابھی واپس بلانا نہیں چاہتے۔ البتہ انہوں نے مجھے بچوں کے مزید اخراجات کے لیے کافی رقم بھی بھیجی ہے تاکہ میں انہیں ساری چھٹیاں اپنے ساتھ رکھ سکوں۔ میں وہ رقم میں آپ کو بھجوا سکتا ہوں لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے اگر آپ مزید کچھ عرصہ بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے راضی ہوں۔ میں اس سلسلہ میں بچوں کے تایا جان سے بھی بات کر لیتا ہوں۔"

یہ باتیں سن کر ٹیلی فون پر تھوڑی سی خاموشی ہو گئی اور پھر چچی جان نے پوچھا۔
"کتنی رقم ہے؟"

اب پھر چند لمحے خاموش رہی اور پھر رائے صاحب نے حاصل کردہ رقم بتائی جو واقعی خاصی بڑی رقم تھی۔ چچی جان نے جلدی جلدی سوچا کہ بچوں کے رہنے پر

تو کوئی اتنے زیادہ اخراجات نہیں اٹھیں گے۔ اس کے علاوہ وہ احتیاط کریں گی کہ بچے آصف صاحب کے کاموں میں مخل نہ ہوں۔ نایاب گھر کے کاموں میں تزئین کی مدد بھی کرے گی اور وہ اپنی تمام ادائیگیاں آرام سے کر لیں گی جس سے ان کے مسائل بھی حل ہو جائیں گی۔

ٹیلی فون کے دوسرے سرے پر رائے صاحب چچی کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے وہ ہر قیمت پر چاہتے تھے کہ مٹھو واپس نہ آئے۔ وہ عنزیق کو تو برداشت کر سکتے تھے، نایاب بھی ٹھیک ہی تھی لیکن مٹھو کو برداشت کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر چچی اس انداز سے بولیں جیسے انہوں نے ہار مان لی ہو۔ ”ٹھیک ہے۔ مجھے سوچنے کے لیے وقت دیں۔ یہ ہمارے لئے مشکل ہو گا کیونکہ ہمارے پاس رہنے کے لیے بہت بہت محدود جگہ ہے۔ اگرچہ ایک کمرہ تو بہت بڑا ہے مگر مینار والا کمرہ۔۔۔“

معاذ اور دوسرے بچے وہ تمام باتیں سن چکے تھے جو چچی کے منہ سے نکلیں۔ اب وہ ایک دوسرے کو خوشی سے دیکھ رہے تھے معاذ نے سرگوشی کی۔ ”چچی ہار مان

گئی ہیں اور عنزیق شرط لگالو تم اور میں مینار والے کمرے میں رہنے والے ہیں۔ میں ہمیشہ سے وہاں سونا چاہتا تھا لیکن چچی نے مجھے کبھی وہاں رہنے نہیں دیا۔"

رائے صاحب ایک دفعہ پھر لجاجت سے بولے۔ "بیگم آصف! آپ مجھ پر بہت بڑا احسان کریں گی اگر آپ بچوں کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لیں گی۔ میں ابھی چوہدری صاحب کو ٹیلی فون کرتا ہوں۔ میں آپ کو فوراً رقم بھجواتا ہوں اور اگر آپ کو مزید رقم درکار ہو تو مجھے بتائیے۔ آپ سوچ نہیں سکتیں کہ آپ مجھ پر کتنی مہربانی کر رہی ہیں۔ دونوں بہت اچھے بچے ہیں آپ انہیں آسانی سے سنبھال لیں گی۔ نایاب بہت اچھی بچی ہے۔ مسئلہ صرف اس بد تمیز توتے کا ہے۔ ہو سکے تو اس کے لیے ایک پنجرہ منگوا لیجئے گا۔"

چچی یہ سن کر تنگ آ کر بولیں۔ "مجھے اس توتے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

یہ فقرہ سن کر رائے صاحب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مٹھو نے خوشی سے چیخ ماری جو رائے صاحب نے ٹیلی فون پر بڑی صاف سنی۔ رائے صاحب نے سوچا کہ بیگم آصف کمال بہادر عورت ہیں جنہیں مٹھو جیسے عفریت سے کوئی مسئلہ

نہیں۔ گفتگو یہاں ختم ہو گئی۔ بیگم آصف نے کہا کہ وہ چوہدری صاحب کو خود خط لکھیں گی۔ اس اثنا میں وہ وعدہ کر چکی تھیں کہ وہ بقایا تمام چھٹیوں میں بچوں کی دیکھ بھال کریں گی۔ اور ٹیلی فون بند ہو گیا۔ بچوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ معاذ اپنی چچی کے پاس گیا۔

وہ بولا۔ ”چچی آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے ہمارے دوستوں کو ہمارے ساتھ رہنے دیا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ چچا کے کام میں دخل نہیں دیں گے اور آپ کے کاموں میں مدد کریں گے۔ مٹھو بھی بڑی شفقت سے بولا ،”پیاری چچی!“ اور یہ کہہ کر وہ عنزیق کے شانے سے پھدک کر چچی کے شانے پر جا بیٹھا۔ سب حیران پریشان کھڑے تھے چالاک مٹھو چچی کو خوب بنا رہا تھا۔ چچی بولیں ”بے وقوف پرندہ!“ وہ چھپا رہی تھیں کہ دراصل مٹھو کی اس حرکت سے وہ کتنی خوش ہوئی ہیں۔ مٹھو سب کی امیدوں کے بالکل برعکس بولا۔ ”اللہ سب کا بھلا کرے“ اور سب کا بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

چچی بولیں۔ ”معاذ تم اور عنزیق مینار والے کمرے میں رہو گے۔ آؤ دیکھتے ہیں

وہاں کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ تزئین تم اپنے کمرے میں دیکھو تمہیں نایاب کے ساتھ رہنے کے لیے کن چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ وہ معاذ کے پرانے کمرے میں بھی رہ سکتی ہے۔ دونوں کمرے درمیان سے کھلتے بھی ہیں اس لیے بہتر ہو گا کہ تم دونوں کمرے استعمال کر لو۔"

تزئین خوشی خوشی نایاب کو لے کر کمرہ دیکھنے گئی۔

نایاب کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح بھائی کے نزدیک ہی سوتی۔ اس کا کمرے مینار والے کمرے سے خاصا دور تھا۔ عنزیق نے بازو پر مٹھو کو بٹھایا اور اونچائی پر بنی کھڑکی میں آرام سے بیٹھ کر سمندری پرندوں کو اڑتا ہوا دیکھنے لگا۔ معاذ چچی کے ہمراہ مینار والے کمرے میں گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ وہ عنزیق اور نایاب کو بہت پسند کرنے لگا تھا اور اسے اپنا خواب حقیقت میں بدلتا دکھائی دے رہا تھا کہ وہ کئی ہفتے اکٹھے رہنے والے تھے۔

وہ دونوں ایک پتھریلے ڈھلوانی راستے پر چلنے لگے۔ پھر وہ ایک تنگ سیڑھیوں کے قریب پہنچے اور سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ سیڑھیاں چکر کھاتی ہوئی اوپر چڑھ

رہی تھیں اور آخر کار وہ مینار والے کمرے میں پہنچ گئیں۔ یہ کمرہ بناوٹ میں گول تھا اور اس کی دیواریں بڑی دبیز تھیں۔ اس میں تین تنگ سی کھڑکیاں تھیں جن میں سے ایک سمندر کی جانب کھلتی تھی اور اس میں شیشہ نہیں تھا۔ کمرہ بہت خستہ حالت میں تھا اور پرندوں کے شور سے گونج رہا تھا۔ تند لہروں کا شور علیحدہ تھا۔

چچی بولیں۔ ''مجھے ڈر ہے کہ تم دونوں کو یہاں سردی لگے گی۔''

لیکن یہ سن کر معاذ نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔

وہ کہنے لگا۔ ''ہمیں اس کی فکر نہیں ہے۔ اگر شیشہ کھڑکیوں میں لگا بھی ہوتا تو پھر بھی ہم انہیں کھول کر ہی سوتے۔ ہم ٹھیک رہیں گے اور بہت خوش بھی۔ اور وہ دیکھیں شاہ بلوط کی لکڑی سے بنی ایک الماری بھی ہے جس میں ہم اپنی چیزیں رکھ سکتے اور ایک لکڑی کا اسٹول بھی ہے۔ ہمیں سونے کے لیے صرف گدّا چاہیے ہو گا۔''

چچی بولیں۔ ''ہم ایک چھوٹا پلنگ ان تنگ راستوں سے اوپر لا سکتے ہیں۔ تم اس پر

گدّا بچھا کر سو سکتے ہو۔ میرے پاس ایک بڑا گدّا ہے جو تم دونوں کے لیے کافی ہو گا۔ میں تزئین کو جھاڑو دے کر اوپر بھیج دوں گی تا کہ وہ کمرہ صاف کر دے۔"

معاذ بولا۔ "چچی دوبارہ آپ کا بہت شکریہ۔ آپ کو ہمارے لیے اتنا کچھ کرنا پڑ رہا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ عنزیق اور نایاب کے یہاں رہنے سے آپ کے اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ نہیں ہو گا۔"

چچی نے الماری کا دروازہ بند کیا اور معاذ سے کہنے لگیں۔ "بیٹے تم یہ مت سمجھو کہ میں جان بوجھ کر تمہیں اپنی مجبوریاں بتا رہی ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمہاری والدہ بیمار ہیں اور وہ اب اتنی رقم ماہانہ نہیں بھیج رہیں جتنی وہ پہلے بھیجا کرتی تھیں۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری سکول کی فیس خاصی زیادہ ہے اور کئی دفعہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں۔ تم اب سمجھدار ہو گئے ہو۔ تمہارے چچا گھر کی ذمہ داریوں میں اتنی توجہ نہیں دیتے۔ اور میرے پاس جو پیسے ہوتے ہیں وہ پلک جھپکتے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔"

معاذ کو ان باتوں کا علم نہیں تھا۔ اس کی امّی بیمار تھیں اور چچی کو ان سے پیسے نہیں

مل رہے تھے۔ یہ سب معاذ کو فکر مند کرنے کے لئے کافی تھا۔

اس نے پوچھا۔ ”چچی! امّی جان کو کیا ہوا ہے؟“

چچی نے جواب دیا۔ ”وہ بہت کمزور ہو چکی ہیں اور انہیں بڑی شدید کھانسی ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ انہیں آرام کی ضرورت ہے اور ہو سکے تو سمندر کے کنارے آرام کریں لیکن وہ نوکری نہیں چھوڑ سکتیں؟“

معاذ کہنے لگا۔ ”چچی میں اسکول چھوڑ دیتا ہوں اور کوئی نوکری ڈھونڈ لیتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ امّی جان ہمارے لئے کام کرتے کرتے مُستقل مریضہ بن جائیں۔“

چچی کہنے لگیں۔ ”تم اس طرح نہیں کر سکتے۔ تم تو ابھی صرف بارہ تیرہ سال کے ہو۔ اب جو پیسے رائے صاحب بھجوا رہے ہیں اس سے میری مشکلوں میں کچھ کمی ہو گی۔“

معاذ نے گفتگو جاری رکھی وہ کہنے لگا۔ ”یہ مکان بہت بڑا ہے اور ہماری ضرورت

سے زائد ہے۔ کیوں نہ ہم یہ مکان چھوڑ کر کسی چھوٹے سے خوبصورت مکان میں رہیں جہاں آپ کو بھی اتنی محنت نہ کرنا پڑے اور تنہائی کا احساس بھی کم ہو۔"

چچی بولیں۔ "میں اسے بیچنا چاہتی ہوں لیکن آدھا تباہ ہوا مکان کون خریدے گا جہاں ہر وقت تند و تیز ہواؤں کا شور ہو اور وہ عام لوگوں کی دسترس سے اتنی دور واقع ہو؟ اور میں تمہارے چچا کا کیا کروں۔ وہ اس جگہ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اس ساحل سے محبت کرتے ہیں اور اس جگہ کو دنیا بھر میں سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ہماری سبھی خواہش پوری نہیں ہوتیں۔ ہمیں یہیں زندگی گزارنی پڑے گی جب تک تم اور تزئین اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو جاؤ۔"

معاذ نے سوچا کہ پھر وہ ایک گھر بنائے گا جس میں وہ اپنی ماں اور تزئین کے ساتھ رہے گا۔ پھر وہ اپنی چچی کے ساتھ گدے لانے کے لیے سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس نے عنریق کو آواز دی اور پھر دونوں لڑکے ہانپتے کانپتے تنگ سیڑھیوں کے راستے سے گدے مینار والے کمرے میں لے ہی گئے۔ مٹھو اپنی چیخوں اور جملوں سے ان کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ صغیر اس کی باتوں سے البتہ چڑتا رہا وہ سمجھ رہا

تھا شاید مٹھو اسے حکم دے رہا ہے اور مٹھو کو علم ہو گیا کہ وہ اس کی باتوں سے چڑتا ہے تو وہ جان بوجھ کر آوازیں نکال کر اسے چڑاتا رہا۔

صغیر نے ایک چھوٹا میز اور عنزیق کا اٹیچی اٹھایا ہوا تھا جو اس نے مینار والے کمرے میں رکھ دیے۔ وہ مزاج کا بہت برا تھا۔ معاذ سوچ رہا تھا کہ صغیر کا مزاج ہمیشہ سے خراب ہے لیکن اب تو اس کا دماغ زیادہ ہی خراب لگ رہا تھا۔ معاذ نے اس سے پوچھا۔ ”صغیر کیا مسئلہ ہے؟ کیا آج کل بھی ’چیزیں‘ رات کو آوارہ گردی کرتی ہیں؟“

اور پھر دونوں لڑکے بے اختیار صغیر کے اس مفروضے پر ہنس دیئے کہ شام کو ساحل سمندر پر ’چیزیں‘ گھومتی ہیں۔

صغیر بولا۔ ”میں نے تمہاری چچی کو بتایا تھا کہ انہیں یہ کمرہ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بہت بُرا کمرہ ہے اور جب دھند چھٹتی ہے تو یہاں سے دُکھ والا جزیرہ نظر آتا ہے جو بہت بڑی بدشگونی ہے۔“

معاذ نے اسے ہنستے ہوئے کہا۔ ”صغیر بے وقوفوں کی سی باتیں مت کرو۔“

یہی فقرہ فوراً مٹھو نے بھی دہرا دیا۔ صغیر معاذ اور مٹھو دونوں پر برسنے لگا۔ اس نے کہا۔ ”میری بات کا یقین کرو معاذ۔ کوشش کرو کہ اس کمرے سے 'دکھ کا جزیرہ' تم نہ ہی دیکھو۔ یہی وہ کمرہ ہے جہاں سے تم اسے دیکھ سکتے ہو۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ مینار والا کمرہ برا کمرہ ہے۔ کبھی کوئی اچھی خبر 'دُکھ کے جزیرہ' سے نہیں آئی۔ مافوق الفطرت لوگ وہاں رہتے ہیں جو بُرے ہیں اور انہوں نے وہاں بُرے کام کئے ہوئے ہیں۔ وہاں سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت ہی نازل ہوتی ہے۔“

پھر اس ڈراؤنی گفتگو کے بعد صغیر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جاتے وقت اس نے دونوں لڑکوں کو خوب گھورا۔ معاذ طنزاً کہنے لگا۔ ”کیا خوش اخلاق انسان ہے۔ پتا نہیں کیا وجہ ہے کہ صغیر یہ جگہ چھوڑ کر نہیں جاتا حالانکہ کہیں اور وہ یہاں سے دوگنی رقم کما سکتا ہے۔“ پھر دونوں گدے بچھانے لگے۔ عنزیق کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے معاذ سے پوچھنے لگا۔ ”یہ دُکھ کا جزیرہ کیا ہے اور کیا ڈراؤنا نام ہے۔ مجھے تو کوئی جزیرہ دکھائی نہیں دے رہا۔“

معاذ نے بتایا۔ ”تم کبھی کبھار ہی اسے دیکھ سکتے ہو۔ وہ مغرب کی جانب ہے اور اس کے اردگرد بہت سی نوکیلی چٹانیں ہیں جہاں پانی کی پھوار ایک چادر بنائے رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے وہاں ہر وقت دھند چھائی رہتی ہے۔ کبھی وہاں لوگ رہا کرتے تھے البتہ اب وہاں کوئی نہیں رہتا۔“

عنزیق کہنے لگا۔ ”میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ اس جزیرے میں ہزاروں سمندری پرندے ہوں گے جو ہم سے نہیں ڈریں گے۔ انہیں قریب سے دیکھنا بہت شاندار تجربہ ہو گا۔“

معاذ حیرانی سے عنزیق سے پوچھنے لگا۔ ”تم کہتے ہو کہ پرندے ہم سے نہیں ڈریں گے۔ وہ تو مٹھو سے بھی ڈر جائیں گے۔“

عنزیق نے کہا۔ ”لیکن دُکھ کے جزیرے میں پرندوں نے کبھی انسان نہیں دیکھے ہوں گے اس لیے وہ نہ احتیاط کریں گے اور نہ ہی ڈریں گے۔ میں ان کی بہت ہی قریب سے تصویریں لے سکوں گا۔ میرا دل کرتا ہے کہ ابھی وہاں چلا جاؤں۔“

معاذ کہنے لگا۔ ”لیکن تم جا نہیں سکتے۔ میں بھی کبھی وہاں نہیں گیا اور شاید کبھی

کوئی بھی اتنی دور تک نہیں گیا۔ ہم اس کے زیادہ نزدیک جائیں گے تو پھوار ہمیں مکمل گیلا کر دے گی اور پھر وہاں اکثر بارش بھی ہوتی رہتی ہے۔"

عزیق نے اسے کہا۔ "گدّے جہاں مرضی رکھ دو۔"

وہ دھندوں میں لپٹے جزیرے اور نامانوس پرندوں کے خواب میں کھویا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے اسے وہاں ایسے پرندے دیکھے جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھے ہوں اور وہ ان کے گھونسلوں اور انڈوں تک پہنچ سکے۔ وہ دنیا کو یہ عجیب و غریب پرندے اپنی شاندار تصویروں سے دکھا سکے۔ عزیق نے مصمّم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ جزیرے تک جائے گا چاہے صغیر اسے جتنا بھی ڈرالے۔

آخر معاذ اونچی آواز میں بولا۔ "اب آؤ بھی نیچے سب کے پاس چلیں۔"

وہ اکیلا ہی کپڑے الماری میں رکھ رہا تھا۔ پھر وہ تنگ سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچے۔ اسے اگلے چند ہفتوں کے بارے میں سوچ کر بہت خوشی ہو رہی تھی جن میں کوئی کام نہ ہو۔ کوئی سبق نہ ہو صرف سمندر میں نہانا ہو، چٹانوں پر چڑھنا ہو، کشتی میں سیر ہو، سوچتا تھا کہ اچھے دن آ رہے ہیں۔

دن گزرتے گئے

لڑکیوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ دونوں کمرے استعمال کریں گی۔ کمرے بہت چھوٹے تھے اور دونوں کو اپنا اپنا کمرہ صاف رکھنا آسان تھا۔ تزئین کہنے لگی۔

”اگر ہم اپنی تمام چیزیں ایک ہی کمرہ میں رکھ لیں تو وہاں بیٹھنے کو جگہ بھی نہیں بچے گی۔“

نایاب اس بات سے اتفاق کرتی تھی۔ تزئین مینار والے کمرہ میں جا چکی تھیں اور

وہ اسے پسند بھی تھا۔ ایسا کمرہ جس میں زیادہ کھڑکیاں ہوں، جہاں سے باہر منظر نظر آتا رہے۔ اسے ایسے کمرے میں لیٹنا ایسا لگتا جیسے وہ کھلے آسمان کے نیچے لیٹی ہوئی ہے۔ پھر اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو ہوا اس کے بال اڑا کر گزر گئی۔ لڑکیوں کے کمرے سے بھی سمندر نظر آتا تھا لیکن اس سمت کے مخالف جس سمت سے لڑکے سمندر کو دیکھ سکتے تھے۔ دُکھ کا جزیرہ ان کے کمروں سے بالکل دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔

عنزیق نے صغیر کی باتیں نایاب کو بتائیں تو وہ سہم گئی۔ معاذ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

”فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ صغیر اس طرح کے افسانوں پر یقین کرتا ہے اور کچھ کہانیاں خود بھی گھڑ لیتا ہے۔ ان کہانیوں میں کوئی حقیقت نہیں۔ یہ صرف لوگوں کو ڈرانے کے لئے بنائی گئی ہیں۔“

ساحلِ سمندر کے کنارے پہلی رات کے سونے کا تجربہ عجیب تھا۔ نایاب تو بڑی دیر تک جاگتی رہی اور چٹانوں کے ساتھ سر پٹختی لہروں کی آوازوں کا شور سنتی رہی۔

تند ہوا سیٹیوں کی آواز نکال رہی تھیں جو نایاب کو بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ یہ ماحول اس خاموشی والے قصبے سے کتنا فرق تھا جہاں تایا الیاس رہتے تھے۔ وہاں اتنی خاموشی تھی جیسے آدھی موت واقع ہو گئی ہو۔ لیکن یہاں زندگی متحرک تھی۔ شور تھا۔ ان کے ہونٹوں پر سمندری نمک جم رہا تھا۔ ہوا میں طوفان سی تیزی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس تنہا ساحلِ سمندر پر کسی وقت بھی کچھ ہونے والا ہے۔

عنزیق بھی مینار والے کمرے میں جاگتا رہا۔ معاذ اس کے ساتھ گدّے پر سویا ہوا تھا۔ پھر عنزیق اٹھا اور کھڑکی سے آ لگا۔ کمرے میں سے ہوا گزر رہی تھی۔ عنزیق نے کھڑکی سے سر نکالا اور نیچے دیکھا۔ دور چاند بادلوں سے گزر رہا تھا۔ نیچے بھنور بناتا پانی تھا۔ سیاہ چٹانوں سے لہریں ٹکرا رہی تھیں جس سے ہوا میں پھوار بلند ہو رہی تھی جو مینار والے کمرے میں عنزیق کے چہرے کو گیلا کر رہی تھی۔ عنزیق نے زبان سے پانی کو چکھا تو وہ بڑے مزے کا نمکین تھا۔

پھر ایک پرندہ رات کے اندھیرے میں چیخا۔ جس کی آواز میں اداسی اور غم تھا

لیکن عنزیق کو پھر بھی پسند آئی۔ یہ کونسا پرندہ تھا اسے معلوم نہیں تھا۔ عنزیق سردی سے کانپنے لگا۔ ابھی گرمیاں تھیں لیکن اس جگہ سمندر کے کنارے یہ گھر اس طرح بنایا گیا تھا کہ ہوا کا اس میں سے مکمل گزر ہو۔

پھر اچانک وہ بے اختیار اچھلا۔ اسے ایسے لگا جیسے کسی نے اس کے شانے کو چھوا ہے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ لیکن پھر اس کی ہنسی چھوٹ گئی کیونکہ اسے چھونے والا بے چارہ مٹھو تھا۔ مٹھو ہمیشہ عنزیق کے ساتھ ہی سوتا تھا۔ اکثر وہ اس کے پلنگ کے سرہانے بنی کسی چیز پر سو جاتا تھا اور وہ اپنے بڑے سر کو پروں میں چھپا لیا کرتا تھا۔ لیکن آج کوئی پلنگ تو تھا نہیں کیونکہ انہوں نے گدّے زمین پر بچھائے ہوئے تھے لہٰذا مٹھو مجبوراً آج ایک الماری کے ادھ کھلے دروازے پر بیٹھا سو رہا تھا۔ جب اس نے عنزیق کے قدموں کی چاپ سنی تو وہ اپنی مستقل جگہ یعنی عنزیق کے شانے پر آ کر بیٹھ گیا اور اس نے عنزیق کو بھی حیران کر دیا۔

مٹھو بولا۔ ”شرارتی لڑکے! بستر پر جاؤ۔“

عنزیق مسکرا دیا۔

سب سے مزے کا لمحہ وہ ہوتا تھا جب مٹھو کوئی ایسا فقرہ بولے جو حالات کے عین مطابق ہو۔ اب بھی وہ اتنی آہستگی سے بول رہا تھا جیسے کوشش کر رہا ہو کہ کہیں معاذ جاگ نہ جائے۔

عنزیق بولا۔ ”مٹھو کل میں تمہیں سونے کے لیے کوئی جگہ بنا دوں گا تم اس الماری پر آرام سے نہیں سو سکتے۔ اب میں سونے لگا ہوں۔ کیسی عجیب رات ہے لیکن ہے مزے کی۔ ہے نا؟“

وہ بستر پر واپس آیا تو ٹھنڈ سے کانپ رہا تھا لیکن جلد ہی وہ معاذ کے ساتھ جڑ کر لیٹا تو گرم ہو گیا۔ پھر وہ سو گیا اور اسے ہزاروں پرندے خوابوں میں دکھائی دینے لگے جن کی تصویریں وہ کھینچنے والا تھا۔

شروع شروع میں یہاں کی زندگی عنزیق اور نایاب کو عجیب لگتی رہی۔ بہت سال ہو گئے تھے ان کو ایک عام سے قصبے میں ایک عام سے مکان میں رہتے ہوئے لیکن یہاں بجلی نہیں تھی۔ ٹونٹیوں سے گرم اور ٹھنڈا پانی نہیں آتا تھا۔ یہاں اردگرد دکانیں نہیں تھیں۔ یہاں تیل سے جلنے والی لالٹین تھی۔ گھر کے پیچھے

ایک چھوٹا سا صحن بنا ہوا تھا جہاں کنواں تھا جہاں گھر والے اپنی پانی کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ عنزیق اور نایاب پانی چکھ کر پریشان ہو گئے کیونکہ کنویں کے پانی میں نمک نہیں تھا۔ تزئین نے بتایا کہ یہ بالکل پینے کے قابل پانی ہے۔ اتنا مزے کا جتنا گرمیوں میں بچے برف ملا پیتے رہتے ہیں۔

عنزیق نے جھک کر اندھے سیاہ کنویں میں جھانکا اور کہنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ پانی نکالنے والی مشک پر بیٹھ کر جاؤں اور دیکھوں کہ کنواں آخر کتنا گہرا ہے۔"

تزئین نے کہا۔ "لیکن اگر تم اندر پھنس جاؤ اور اوپر نہ آ سکو تو۔ آؤ عنزیق پانی کھینچنے میں میری مدد کرو اور ہر وقت خواب نہ دیکھتے رہا کرو۔"

معاذ نزدیک کھڑے کہنے لگا۔ "اور تم ہمیشہ جلد باز اور ہر کام میں بے صبری ہوتی ہو۔"

تزئین نے یہ سن کر اسے غصّے سے گھورا۔ وہ بہت جلد غصّے میں آ جاتی تھی اور

اسے غصّہ دلانا بہت آسان تھا۔ معاذ کی بات سن کر اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”اگر تمھیں اتنے کام کرنے کو دیے جاتے جو مجھے اور نایاب کو کرنے کو دیے گئے ہیں تو تم بھی انہیں جلدی نپٹانے کی کوشش کرتے۔ آؤ نایاب چھوڑو لڑکوں کو۔ ہم اپنے کام نبٹائیں۔ لڑکے ویسے بھی اتنے اچھے نہیں ہوتے۔“

معاذ یہ باتیں سن کر اسے چیخ کر کہنے لگا۔ ”بہتر یہی ہے کہ تم چلے ہی جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میں تمھیں ایک تھپڑ رسید کر دوں۔“

یہ کہہ کر وہ اپنے بچاؤ کے لیے تھوڑا سا پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا کہ مبادا تزئین اس پر جھپٹ پڑے۔

نایاب حیران و پریشان ہو کر ان کے اتنی ہی جلدی راضی ہو جاتے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے ان کے درمیان کبھی لڑائی نہ ہوئی ہو۔

خریداری کرنا ایک پوری ذمہ داری کا کام تھا۔ اس کا صریحاً مقصد یہی تھا کہ صغیر ایک لمبی چیزوں کی خریداری کی فہرست لے اور کھٹارا کار نکال کر مہینے میں دو دفعہ قریبی قصبے میں جائے اور اس فہرست کی اشیا خرید لائے۔ اگر وہ کوئی چیز

بھول جائے تو پھر یہ چیز اگلی دفعہ ہی خریدی جا سکتی تھی۔ صغیر چٹانوں کے درمیان ایک چھوٹی سی ہموار سطح پر سبزیاں خود اُگاتا تھا۔ ایک صبح نایاب نے سب کو مشورہ دیا کہ سب کو صغیر کے ساتھ گاڑی پر سیر کے لیے جانا چاہئے لیکن معاذ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ بولا۔

"کوئی فائدہ نہیں۔ میں اور تزئین کئی دفعہ صغیر کو درخواست کر چکے ہیں لیکن وہ کبھی ہمیں ساتھ لے کر نہیں جاتا اور ہمیشہ انکار کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ہم نے کار میں گھسنے کی کوشش کی تو وہ ہمیں کار سے دھکا دے کر اتار دے گا۔"

عنزیق کہنے لگا۔ "بوڑھا پاجی! میں حیران ہوں تم اس کے ساتھ گزارا کیسے کرتے ہو؟"

تزئین کہنے لگی۔ "اس لیے کہ اور کون ایسی تنہا اور ویران جگہ پر ہمارے لیے کام کرنے کو راضی ہو گا۔ ظاہر ہے کوئی نہیں۔ اگر صغیر خود اتنا عجیب نہ ہوتا تو وہ بھی نہ کرتا۔"

ان باتوں کے باوجود پھر بھی نایاب نے صغیر سے پوچھا۔

”صغیر مہربانی کر کے ہمیں خریداری کے لیے ساتھ لے چلو۔“

اور پھر معصوم نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اکثر وہ باتیں منوانے کے لیے ضد بھی کر لیتی تھی لیکن صغیر کے ساتھ ایسا ممکن نہیں تھا۔ صغیر نے اپنی بات سختی سے دہرائی اور انکار کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کے طاقتور ہاتھ تیزی سے آگے پیچھے ہو رہے تھے۔

نایاب اس کے پیچھے چلنے لگی۔ ”وہ کتنا ڈراؤنا تھا۔ آخر وہ کسی کو خریداری کرنے کے لیے ساتھ کیوں نہیں لے کر جاتا تھا؟ میرا خیال ہے یہ صرف مردم بیزار ہونے کی وجہ سے ایسا ہے۔“ وہ سوچ رہی تھی۔

بہت سی مشکلات ہونے کے باوجود ساحل سمندر پر رہنا بہت پر لطف تھا۔ ہفتے میں صرف ایک بار انہیں نہانے کے لیے گرم پانی ملتا تھا۔ شکر ہے گرم پانی مل جاتا ورنہ سنگلاخ راستوں سے روزانہ جا کر برتنوں میں یہ پانی بھر کر لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔

چچا آصف کا حال یہ تھا کہ کئی دفعہ وہ انہیں کھانے پر بھی نہیں ملتے تھے۔ ایک

دن چچی ان کو ملانے کے لیے چچا کے مطالعہ والے کمرے میں لے گئیں تو انہیں یقین آیا کہ چچا بھی اسی گھر میں رہتے ہیں۔ عنزیق ہفتے میں ایک دفعہ پانی لایا اور اگلے ہفتے پانی لانا بھول گیا۔ وہ دن میں دو تین دفعہ سمندر میں نہالیتا تھا۔ لڑکیاں گھر کا کام کرتی رہتی تھیں۔ چچی کھانا بناتی تھیں۔ لڑکوں کو کنویں سے پانی نکالنا ہوتا تھا۔ باورچی خانے میں آگ جلانے کے لئے لکڑیاں لانا ہوتی تھیں۔ تیل کے چولہوں میں تیل ڈالنا ہوتا تھا۔ وہ لالٹین لڑکیوں کے ساتھ باری باری صاف کرتے تھے۔ یہ کام کوئی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ کام کرتے ہوئے ان کے ہاتھ اور کپڑے بہت گندے ہو جاتے تھے۔

صغیر کار اور سبزیوں کو سنبھالتا تھا۔ اس کے علاوہ کھڑکیوں کی صفائی، جھاڑ پونچھ اور اس کے علاوہ مختلف گھر کے کام بھی کرتا تھا۔ اس کی اپنی کشتی بھی تھی جو بہت مضبوط تھی۔

ایک دن عنزیق نے پوچھا۔ ”کیا ہم بھی کبھی کشتی پر سوار ہو سکتے ہیں؟“

تو معاذ نے بتایا۔ ” کبھی نہیں اور اجازت کے بغیر تو بالکل بھی نہیں۔ اگر تم نے ایسا

کیا تو وہ تم پر ہاتھ بھی اٹھا سکتا ہے۔ یہ کشتی تو اس کی آنکھوں کا تارہ ہے۔ ہمیں اس پر پیر رکھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔"

عزیق کشتی کو دیکھنے اس کے نزدیک گیا۔ یہ بہت خوبصورت کشتی تھی۔ اور خاصی مالیت کی بھی ہو گی۔ اس پر نیا نیا رنگ کیا گیا تھا اور بہت اچھی حالت میں تھی۔ کشتی میں پتوار بھی تھے، مستول بھی تھا اور بادبان بھی۔ اور کشتی سے مچھلیاں پکڑنے کا بندوبست بھی تھا۔

عزیق کا دل مچل رہا تھا کہ کشتی کے اندر جا کر اسے دیکھے لیکن ابھی وہ کشتی کے نزدیک کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کشتی پر پاؤں رکھے یا نہیں اور اپنے پاؤں کے نیچے کشتی کو ڈولتا محسوس کرے لیکن تبھی صغیر معمول کے مطابق بکتا جھکتا نمودار ہوا۔

اس نے آتے ہی پوچھا۔ "تم کیا کر رہے ہو؟ یہ میری کشتی ہے۔"

اس کی آنکھیں غصّے سے اوپر چڑھ گئی تھیں اور ان کے اندر صرف سفید رنگ ہی نظر آ رہا تھا۔ تبھی عزیق بے صبری سے بولا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ لیکن کیا میں اسے اندر سے دیکھ سکتا ہوں؟"

صغیر دوبارہ غرّا کر بولا۔ "ہرگز نہیں۔"

مٹھو بولا۔ "شرارتی لڑکا!"

اور پھر صغیر کو دیکھ کر چیخا جو اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے ابھی اس کی گردن ہی مروڑ دے گا۔

عزیق نے کہا۔ "ٹھیک ہے تم بہت اچھے آدمی ہو۔"

یہ کہہ کر وہ کشتی سے کچھ قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ دل ہی دل میں صغیر کے رویے سے گویا خائف ہو گیا تھا۔ پھر وہ دوبارہ بولا۔

"لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دوں۔ میں کسی نہ کسی طرح کشتی پر بیٹھ چلاؤں گا اور تم مجھے پکڑ نہیں سکو گے۔"

صغیر نے عزیق کی طرف دیکھا۔

اس نے غصّے سے آدھی آنکھیں موندی ہوئی تھیں اور غصّے سے اس کا چہرہ تمتما

رہا تھا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ تم نے اگر یہ حرکت کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے کچا چبا جائے گا۔

عجیب دریافت

اگر معاذ کے ساحل سمندر والے گھر میں صغیر نہ ہوتا تو جس طرح بچوں کی زندگی کا ایک معمول بن گیا تھا ماحول خوشگوار ہی رہتا۔ وہاں ان کی مرضی کرنے کے کئی کام تھے جیسے چٹانوں کے درمیان قدرتی طور پر صاف پانی کے تالابوں میں تیراکی، تاریک غاریں، ڈوری اور بنسی سے مچھلیاں پکڑنا۔ وہ کئی بار خاصی بڑی مچھلیاں بھی پکڑ لیتے تھے لیکن صغیر کی موجودگی سے ان کے رنگ میں بھنگ پڑ جاتی تھی۔ وہ ہر وقت بدتمیزی پر آمادہ رہتا اور ان کے کام میں جابجا مداخلت کرتا

جو ان کو کھلتی رہتی تھی۔ اگر وہ مچھلیاں پکڑ رہے ہوتے تو وہ یہ کہہ کر دل توڑ تا کہ وہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔

ایک دن تنگ آ کر معاذ نے اسے کہا۔ ”صغیر تم ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے۔ تمہارا رویہ ہمارے ساتھ ایسا ہے جیسے تم ہمارے محافظ ہو۔ خدا کے واسطے ہمیں ہماری مرضی سے جینے دو۔ ہم کسی کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں۔“

صغیر نے روایتی دکھ دینے والے لہجے میں کہا۔ ”تمہاری چچی نے مجھ سے کہا ہے کہ تم پر نظر رکھوں۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں کسی خطرے میں پڑنے سے بچاؤں۔“

معاذ نے ناراضگی سے اسے کہا۔ ”میں نہیں مانتا۔ مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ تم خواہ مخواہ ہر اس جگہ ٹانگ اڑاتے ہو جہاں ہم ہوتے ہیں اور ہمیں تنگ کرتے ہو۔ ہمارے معاملات میں دخل دینا بند کر دو۔ ہمیں یہ ہرگز پسند نہیں ہے۔“

نایاب کے لیے یہ بہت متاثر کن تھا کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ معاذ کا صغیر جیسے تگڑے بندے کے ساتھ اس طرح بات کرنا بڑی بہادری کی بات تھی۔ وہ ان

کے لیے ایک مسلسل سر درد بن چکا تھا۔ اگر وہ اچھی طبیعت کا شخص ہوتا تو وہ بھی اس کی بڑی عزّت کرتے۔ وہ اس کے ساتھ کشتی کی سیر کو جاتے اور مچھلیاں پکڑتے۔ وہ اس کے ساتھ زیادہ بہتر انداز میں مچھلیاں پکڑ سکتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ کار میں جا کر پکنک منا سکتے تھے۔

نایاب بولی۔ ”یہ شخص بہت غصّیل اور ہٹ دھرم ہے اس کے ساتھ وقت تو گزارا ہی نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے ہم کشتی میں بیٹھ کر دکھوں کے جزیرے میں جا سکتے اور دیکھتے وہاں کیسے کیسے پرندے ہیں جیسا کہ عزیق کی خواہش ہے لیکن یہ سب ممکن تھا اگر صغیر اچھا انسان ہوتا تو۔“

معاذ بولا۔ ”لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اچھا انسان نہیں ہے اور ہم کبھی بھی دکھ والے جزیرے میں نہیں جا سکتے اور اگر ہم چلے بھی گئے تو میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ اتنی ویران جگہ پر کوئی پرندہ بھی نہیں ہو گا۔ لیکن آؤ چلیں اور اس بڑی غار کے اندر دیکھیں جو ہم نے کل دریافت کی تھی۔“

ساحل پر غاروں میں پھرنا واقعی بڑے مزے کی بات تھی۔ کئی تو چٹانوں میں

بہت گہرائی میں بنی ہوئی تھیں۔ کئی غاروں کی چھتوں میں بڑے بڑے سوراخ تھے۔ معاذ ان کو بتارہا تھا کہ پہلے لوگ ان غاروں کو چھپنے کے لیے استعمال کرتے تھا یا پھر اسمگلر سمگلنگ کی چیزیں چھپا کر رکھتے تھا۔ لیکن آج کل غاروں میں جڑی بوٹیوں اور گلے سڑے گھونگوں کے خولوں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔

عنزیق کہنے لگا۔ "ہمارے پاس ایک ٹارچ ہونی چاہئے تھی۔ میرے پاس موم بتیاں ختم ہورہی ہیں۔ اگر نزدیک کوئی دکان ہوتی تو ہم وہاں سے جا کر ایک ٹارچ خرید لیتے۔ میں نے صغیر کو شاپنگ پر جانے سے پہلے کہا بھی تھا لیکن وہ لے کر نہیں آیا۔"

معاذ چلّایا۔ "ارے دیکھو یہاں کتنی بڑی سٹار فش ہے۔"

تزئین کی چیخ نکل گئی۔ اسے رینگنے والی چیزوں سے بہت ڈر لگتا تھا جبکہ معاذ ان کو اتنا ہی پسند کرتا تھا۔ وہ کہنے لگی۔

"اسے مت چھوؤ اور میرے قریب ہرگز نہ لانا۔"

لیکن معاذ کو بہن کو تنگ کرنے میں بہت مزا آتا تھا۔ اس نے فوراً اسٹار فش انگلیوں میں پکڑی اور تزئین کی طرف چلنے لگا۔ تزئین چیخ مار کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ ”تم بہت بد تمیز ہو۔ میں نے تمہیں کہا بھی ہے کہ اسے میرے پاس مت لاؤ۔ میں اسے مار دوں گی اگر تم اسے میرے پاس لائے۔“

معاذ کہنے لگا۔ ”تم اسٹار فش کو کبھی نہیں مار سکتی۔ اگر تم اس کے دو حصّے بھی کر دو گی تو دونوں حصّے علیحدہ علیحدہ دو سٹار فش بن جائیں گی۔ لہذا اب اسے دیکھو تو۔۔۔ اسے سونگھو تو۔۔۔ اسے محسوس تو کرو۔“

معاذ نے یہ کہہ کر وہ چیز بہن کے منہ کی طرف پھینک دی۔ تزئین اب سچ مچ غصّے میں تھی اس نے معاذ کو زور سے دھکا دیا جس کا توازن بگڑا اور وہ لڑکھڑا کر فرش پر جا گرا۔ معاذ کے منہ سے چیخ نکلی لیکن ساتھ کوئی اور بھی تکلیف سے بولا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

عنزیق نے پوچھا۔ ”بودی والے لڑکے! تم خیریت سے تو ہو؟“ یہ پوچھ کر اس نے موم بتی اونچی کر کے دیکھا لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ معاذ مکمل طور پر

غائب ہو چکا تھا۔ اسٹار فش اگی ہوئی جڑی بوٹیوں پر رینگ رہی تھی مگر معاذ کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ تینوں بچے آنکھیں پھاڑے غار میں لٹکی جنگلی پودوں کی بیلیں دیکھ رہے تھے جو فرش تک جا رہی تھیں۔ وہ حیران تھے کہ آخر معاذ کدھر گیا۔ تزئین بہت خوفزدہ تھی۔ بے شک وہ چاہتی تھی کہ معاذ کو زور سے دھکا دے لیکن وہ یہ ہر گز نہیں چاہتی تھی کہ وہ دنیا کے نقشے سے ہی سراسر غائب ہو جائے۔ اس نے زوردار چیخ ماری اور زور سے کہنے لگی۔

"معاذ کیا تم چھپے ہوئے ہو۔ باہر نکلو بے وقوف۔"

تو ایک دبی دبی آواز کہیں سے آئی۔ "ارے میں کہاں ہوں؟"

عنزیق بولا۔ "یہ معاذ ہی کی آواز ہے لیکن وہ ہے کہاں؟ لگتا ہے تو ایسا ہی ہے کہ وہ غار میں ہی ہے۔"

تینوں بچوں نے موم بتّیاں اکٹھے آگے کیں اور اِدھر اُدھر طرف دیکھا۔ غار میں جابجا جنگلی بیلیں اگی ہوئی تھیں۔ ہر طرف کائی اور سیلن کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ معاذ کی آواز پھر کہیں سے آئی۔ انہیں اس کی آواز سہمی سہمی سی لگی۔ وہ پوچھ رہا

تھا کہ آخر وہ کہاں ہے؟

عنزیق پھسلن والی کائی پر بڑی احتیاط سے قدم جما کر چلا جہاں سے تزئین کے دھکے سے معاذ گرا تھا۔ لیکن لاکھ احتیاط کے باوجود عنزیق کا پاؤں بھی پھسلا اور دونوں لڑکیاں دم بخود رہ گئیں جب عنزیق بھی ان کی نظروں کے سامنے ہی غائب ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ فرش میں سما گیا ہو۔ کیا حیران کن صورتحال تھی۔ غور کرنے پر موم بتیوں کی ٹمٹماتی لَو میں انہوں نے دیکھا کہ کائی اور بیلوں نے فرش میں بنے ایک سوراخ کو ڈھانپ کر چھپا رکھا تھا اور جب لڑکوں نے اس سوراخ پر بوجھ ڈالا تو وہ اس بڑے سوراخ سے غار میں فرش سے نیچے گر گئے تھے۔ تزئین کائی زدہ فرش میں سے نظر آتے ایک اندھیرے خلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"میں صرف دُعا ہی کر سکتی ہوں کہ کہیں ان کا کوئی بازو یا ٹانگ ٹوٹ نہ گئی ہو اور یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ گرے ہیں۔ اب سوچو ہم ان کو باہر کیسے نکالیں۔"

عنزیق بے چارہ پہلے سے گرے معاذ کے اوپر گرا تھا۔ مٹھو جو غار میں اوپر ہی رہ

گیا تھا دردناک انداز میں چیخنے لگا۔ وہ ان تاریک غاروں سے بہت ڈرتا تھا۔

تزئین بولی۔ ”بکواس بند کرو مٹھو۔ دیکھو نایاب غار کے فرش میں کتنا بڑا سوراخ ہے اور اس کے اوپر کائی کی دبیز تہہ ہے۔ اب احتیاط سے چلو ورنہ تم بھی غائب ہو جاؤ گی۔ اب اپنی اور میری دونوں موم بتیاں سنبھالو تو میں دیکھتی ہوں کہ آخر ہوا کیا ہے؟“

لیکن جو ہوا تھا وہ بہت سادہ سی بات تھی۔ پہلے معاذ اس سوراخ کے ذریعے غار کے نیچے جا گرا تھا اور پھر عنزیق اس کے اوپر جا گرا تھا۔ معاذ ڈرا ہوا بھی تھا اور اسے چوٹ بھی لگی تھی۔ اب ڈر کے مارے اُس نے عنزیق کو زور سے پکڑا ہوا تھا اور اسے چھوڑ نہیں رہا تھا۔ آخر معاذ نے پوچھا۔

”ہوا کیا ہے آخر؟“

عنزیق نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”غار کے فرش میں سوراخ تھا۔“

اس کے ساتھ ہی معاذ نے ہاتھ لمبے کر کے ٹٹولنا شروع کیا تا کہ اسے اندازہ ہو کہ

غار کے جس حصّے میں وہ گرے ہیں وہ کتنا بڑا ہے۔ اس نے ارد گرد چاروں طرف پتھریلی دیواروں کو فوراً چھو لیا اور پھر کہنے لگا۔

”میں اندازہ لگا رہا ہوں کہ اس غار میں ایک چھوٹی غار ہے۔ لڑکیو! ذرا موم بتیوں کی روشنی سوراخ کے اوپر کرو تاکہ ہمیں کچھ نظر آئے۔“

فوراً موم بتیوں کی روشنی سوراخ کے اوپر ہوئی تو وہ کچھ دیکھنے کے قابل ہوئے۔ اچانک حیرانی سے عنزیق بولا۔

”ارے ہم کسی غار میں نہیں ہیں بلکہ یہ تو ایک راستہ ہے۔ ہم ایک راستے کے شروع میں ہیں۔ اب یہ پتا نہیں یہ راستہ کہاں جاتا ہے۔ میرا خیال ہے سیدھا چٹانوں میں۔۔۔“

معاذ بولا۔ ”ہمیں ایک موم بتی پکڑا دو۔ ارے۔۔۔ یہ کیا ہے؟ اوہ میرے خدایا یہ تو مٹھو ہے۔“

مٹھو عادت سے مجبور ہو کر بولا۔ ”کیا تم دروازہ بند نہیں کر سکتے۔“

اب وہ بڑی مضبوطی سے عنزیق کے شانے پر بیٹھا تھا اور خوش تھا کہ وہ اپنے مالک کے ساتھ ہے۔ اس نے سیٹی بجانی شروع کر دی تو عنزیق نے اسے منع کیا۔ ”خاموش رہو مٹھو۔ دیکھو معاذ! واقعی یہ ایک راستہ ہے جو اوپر کی طرف جا رہا ہے۔ یہ کتنا تنگ اور اندھیرا ہے اور اس میں یہ بُو کیسی ہے۔ تزئین جلدی سے موم بتی نیچے دو۔“

تزئین نے آخر کار بڑی مشکل سے انہیں موم بتی پکڑا دی۔ ایسا کرنے کے لئے اسے جڑی بوٹیوں اور جنگلی بیلوں اور کائی والے فرش پر اوندھا لیٹنا پڑا تب کہیں جا کر سوراخ کے ذریعے موم بتی لڑکوں تک پہنچ پائی۔ عنزیق نے اسے پکڑ لیا۔ اندھیرا راستہ پراسرار اور حیرت انگیز تھا۔ معاذ کہنے لگا۔ ”کیا خیال ہے اس کو دیکھیں یہ کدھر جاتا ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ شاید یہ ہمارے گھر کے آس پاس کہیں نیچے کو جاتا ہے۔ یہ خفیہ راستہ ہے۔“

عنزیق کہنے لگا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہ چٹانوں کے درمیان کسی خفیف سی دراڑ کا نتیجہ ہے۔ مٹھو اتنے زور سے مجھے چونچیں مت مارو۔ ہم جلد ہی کھلی ہوا میں

سانس لے رہے ہوں گے۔ لڑکیو! ہم اس عجیب و غریب راستے سے اوپر جا رہے ہیں کیا تم ہمارے ساتھ آ رہی ہو؟"

نایاب کہنے لگی۔ "نہیں شکریہ۔ ہم تو اس قسم کے راستے کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ راستہ وہ بھی تنگ اور اندھیرا چٹانوں کے درمیان سے، ہم یہیں تمہاری واپسی کا انتظار کریں گی۔ زیادہ دیر مت کرنا۔ ہمارے پاس اب جلانے کو صرف ایک ہی موم بتی ہے۔ کیا تمہارے پاس کچھ ماچس کی تیلیاں بقایا ہیں؟ اگر تمہاری موم بتی بجھ جائے تو کیا کرو گے۔"

عنزیق نے جیب تھپتھپا کر دیکھا اور کہنے لگا۔ "میرے پاس کچھ تیلیاں ہیں اور اب ہماری طرف سے خدا حافظ۔ تم دونوں احتیاط کرنا اور سوراخ میں نہ گر جانا۔"

پھر دونوں لڑکوں نے وہ اندھیرا سوراخ چھوڑا اور اُس نمی سے بھرپور راستے سے جانے لگے۔ اب لڑکیوں کو کچھ ہی لمحوں کے بعد ان کی آوازیں یا ان کے قدموں کی چاپیں آنا بند ہو گئیں۔ وہ صبر سے بیٹھی غار کے دھانے پر بیٹھی لڑکوں کا انتظار کرنے لگیں۔ ان کے پاس اب ٹمٹماتی ہوئی ایک ہی موم بتی تھی۔ وہاں

سردی تھی اور وہ کانپ رہی تھیں۔ وہ شکر کر رہی تھیں کہ آنے سے پہلے انہوں نے سویٹر پہن لیے تھے۔ لڑکوں کو گئے خاصا وقت بیت گیا۔ پہلے تو لڑکیوں کو تھوڑی کھُد بُد ہوئی۔ لیکن پھر وہ باقاعدہ پریشان ہو گئیں۔ انہیں کوئی مشکل تو نہیں آن پڑی۔ انہوں نے سوراخ میں جھانکا اور کوئی آواز سننے کی کوشش کی لیکن وہاں کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ نایاب بے صبری سے بولی

"تزئین۔ کیا ہمیں ان کے پیچھے جانا چاہئے؟"

اگرچہ اس خیال سے ہی اس کی روح کانپ رہی تھی کہ اسے اس تنگ و تاریک راستے سے گزرنا پڑے گا مگر یہ اس کی فطرت میں شامل تھا کہ اگر اس کے بھائی کو اس کی ضرورت ہوتی تو وہ یہ کام کرنے میں بھی ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتی۔

تزئین نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں صغیر کو بتانا چاہیے تاکہ وہ ہماری مدد کرے۔ وہ رسّہ لے کر آئے گا۔ میرا خیال ہے رسے کے بغیر لڑکے اس سوراخ سے واپس غار میں اوپر نہیں چڑھ سکتے۔"

نایاب صغیر کو سخت ناپسند کرتی تھی وہ بولی۔ "نہیں ہمیں صغیر کو نہیں بتانا چاہئے۔

ہمیں تھوڑی دیر اور انتظار کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے راستہ بہت لمبا ہو جس کی وجہ سے انہیں دیر ہو گئی ہو۔"

واقعی نایاب کی بات درست تھی۔ راستہ لڑکوں کی توقع سے کہیں لمبا تھا۔ وہ آڑا ترچھا راستہ جو چٹانوں کے بیچ سے جا رہا تھا اس کا رُخ ہمیشہ اونچائی کی طرف ہی تھا۔ وہاں مکمل تاریکی تھی اور موم بتی کی روشنی بھی اچھی طرح نہیں ہو رہی تھی۔ دونوں لڑکوں کے سر کئی دفعہ اطراف کی دیواروں میں لگے اس راستے کی چھت بھی ان کے سروں سے بس تھوڑی سی اونچی تھی لیکن اب راستے میں سیلن کا خاتمہ ہو رہا تھا اور فرش سوکھا ہوا تھا۔ پھر کائی کی بو بھی ختم ہو گئی لیکن اب انہیں تنگ راستے کی وجہ سے سانس لینے میں دشواری آ رہی تھی۔ معاذ ہانپتے ہوئے بولا۔

"یہاں کی ہوا تو بہت بھاری ہے۔ مجھے سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہے۔ عنزیق مجھے لگتا ہے شاید موم بتی بھی بجھنے والی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں آکسیجن کی کمی ہے۔ مجھے لگتا ہے اب یہ راستہ ختم ہونے والا ہے۔"

اس نے جیسے ہی بات ختم کی راستہ اچانک عمودی اور ناہموار ہو گیا۔ آخر یہ راستہ ایک چٹانی دیوار کے ساتھ ختم ہو گیا۔ لڑکے بہت حیران تھے۔ معاذ کہنے لگا یہ کوئی راستہ نہیں لگتا، صرف چٹانوں کے درمیان ایک دراڑ ہے جیسے کہ تم نے کہا تھا لیکن یہ راستہ ناہموار ہے۔ ہے نا؟"

جب موم بتی کی روشنی نیچے ناہموار راستہ پر پڑی تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہاں جو سیڑھیاں سی بنی ہوئی تھیں وہ کسی انسان کی بنائی ہوئی لگ رہی تھیں۔ لیکن آخر کیوں؟ عزیق نے موم بتی سر کے اوپر کر کے اور دیکھا تو حیرت سے چلایا۔

"دیکھو ہمارے سروں کے اوپر ایک دروازہ بنا ہوا ہے۔ یہاں تک راستہ جاتا ہے۔ اب کوشش کریں اگر ہم اس راستہ کو کھول سکیں۔"

واقعی وہاں ایک بہت پرانا لکڑی کا دروازہ تھا جس نے اس راستے کا ایک سرا بند کیا ہوا تھا۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ اگر ہم اس کو کھولنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو دیکھیں ہم باہر کہاں نکلتے ہیں۔

تہہ خانے میں

معاذ کہنے لگا۔

”آؤ اسے اکٹھے زور لگا کر کھولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں موم بتّی اس پتھر پر رکھ دیتا ہوں۔“

اس نے ایک پتھر پر موم بتّی جما دی پھر عزیق کے ساتھ مل کر خفیہ لکڑی کے راستے کو کھولنے کے لئے پورا زور لگا دیا۔ مٹی کی ایک پوری تہہ ان کے سروں پر

گر پڑی۔ معاذ نے آنکھیں بار بار جھپکیں۔ مٹی اس کی آنکھوں میں گری اور وہ آدھا اندھا ہو چکا تھا۔ عنزیق نے تو ویسے ہی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ معاذ نے کہا۔

"عنزیق آؤ اسے ایک اور دھکا اور لگائیں مجھے محسوس ہوا جیسے یہ ہلا ہو۔"

انہوں نے پھر بھرپور کوشش کی اور اس دفعہ اچانک خفیہ دروازہ کھل گیا اور کچھ انچ اوپر کو اُٹھا لیکن دوبارہ نیچے گر گیا جس سے مٹی کی ایک اور تہہ نیچے گری۔

عنزیق بولا۔ "کہیں سے کوئی بڑا پتھر ڈھونڈو جس پر ہم کھڑے ہو سکیں۔ تھوڑا سا دھکا اور لگایا تو یہ دروازہ پوری طرح کھل جائے گا۔"

انہوں نے تین چار ستواں پتھر ڈھونڈے، انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر ان پہ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے دروازے کو دوبارہ دھکا لگایا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ دروازہ مکمل کھل گیا ہے اور اوپر کی جانب دونوں طرف فرش پر گر گیا۔ ایک چوکور سوراخ ان دونوں کے سروں کے اوپر کھلا رہ گیا۔ معاذ کہنے لگا۔

”مجھے اوپر اٹھانے میں مدد کرو عنزیق۔“

اور پھر عنزیق نے اسے اٹھانے کے لیے پورا زور لگا دیا۔ معاذ جلد ہی عنزیق کی مدد سے اوپر والے حصّے کے فرش پر جا پہنچا۔ وہاں بھی اندھیرا تھا اور معاذ کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ معاذ نے کہا۔

”موم بتی دے دو عنزیق اور پھر میں تمھیں اوپر اٹھاتا ہوں۔“

موم بتّی معاذ تک پہنچ گئی لیکن جلد ہی بجھ گئی۔ تبھی معاذ چیخا۔ ”ارے یہ کیا ہے؟ کیا مصیبت ہے؟“ عنزیق نے کہا۔

”میرا خیال ہے مٹھو ہو گا۔ وہ میرے کندھے سے اڑ گیا ہے۔“

اس دفعہ مٹھو نے اڑتے ہوئے کوئی آواز نہیں نکالی تھی اور پورے خفیہ راستہ سے گزرتے ہوئے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ وہ اتنی تاریک جگہ کی دہشت سے ویسے ہی بہت خوفزدہ تھا۔ بعد میں وہ تمام راستے عنزیق کے شانے پر جم کر بیٹھا رہا تھا۔ معاذ نے عنزیق کو اوپر اٹھانے میں مدد کی اور پھر اپنی جیب سے ماچس نکالی تاکہ

موم بتی کو دوبارہ روشن کیا جائے۔ پھر وہ معاذ سے پوچھنے لگا۔

"کیا تمہیں اندازہ ہے ہم کہاں ہیں؟ میرا تو ذہن ماؤف ہو چکا ہے۔"

عنزیق کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے یہاں دنیا ختم ہو جاتی ہے۔ ہاں اب بہتر ہے کم از کم ہم دیکھ تو سکتے ہیں۔"

اس نے جلتی ہوئی موم بتّی پکڑی اور پھر دونوں لڑکوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اچانک معاذ بولا۔

"مجھے پتا ہے ہم کہاں ہیں۔ ہم اپنے گھر کے نیچے تہہ خانوں میں سے ایک تہہ خانے میں ہیں۔ وہ اوپر دیکھو سٹور میں پڑے ڈبّے نظر آرہے ہیں کھانے کے اور دوسری چیزیں۔"

عنزیق بولا۔ "دیکھو! تمہاری چچی سٹور میں کھانے پینے کا کتنا خزانہ محفوظ رکھتی ہیں۔ ہم نے تو بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارے چچا اور چچی جان اس خفیہ راستے کے بارے میں جانتے ہوں گے؟"

معاذ کہنے لگا۔ ”میرا خیال ہے وہ نہیں جانتے۔ چچی کو معلوم ہوتا تو وہ کبھی نہ کبھی اس کا ذکر کرتیں۔ مجھے بھی شاید یہ راستہ مکمل یاد نہ ہوسکے۔ مجھے دیکھنے دو کہ اس تہہ خانے کا دروازہ کہاں ہے؟“

لڑکے تہہ خانے میں ڈھونڈتے رہے کہ باہر جانے کا کون سا راستہ ہے۔ وہ ایک مضبوط لکڑی کے دروازے کے پاس پہنچے لیکن وہ حیرت زدہ رہ گئے جب انہوں نے اسے مقفّل دیکھا۔ معاذ ناراضگی سے کہنے لگا۔

”اب ہمیں دوبارہ رینگتے ہوئے واپس وہیں تنگ و تاریک راستے سے جانا ہو گا۔ میں اس راستے سے واپس نہیں جانا چاہتا لیکن یہ مقفّل راستہ بھی باورچی خانے میں نہیں بلکہ کہیں اور جاتا ہے۔ تمہیں اس میں سے گزرنے کے لئے اوپر کو جانا پڑے گا۔ یہ یقیناً ایسا راستہ ہو گا جو ایک تہہ خانے کو کسی دوسرے تہہ خانے سے جدا کرتا ہے۔ مجھے یاد نہیں میں نے کبھی اسے دیکھا ہو۔“

پھر عنزیق اچانک کہنے لگا۔

”سنو لگتا ہے کوئی آرہا ہے۔“ اس کے تیز کان کسی کے قدموں کی چاپ سن رہے

تھے۔

معاذ کہنے لگا۔ ”ہاں! یہ صغیر ہے۔ آؤ چھپ جائیں۔ میں اس راستے کے بارے میں صغیر کو نہیں بتانا چاہتا۔ ہم اسے ایک دوسرے میں ہی ایک راز کی صورت میں رکھیں گے۔ خفیہ دروازے کو جلدی سے بند کر دو اور ہم چھپ جاتے ہیں۔ جب صغیر دروازہ کھولے گا تو ہم آسانی سے نکل جائیں گے۔ موم بتّی بجھا دو۔“

انہوں نے خفیہ دروازہ آہستہ سے بند کر دیا اور پھر مکمل تاریکی میں ایک بڑے پتھر کے عقب میں چھپ گئے۔ انہوں نے دروازے کے قفل میں صغیر کو چابی لگاتے سنا۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ دروازے سے باہر نکلا تو لالٹین کی روشنی میں بہت خوفناک دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھلا رہنے دیا اور تہہ خانے کے عقب کی جانب چل دیا جہاں گھر کا سٹور اور باورچی خانہ تھا۔ لڑکے ربڑ کے جوتے پہنے ہوئے تھے اور تاریکی میں بڑی آسانی سے اسی راستے سے نکل سکتے تھے لیکن تب مٹھو نے وہ لمحہ صغیر کی کھانسی کی آواز کی نقل اتارنے کے لئے چنا۔

اس کی آواز کی گونج سے تہہ خانے میں گویا طوفان آ گیا۔ گھبرا کر صغیر کے ہاتھ

سے لالٹین چھوٹ گئی اس کا شیشہ ٹوٹ گیا اور لالٹین بجھ گئی۔ صغیر نے ڈر کے مارے چیخ ماری اور دروازے سے بھاگ نکلا۔ وہ راستے میں لڑکوں سے ٹکرایا جس سے اس کے منہ سے ایک اور چیخ نکلی کیونکہ ٹکراتے وقت اسے دونوں لڑکوں کے جسموں کی گرمی محسوس ہو گئی تھی۔ مٹھو جو کھانسی کی نقل سے نکلنے والے نتائج سے متاثر ہو کر اترا رہا تھا اس نے ایک اور دلدوز چیخ اپنے حلق سے نکالی تو صغیر کی بھاگتے ہوئے قلابازیاں لگ گئیں۔ وہ گرتا پڑتا جب باورچی خانے میں پہنچا تو چچی وہاں بیٹھی تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں اور پوچھنے لگیں۔

"کیا مسئلہ ہے؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟"

ہانپتے کانپتے صغیر نے انہیں بتایا۔ "نیچے چیزیں ہیں۔"

اس کا چہرہ اتنا خوفزدہ تھا جو شاید کبھی نہ ہوا ہو۔

چچی سخت غصے میں بولیں۔ "چیزیں؟ چیزوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

صغیر ایک کرسی میں گر گیا اس نے آنکھیں بند کرلیں اور کہنے لگا۔

”چیزیں جو چیخیں مارتی ہیں۔ مجھے پکڑنے کی کوشش کرتی ہیں اور چلّاتی ہیں“

چچی جو فرائنگ پین میں چمچ ہلا رہی تھیں چمچ اور تیزی سے ہلاتے ہوئے بولیں۔

”بے وقوف نہ بنو۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تم نیچے کرنے کیا جاتے ہو اور آج تمہیں تہہ خانے سے کیا نکالنے کی اچانک ضرورت آن پڑی ہے۔ میرے پاس باورچی خانے میں کافی آلو پڑے ہیں۔ اپنی حالت ٹھیک کرو صغیر۔ تم اسی طرح کرتے رہے تو بچوں کو بھی ڈرادو گے۔“

ادھر دونوں لڑکے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ جب سے انہوں نے ڈر کے مارے صغیر کو تہہ خانے میں پٹخنیاں کھاتے دیکھا تھا انہوں نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا اور اتنی دیر ہنستے رہے جب تک کہ ان کی پسلیاں نہیں چڑھ گئیں۔

عزیق بولا۔ ”صغیر کو اپنے کیے کا بدلہ ملا ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیں ’چیزوں‘ سے ڈرایا کرتا تھا اور اب ذہن کی پیدا کردہ چیزوں سے ڈر کر بھاگ گیا ہے۔“

معاذ نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ چابی تالے میں ہی چھوڑ گیا ہے۔ آؤ اسے قابو میں کرتے ہیں۔ تب ہمیں جب بھی یہ راستہ استعمال کرنے کی ضرورت ہو گی۔ ہم آسانی سے اس راستے سے نکل جایا کریں گے۔“

پھر اس نے موم بتّی جلائی اور مسکراتے ہوئے بڑی چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔ لڑکے تہہ خانے میں اُس جگہ پہنچے جسے وہ دیکھ چکے تھے۔ معاذ نے دلچسپی سے اُس دروازے کو دیکھا جس سے وہ آئے تھے۔

معاذ بولا۔ ”مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ ایک تہہ خانے کے پیچھے کوئی اور تہہ خانہ بھی ہے۔“

پھر اس نے بہت بڑے تہہ خانے کا جائزہ لیا اور پھر بڑبڑایا۔ ”انہوں نے اس کو چھپایا ہوا ہو گا۔“

واقعی وہاں بڑے بڑے خالی ڈبے پڑے ہوئے تھے اور اب جب وہ ان کے متعلق سوچ رہے تھے تو معاذ کو انہیں دیکھتے ہوئے یاد آیا کہ واقعی ہر دفعہ یہاں ڈبوں کو سلیقے سے اوپر تلے رکھا ہوتا تھا۔ کیا یہ صغیر نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہوتا

تھا تا کہ بچے دوسرے تہہ خانے میں نہ جا سکیں جہاں سب دوسری چیزیں رکھی ہوتی تھیں۔ کیا بچگانہ اور بے وقوفی کی بات تھی لیکن کیا فائدہ۔ وہ انہیں وہاں جانے سے نہیں روک سکا تھا۔ معاذ نے سوچا کہ وہ آسانی سے خفیہ راستے سے آجا سکتے ہیں یا وہ دروازے سے گزر سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس چابی ہے۔ وہ صغیر کو شکست دینے پر بہت خوش تھا۔

عنزیق کہنے لگا۔ ”میرا خیال ہے یہ سیڑھیاں اوپر باورچی خانے میں جاتی ہیں۔ اوپر جانا اب خطرناک نہیں ہے۔ کیا خیال ہے؟ احتیاط کرنی چاہیئے تا کہ کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔ کیونکہ پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔“

معاذ نے کہا۔ ”میں اوپر چڑھ کر احتیاط سے دروازہ کھولتا ہوں اور سنتا ہوں کہ وہاں کوئی ہے تو نہیں۔“

یہ کہہ کر وہ گیا لیکن صغیر وہاں سے رفو چکر ہو چکا تھا اور چچی بھی وہاں نہیں تھیں۔ باورچی خانہ بالکل خالی تھی۔ دونوں لڑکے اوپر چڑھے باہر دروازے پر آئے اور پہاڑی راستہ اترنے لگے۔ انہیں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

عنزیق کہنے لگا۔ ”لڑکیاں پریشان ہو رہی ہوں گی کہ ہم پر کیا بیتی ہو گی؟“

اس کو اچانک تزئین اور نایاب یاد آئیں جو بڑے صبر سے لڑکوں کا انتظار کر رہی تھیں اسی غار کے سوراخ کے پاس جہاں لڑکے پھسلے تھے۔

وہ بولا۔ ”آؤ انہیں حیران کرتے ہیں۔ وہ سوچ رہی ہوں گی کہ ہم اسی راستے سے واپس آئیں گے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ ہم اِدھر سے بھی آ سکتے ہیں۔“

وہ دوبارہ چٹانوں سے گھرے ہوئے ساحل سمندر پر پہنچے۔ وہ دوبارہ صبح والی غار میں گئے۔ دونوں لڑکیاں ابھی سوراخ کے کنارے ہی بیٹھی تھیں اور ان کے درمیان بڑی شد و مد سے گفتگو جاری تھی کہ وہ کیا کریں۔

نایاب کہنے لگی۔ ”ہمیں اب اسی وقت کسی کی مدد لینی چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ لڑکے کسی مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں۔“

معاذ کو دوبارہ وہی بڑی اسٹار فش نظر آ گئی۔ وہی اسٹار فش جس کی وجہ سے ساری

مصیبت شروع ہوئی تھی۔ بڑی خاموشی سے اس نے اسٹار فش کو اٹھالیا پھر دبے پاؤں وہ کائی زدہ غار میں بے چاری تزئین کے پاس پہنچا۔ اس نے اسٹار فش اس کے بازو پر رکھ دی جو بازو پر بڑے خوفناک انداز میں رینگنا شروع ہوگئی۔ تزئین ایک چیخ مار کر اچھلی جو مٹھو کی چیخ سے بھی خوفناک تھی۔ وہ چلّائی۔

”معاذ تم جانور ہو۔ کیسے واپس آگئے۔ اب ٹھہر جاؤ میں تمھیں پکڑ لوں تو تمہارے سر کے تمام بال نہ نوچے تو مجھے تزئین نہ کہنا۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔“

سخت غصّے کے عالم میں تزئین نے معاذ کو پکڑنے کے لیے چھلانگ لگا دی جو غار سے نکل کر باہر دوڑ رہا تھا۔ وہ اس وقت ریتلے ساحل پر دوڑتا ہوا کچھ گنگنا بھی رہا تھا۔ نایاب نے اپنی بانہیں بھائی کے گلے میں ڈال دیں۔ وہ اس کے بارے میں بہت پریشان رہی تھی۔ اب وہ پیار سے اسے بار بار پوچھ رہی تھی۔

”عنزیق بھیّا! تمھیں کیا ہوا تھا۔ میں نے تمہارا بہت شدّت سے انتظار کیا اور مجھے بتاؤ تم کس راستے سے واپس آئے اور وہ خفیہ راستہ کہاں تک جاتا ہے؟“

لیکن تزئین اور معاذ کے چیخنے چلانے اور لڑنے سے اتنا شور ہو رہا تھا کہ عنزیق

کے لیے جواب دینا مشکل ہو رہا تھا اور اس شور میں مٹھو بھی مزید شور کرنے کے لئے شامل ہو گیا تھا۔ اب وہ اس طرح کی آوازیں نکال رہا تھا جیسے کوئی ریل گاڑی کسی سرنگ میں سے گزر رہی ہو۔ اب تزئین اور معاذ کے درمیان خاصی مزے کی جنگ جاری تھی۔ ناراض تزئین نے بھائی کو پکڑ لیا تھا اور اپنی پوری طاقت سے بھائی پر گھونسے برسا رہی تھی۔

”میں اسٹار فش پھینکنے کا بدلہ لوں گی۔ تم کو بخوبی علم ہے کہ مجھے ان چیزوں سے سخت نفرت ہے۔ میں تمہارے بال نوچ لوں گی۔“

معاذ پھر تزئین کی گرفت سے چھوٹ گیا اور بھاگ نکلا۔ تزئین کی مٹھی میں بھائی کے سر کے تھوڑے سے بال ضرور رہ گئے۔ تزئین اب باقی دوستوں سے بھی ناراض تھی۔ وہ ان سے اپنی تمنّا کا اظہار کر رہی تھی۔

”وہ بہت برا ہے۔ میں اس سے نہیں بولوں گی۔ میری خواہش ہے کہ کاش وہ میرا بھائی نہ ہوتا۔“

عنزیق بولا۔ ”وہ صرف مذاق کر رہا تھا۔“

لیکن عنزیق کی اس بات سے معاملہ اور بھی خراب ہو گیا۔ تزئین مزید ناراض ہو گئی۔ نایاب اس کے چہرے پر غصّے کو دیکھ کر پریشان تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے بھائی کا دفاع کرے گی اگر تزئین اس کے بھائی کی طرف بڑھی تو

"اب میرا تم دونوں سے بھی کوئی تعلق نہیں۔"

یہ کہہ کر تزئین ناراضگی سے وہاں سے چل دی۔

عنزیق نے کہا۔ "تزئین اب وہ سارا قصّہ سننے سے قاصر رہے گی۔ جو کارنامہ وہ صبح سے اب تک انجام دے چکے ہیں۔ یہ اسٹار فش کتنی بڑی ہے لیکن نایاب ہم تمہیں سارا کچھ بتائیں گے۔ ہم واقعی ایک زبردست کارنامہ انجام دے چکے ہیں۔"

تزئین جو اب سخت غصّے میں وہاں سے جا رہی تھی اچانک اسے یاد آیا کہ اس نے خفیہ راستے کے بارے میں بالکل ہی نہیں پوچھا اور یہ دونوں لڑکے کس راستے سے واپس لوٹے ہیں۔ وہ الٹے پاؤں واپس لوٹ آئی۔ اس نے دونوں لڑکوں اور نایاب کو ایک ساتھ دیکھا۔ جب وہ لوٹی تو معاذ نے منہ پرے کر لیا۔ لیکن تزئین کا

رویہّ برسات کے موسم کی طرح بدلتا رہتا تھا اور اس کا رویہ ٹھیک ہونے میں بھی وقت نہیں لگتا تھا۔ اس نے پیار سے بانہیں معاذ کی کمر میں ڈالیں اور کہنے لگی۔

”مجھے معاف کر دو معاذ! اب مجھے ذرا خفیہ راستے کے بارے میں بتاؤ کہ تم دونوں نے ساتھ کیا کیا۔ مہربانی فرما کر جلدی سناؤ میرا سننے کو بہت دل کر رہا ہے۔“

اب امن دوبارہ قائم ہو چکا تھا۔ جلد ہی دونوں لڑکیاں سن رہی تھیں اور لڑکے انہیں سرنگ کی کہانی سنا رہے تھے۔

عنزیق نے کہا۔ ”میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہم نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔“

لڑکے قصہ سنا تو رہے تھے لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ آگے ان کے مستقبل میں کیا لکھا ہے۔

اجنبی کشتی

لڑکیاں کسی طرح بھی خفیہ راستے سے جانے کے لیے تیار نہیں ہوئیں حالانکہ لڑکوں نے لاکھ کوشش کر لی۔ وہ اندھیرے سے گزرنے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھیں حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ بڑا حیرت انگیز سفر ہے لیکن پھر بھی انہیں ایک اندھیری بل کھاتی سرنگ سے رینگ کر گزرنا ہرگز پسند نہیں تھا۔

معاذ بولا۔ ”اصل میں تزئین ڈرتی ہے کہ پھر کوئی اسٹار فش اس کے بازو پر نہ

رینگنے لگے اور نایاب تو ہمیشہ اپنی سہیلی ہی کی طرفداری کرتی ہے۔"

لیکن اس طرح کے طعنے بھی لڑکیوں کو خفیہ راستے سے گزرنے کے لئے تیار نہ کر سکے لیکن وہ خفیہ راستے کے بارے میں ہر وقت سننے کو تیار تھیں۔ لڑکے اگلے دن پھر تہہ خانے میں جا پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ صغیر نے ایک دفعہ پھر بڑے سامان کے ڈبوں کو دوسرے دروازے کے آگے رکھ دیا ہے اور اب وہ دروازہ آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ یہ حیرانی کی بات تھی لیکن صغیر اکثر ایسی فضول حرکتیں کرتا رہتا تھا لیکن اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ ان کے پاس چابی تھی جو بہت اہم چیز تھی۔ موسم آج خنک اور سہانا تھا۔ نیلے آسمان پر سورج چمک رہا تھا۔ بچوں نے تیراکی کے لباس لیے اور ساحل سمندر پر جا نکلے۔ جلد ہی گرمی سے ان کا برا حال ہو گیا۔ معاذ، تزئین اور نایاب نے عنزیق سے کہیں زیادہ سمندر میں تیراکی کی۔

عنزیق خاموش تھا۔ وہ مبہوت ہو کر سمندری پرندوں کو دیکھ رہا تھا جو ہزاروں کی تعداد میں ساحل سمندر آئے تھے۔ وہ پرندوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسے نایاب کی بھی پرواہ نہیں تھی۔اس بات سے نایاب مایوس تھی۔اس نے اپنی بہن کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"پرندے بھی مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن نایاب وہ مجھے مکمل طور پر نہیں جانتے۔ تم اپنی سہیلی کے ساتھ کھیلو کیونکہ اگر ہم دونوں بہن بھائی علیحدہ رہے تو یہ بد تمیزی ہو گی اور تزئین اور معاذ کیا سوچیں گے۔"

اب ویسے بھی نایاب عنزیق کا ہر وقت سایہ بنے نہیں رہتی تھی اور دوسروں کے ساتھ بھی وقت گزارنے لگی تھی۔ لیکن وہ اکثر جانتی تھی کہ عنزیق کہاں ہے اور جب اس کے آنے کا وقت ہوتا تو وہ اس کی راہ دیکھ رہی ہوتی۔ تزئین کو وہ بے وقوف لگتی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آیا تھا کہ وہ معاذ کا اس طرح خیال کرے گی۔ وہ نایاب کو بتاتی۔

"میں تو اس وقت خوش ہوتی ہوں جب وہ میرے کام میں روڑے نہیں اٹکاتا۔وہ مجھے بہت تنگ کرتا ہے۔ پچھلے سال میں تو ڈر کر پاگل ہو گئی تھی جب اس نے دو کینچوے میرے تکیے میں ڈال دیے تھے اور وہ ساری رات میرے بستر میں

کلبلاتے رہے۔"

نایاب کو بھی یہ سن کر گھن آنے لگی لیکن اب تک وہ معاذ اور اس کی شرارتوں سے مانوس ہو چکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ پیراکی کے تنگ لباس میں سے بھی وہ کوئی رطوبتیں نکالتا کیڑا نکال سکتا ہے۔ کل دو بڑے دوست قسم کے کیکڑوں کی باری تھی لیکن جب وہ حادثاتی طور پر ایک کیکڑے پر بیٹھ گئی اور اس نے نایاب کو چٹکی کاٹی تو نایاب کو معلوم ہوا کہ کیکڑے سمندر کے اندر ہی اچھے لگتے ہیں۔ تزئین نے کہا۔

"مجھے خوشی ہے کہ کم از کم عنزیق اپنے ساتھ مٹھو کو تو رکھتا ہے جب وہ سمندری پرندوں کو دیکھنے جاتا ہے۔ مجھے مٹھو بہت پسند ہے لیکن جب سے اس نے سمندری پرندوں کی آوازوں کی نقل کرنا شروع کی ہے مجھے لگتا ہے وہ پاگل ہو گیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ چچی جان اور مٹھو کی اتنی گہری دوستی کیسے ہو گئی ہے۔"

واقعی چچی جان پرندے کی شیدائی ہو چکی تھیں۔ وہ بہت چالاک توتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ آہستگی سے کہے گا بیچاری چچی تو وہ کھانے کی پسندیدہ چیز چچی سے

حاصل کر سکتا ہے۔ اس دفعہ چچی سے صغیر کو خاصی جھڑکیاں سننی پڑی تھی جب وہ کار پر خریداری کے لیے گیا تھا اور واپسی پر پرندے کے کھانے کے بیج بھول آیا تھا۔ اس کو جھڑکیاں پڑتے دیکھ کر بچے خوشی سے پھولے نہ سمارہے تھے لیکن چچا آصف سے ملاقات کا تجربہ مٹھو کے لیے کوئی اتنا اچھا نہیں تھا۔

ایک گرم دن توتا خاموشی سے مطالعہ والے کمرے کی کھلی کھڑکی سے اندر چلا گیا جہاں چچا آصف بیٹھے ہوئے تھے اور حسبِ سابق پرانے کاغذات اور کتابوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ مٹھو اڑا اور کتابوں کی الماری پر بیٹھ گیا۔ پہلے تو وہ ارد گرد کا جائزہ بڑے شوق سے لیتا رہا اور پھر ایک تحکمانہ لہجے میں بولا۔

”میں نے تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کہ سیٹی نہ بجایا کرو۔“

چچا آصف جو مکمل طور پر اپنی کتابوں میں گم تھے۔ وہ ڈر کر ان کاغذات سے باہر نکلے انہوں نے توتے کو نہیں دیکھا تھا اور یہ یکسر بھول چکے تھے کہ ایک توتا رہنے کے لیے ان کے گھر میں بھی آچکا ہے۔ وہ بیٹھ کر سر کھجانے لگے کہ اتنی تحکمانہ آواز سے کون بول رہا ہے۔ کچھ دیر کے لیے مٹھو خاموش رہا۔ چچا آصف جب

اس نتیجے پر پہنچے کہ انہیں آواز سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ دوبارہ کاغذات میں گم ہو گئے۔ مٹھو نے پھر اسی لہجے میں پوچھا۔ ’’تمہارا رومال کدھر ہے؟‘‘

چچا آصف کو یقین ہو گیا کہ اس کی بیوی کہیں نزدیک ہی ہے کیونکہ مٹھو جو اب چچی کی آواز کی کمال نقل اتار لیتا تھا، چچی کی آواز میں ہی بول رہا تھا۔ انہوں نے فوراً اپنی جیبوں میں رومال تلاش کرنا شروع کر دیا۔ توتے نے کہا۔

’’اچھا بچہ، اب اپنے پاؤں صاف کرنا نہیں بھولنا۔‘‘ تو چچا آصف نے کہا۔ ’’لیکن میری پیاری بیوی میرے پاؤں تو گندے نہیں ہیں۔‘‘

وہ سوچ رہے تھے کہ وہ شاید اپنی بیوی سے ہی بات کر رہے ہیں۔ وہ پریشان اور ناراض تھے۔ اکثر چچی ان کے پاس آ کر انہیں پریشان کرتی تھی جیسا کہ وہ اب غیر ضروری احکامات جاری کر رہی تھیں۔ وہ واپس مڑے تاکہ بیوی کو کہیں کہ وہ وہاں سے چلی جائے لیکن بیوی وہاں ہوتی تو وہ اسے دیکھ پاتے۔ مٹھو اب بالکل صغیر کی آواز میں کھانسا۔ چچا آصف کو یقین تھا کہ صغیر ان کے کمرے میں موجود ہے۔ بہت ناراض ہوئے۔ آج تمام لوگ کیوں ان کے کمرے میں آ کر انہیں

پریشان کر رہے تھے۔ یہ معاملہ ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ اپنے تئیں صغیر سے بولے۔ ”دفع ہو جا۔ دیکھتے نہیں میں مصروف ہوں۔“

توتے نے ناراضگی سے کہا۔ ”اوہ تم ایک شرارتی لڑکے ہو۔“

پھر وہ دوبارہ کھانسا اور پھر بالکل اصلی چھینک جیسی چھینک ماری اور پھر تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ چچا آصف پھر کام میں جٹ گئے۔ وہ ہونے والی مداخلت کو یکسر بھلا چکے تھے لیکن مٹھو کو اس خاموشی سے ایسا لگا جیسے اسے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ وہ کتابوں کی الماری سے اڑا اور چچا آصف کے سفید بالوں والے سر پر بیٹھ گیا اور ریل گاڑی کے انجن کی سیٹی کی آواز نکالنے لگا۔ چچا آصف بے چارے فوراً ہڑبڑا کر اچھلے۔ انہوں نے سر پر ہاتھ پھیر کر مٹھو کو ہٹایا اور اتنا زور سے چیخے کہ چچی جان کو فوراً ان کے کمرے میں آنا پڑا۔ مٹھو فوراً کھڑکی سے باہر اڑ گیا اور اڑتے ہوئے ایسی آواز نکالی جیسے کوئی قہقہہ لگا رہا ہو۔

چچی نے پوچھا۔ ”آصف! کیا بات ہے؟“

چچا آصف بہت غصّے میں تھے۔ بولے ”پہلے تو صبح سے لوگوں کا میرے کمرے

میں تانتا بندھا رہا ہے۔ کوئی مجھے جوتے صاف کرنے کا حکم سنا رہا تھا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ میں سیٹی نہ بجایا کروں اور پھر کسی نے زور سے کوئی چیز میرے سر پر دے ماری۔"

چچی نے مسکراتے ہوئے انہیں بتایا۔ "وہ کئی آدمی نہیں تھے صرف مٹھو تھا۔"

چچا چلائے۔ "صرف مٹھو! صرف مٹھو! اور کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ یہ مٹھو کس بلا کا نام ہے؟"

وہ اس لیے بھی مزید غصّے میں آ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ بجائے ان کی بیوی ان کی دلجوئی کرے، الٹا ان کی باتوں پر مسکرا رہی ہے۔

چچی نے بتایا۔ "مٹھو ایک توتا ہے۔ مہمان لڑکے کا توتا۔"

چچا تو کب سے عنزیق اور نایاب کو بھول چکے تھے۔ انہوں نے چچی کو ایسے گھورا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہوں اور پھر پوچھنے لگے۔ "کون سا لڑکا اور کون سا توتا۔ کیا تم سٹھیا گئی ہو؟"

چچی نے ٹھنڈی سانس لی اور بولیں۔ ”تم چیزیں بڑی جلدی بھول جاتے ہو۔“ انھوں نے چچا کو دونوں بچوں کی آمد کے بارے میں دوبارہ یاد دلایا اور پھر مٹھو کے بارے میں وضاحت کی اور کہنے لگیں۔

”وہ دنیا میں سب سے ذہین توتا ہے۔“

چچی اب دل سے مٹھو کو پسند کرتی تھیں۔ چچا آصف نے آہستگی سے کہا۔

”میری گزارش صرف یہ ہے کہ میں تمہاری بات کی تائید کر دیتا ہوں کہ واقعی وہ دنیا کا ذہین ترین توتا ہے لیکن اسے میرے کمرے سے باہر رکھا جائے کیونکہ اگر وہ آئندہ میرے کمرے میں آیا تو پھر میرے پھینکے ہوئے جوتے کی زد میں نہیں بچ سکے گا۔“

چچی نے دوبارہ مٹھو طرف دیکھا تو انہیں ذہن میں آیا کہ چچا آصف نے آج تک کبھی بھی کسی چیز کا نشانہ لیا ہو تو کبھی بھی وہ صحیح ٹھکانے پر نہیں لگا۔ انہوں نے سوچا کہ بہتر ہے کہ وہ کھڑکی ہی بند کر دیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اگلی دفعہ مٹھو کے آنے کے بعد انہیں وہ تمام چیزیں سنبھالنا پڑیں جو چچا آصف جوتے سے توڑیں

گے۔

چچی کے لیے ناراض ہونے والی کئی واقعات رونما ہو رہے تھے مثلاً بچے ہر وقت کھانے کا تقاضا کرتے رہتے تھے۔ صغیر کی حرکتیں انہیں تنگ کر رہی تھیں اور اگر صغیر کوئی حرکت نہ بھی کرتا تو مٹھو کچھ نہ کچھ گڑبڑ کر دیتا اور اگر مٹھو خاموش ہوتا تو چچا آصف کے جوتے پھینکنے جیسی باتیں سننے کو ملتیں۔

چچی نے کھڑکی بند کی اور اپنے کمرے میں گئیں اور اندر سے زور سے دروازہ بند کر لیا۔ راہداری میں مٹھو آواز گونجی دروازے کو اتنے زور سے بند مت کرو اور میں نے تمہیں کتنی دفعہ منع کیا ہے وغیرہ لیکن اس دفعہ چچی توتے پر برس پڑیں۔ ”تم اچھے پرندے نہیں ہو بہت برے ہو۔“

مٹھو یہ باتیں سن کر چیخ مارتا ہوا راہداری سے اڑا اور عنزیق کو ڈھونڈنے لگا۔ عنزیق ہمیشہ اسے پیار کرتا تھا اور کبھی جھڑکتا نہیں تھا۔ عنزیق کدھر تھا؟ عنزیق دوسرے بچوں کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ ایک چٹان پر چڑھا ہوا تھا اور سیدھا لیٹ کر بغور پرندوں کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سر پر اڑ رہے تھے۔ مٹھو سیدھا جا کر اس پر

بیٹھ گیا جس کی وجہ سے اسے فوراً سیدھا بیٹھنا پڑا۔ اس نے مٹھو کو کہا۔ ”تو مٹھو۔ اپنے پنجے مجھے نہ مار دینا کیونکہ میں نے صرف تیرا کی کا لباس پہن رکھا ہے۔ اب خاموش رہنا ورنہ تم باقی پرندوں کو بھی ڈرا دو گے۔ میں اب تک پانچ قسم کے نئے بگلے دیکھ چکا ہوں۔“

یہ کہہ کر اس نے مٹھو کو پرے کیا اور پھر ارد گرد دیکھنے لگا۔ اس نے عینک لگائی اور سمندر میں اس طرف دیکھنے لگا جہاں دکھ والا جزیرہ تھا اور جو ابھی تک اسے واضح نظر نہیں آسکا تھا لیکن آج اگرچہ باقی چٹانیں دھند میں ڈھکی ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آرہی تھیں مگر کسی وجہ سے وہ جزیرہ صاف اور واضح نظر آرہا تھا۔ حیرانی سے عنریق کے منہ سے نکلا۔

”یا خدا! وہ رہا پراسرار جزیرہ جسے صغیر ہمیشہ برا کہتا ہے۔ آج وہ کیسا صاف نظر آ رہا ہے۔ مجھے تو اس کے ارد گرد کی چٹانیں بھی نظر آرہی ہیں بلکہ وہ لہریں بھی جو ہر وقت اس کے ساحل سے ٹکرا کر اس پر دھند بنائے رکھتی ہیں۔“

عنریق البتہ جزیرے پر پرندے نہ دیکھ سکا کیونکہ اس کی پہنی ہوئی عینک سے وہ

زیادہ سے زیادہ جزیرہ اور اس کے ارد گرد پھیلی چٹانیں ہی دیکھ سکتا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح عزیق کو یقین ہو گیا تھا کہ وہاں ہزاروں پرندے ہیں۔ اس نے خود سے کہا۔

”نایاب پرندے! ایسے پرندے جو آج تک کسی نے نہ دیکھے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ایسے جزیرے پر جہاں کوئی انہیں پریشان نہیں کرتا وہاں انہوں نے گھونسلے بنا رکھے ہوں۔ میری بہت بڑی خواہش ہے کہ میں اس جزیرے پر جا سکوں یہ صغیر کتنا برا انسان ہے جس کی وجہ سے ہم پراسرار جزیرے پر نہیں جاسکتے۔ جب سمندر آج ہی کی طرح پرسکون ہو تو ہم کتنی آسانی سے جزیرے پر جاسکتے ہیں۔ اللہ تمہیں سمجھے صغیر۔“

عزیق نے اپنی عینک سنبھالی اور پھر کسی شے کو شدید حیرت سے گھورنے لگا۔ وہ ایک کشتی تھی جو ساحل سمندر سے ایک میل دور کوئی چلا رہا تھا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ صغیر نے انہیں بتایا تھا کہ میلوں دور تک یہاں اس کے علاوہ کسی کے پاس کشتی نہیں ہے اور چچی نے بتایا تھا کہ اس ساحل سمندر پر دور دور تک کوئی نہیں

رہتا۔ چھ سات میل دور تک کوئی آبادی نہیں ہے اور چچانے بتایا کہ اس ساحل سمندر پر دور دور تک کوئی نہیں رہتا۔ چھ سات میل دور تک کوئی آبادی نہیں ہے۔"عنزیق خود سے بولا۔

"پھر بھی چٹان کی مغربی جانب اتنی دور کس کی کشتی ہے۔ یہ صغیر کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟"

عنزیق آخر اس نتیجے پر پہنچا کر یہ صرف صغیر ہی ہو سکتا ہے اس نے سورج کی طرف دیکھا وہ خاصا اونچائی پر تھا اب کھانے کا وقت تھا اور اسے واپس جانا تھا اس نے ارادہ کیا کہ وہ راستے میں صغیر کی کشتی کو دیکھتا جائے گا کہ کیا وہ اپنی جگہ پر بندھی ہوئی ہے اور اگر کشتی نہ ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ دور کشتی میں صغیر ہی ہے۔ لیکن کشتی وہیں موجود تھی اور اپنی مخصوص جگہ پر بندھی ہوئی تھی اور پانی کی لہریں اسے آہستگی سے اِدھر اُدھر کر رہی تھیں اور صغیر بھی وہیں موجود تھا۔ جو لکڑی کے ٹکڑے باورچی خانے میں استعمال کے لیے اکٹھے کر رہا تھا۔ تو پھر کشتی والا شخص کوئی اور تھا اور کہیں نزدیک ہی رہتا تھا اور اس کی اپنی کشتی بھی

تھی۔

عزیق دوڑ کر دوسرے بچوں کے پاس پہنچا۔ وہ یہ سن کر حیران بھی ہوئے اور خاموش بھی اور کہنے لگے۔

"ہم جا کر دیکھیں گے کہ وہ شخص کون ہے اس کے دوستی کریں گے تا کہ اس کی کشتی پر سوار ہو کر مچھلیاں پکڑ سکیں۔"

معاذ کہنے لگا۔ "یار عزیق تم نے بڑا کام کیا اور آخر کار تمہاری عینک نے پرندوں کے علاوہ کچھ اور بھی تمہیں دکھانا شروع کر ہی دیا ہے۔"

عزیق نے کہا۔ "ہم کل جا کر دیکھیں گے۔ میں تو ایک دفعہ دکھ کا جزیرہ دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ دیکھ سکوں کہ وہاں کوئی نایاب پرندے ہیں۔ بس مجھے ہر حال میں وہاں جانا ہے۔"

تزئین نے کہا۔ "کوئی صغیر کو نہ بتائے کہ ہم نے کسی اور کشتی والے کو دیکھا ہے۔ ورنہ وہ ہمیں روکنے کی کوشش کرے گا۔ اسے ہماری ہر دلچسپی سے نفرت ہے۔"

فیصلے کے مطابق چچی اور صغیر سے اس اجنبی کشتی والے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ وہ تہیّہ کر چکے تھے کہ کل صبح اسے تلاش کریں گے اور اس سے بات کریں گے لیکن اگلی صبح کے ہونے سے پہلے ہی کچھ ہونا بقایا تھا۔

رات کی مہم

اس رات عنزیق سو نہیں سکا۔ چودھویں کا چاند کھڑکی سے باہر نظر آ رہا تھا۔ چاندنی چھن کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ لیٹے لیٹے چاندی کے اس تھال کو گھورتا رہا۔ وہ ہوا میں لہراتے منڈلاتے بگلوں کے متعلق سوچ رہا تھا اور ان سیاہ بگلوں کے متعلق جو چٹانوں پر کھڑے رہتے ہیں، جن کی چونچیں پوری طرح کھلی رہتی ہیں جب تک کہ وہ نگلی ہوئی مچھلی ہضم نہیں کر لیتے۔ اسے دکھ والا جزیرہ یاد تھا کیونکہ صبح ہی اس نے اسے دیکھا تھا اور وہ اسے بہت پر اسرار لگا تھا۔ وہ دنیا کے

شور سے کتنا پرے اور تنہا تھا۔ لیکن پھر بھی سب کا کہنا تھا کہ کبھی لوگ وہاں رہتے تھے اور اب وہاں کوئی کیوں نہیں رہتا تھا؟ اور وہ کیسی جگہ تھی؟

عنزیق نے سوچا۔ ”کاش ممکن ہوتا تو میں آج رات ہی وہاں سے ہو آتا۔“

یہ سوچ کر وہ گدّے سے شور مچائے بغیر اترا۔ اس نے معاذ کو بھی نہیں جگایا اور کھڑکی کے پاس چلا گیا اور باہر گھورنے لگا۔ سمندر چاند کی کرنوں سے دمک رہا تھا۔ عمودی کھڑی چٹانوں کے سائے بڑے بڑے دھبوں کی صورت میں سمندر پر پڑ رہے تھے۔ عام دنوں کی نسبت آج رات سمندر بہت پر سکون تھا۔ ہوا بھی آہستگی سے چل رہی تھی اور کبھی کبھار عنزیق کے کانوں میں سرگوشی کر جاتی تھی۔ پھر اچانک وہ حیرت سے دنگ رہ گیا۔ ایک کشتی سمندر میں اس کی جانب آتی دکھائی دی۔ ابھی وہ کنارے سے خاصی دور تھی لیکن اس کا رُخ ساحل کی طرف ہی تھا۔ یہ کس کی کشتی تھی؟ عنزیق نے بہتیرا غور سے دیکھا لیکن اسے نظر نہیں آیا۔ رات کے وقت کشتی اور یہاں! یہ بہت حیرت انگیز بات تھی۔ اُس نے سوچا کہ میں معاذ کو جگاتا ہوں۔ وہ معاذ کے پاس اس کے گدّے کے پاس پہنچا اور

اسے جگانے لگا۔

"معاذ، معاذ جاگو اور کھڑکی کے پاس آؤ۔"

آدھے منٹ میں معاذ مکمل بیدار ہو گیا تھا اور کھڑکی سے عنزیق کے ساتھ باہر جھانک رہا تھا۔

اس نے بھی کشتی دیکھی اور ہونٹ سکیڑ کر سیٹی ماری جس نے مٹھو کو بھی جگا دیا جو فوراً عنزیق کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

معاذ نے پوچھا۔ "کیا کشتی میں صغیر سوار ہے؟ مجھے تو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کشتی اس کی ہے یا کسی اور کی۔ آؤ نیچے ساحل پر چلیں اور کشتی کو قریب سے دیکھیں۔ میں تو بہت حیران ہوں کہ یہ کشتی رات کو وہاں کیا کر رہی ہے۔ صغیر کے بارے میں مجھے حیرت یہ ہے کہ وہ ہم سب لوگوں کو نادیدہ چیزوں سے ڈراتا رہتا ہے لیکن خود اس وقت کیسے باہر ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ صغیر ہے۔"

انہوں نے گرم کپڑے پہنے، پیروں میں ربڑ کے جوتے پہنے اور پھر چکر کھاتی

ہوئی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگے۔ جلد ہی وہ چٹانوں والا راستہ عبور کر رہے تھے۔ چاند کی روشنی میں کشتی آہستگی سے کنارے پر آ لگی۔

معاذ آخر کار بولا۔ "یہ تو صغیر کی کشتی ہے۔ اب ہم آسانی سے اسے دیکھ سکتے ہیں اور کشتی کے اندر بھی صغیر ہی ہے۔ وہ اکیلا ہے لیکن اس کے پاس کافی سامان ہے۔"

عنزیق کہنے لگا۔ "ہو سکتا ہے وہ مچھلیاں پکڑ تا رہا ہو۔ آؤ اس کی جان نکالیں معاذ۔ "

لڑکے چھپتے چھپاتے وہاں پہنچے جہاں کشتی آ رہی تھی۔ صغیر بادبان سنبھال رہا تھا۔ اس نے کشتی اس جانب کھینچنی شروع کر دی جہاں وہ ہمیشہ کشتی کو باندھا کرتا تھا۔ لڑکے دم سادھے ایک چٹان کے پیچھے بیٹھے تھے۔ صغیر نے بڑی کشتی آسانی سے اس کی مخصوص جگہ سے باندھ دی اور پھر کشتی سے سامان نکالنے لگا۔ لیکن اسی وقت یکایک لڑکے اس کے قریب جا دھمکے اور بھوتوں کی طرح اچھلنے کودنے لگے اور کشتی کو زور زور سے ہلانے لگے۔ صغیر کو کچھ پتا نہ چلا اس کا توازن بگڑا اور

وہ کشتی سے سیدھا پانی میں جا گرا اس کے گرنے سے لہروں کے ارتعاش سے اچانک خاصا شور ہوا۔ لیکن وہ فوراً سطح پر آیا۔ اس کے چہرے پر سختی کے آثار چاندنی کی روشنی میں صاف دکھائی دے رہے تھے۔

لڑکے کو اس کے چہرے کے تاثرات سے تھوڑی بے چینی ہوئی صغیر پانی سے نکلا اپنے جسم کو کسی جانور کی طرح پھریری لے کر جسم سے پانی ہٹایا اور بڑی تیزی سے لڑکوں کی طرف آیا۔

عنزیق نے معاذ کو کہا۔ "یہ تو جیسے ہمیں کھانے کے لیے آرہا ہے۔ آؤ یہاں سے بھاگیں۔"

لیکن گھر جانے والے راستے کے بیچ صغیر کا مضبوط جسم کھڑا تھا۔ وہ دانت بھینچ کر بولا۔ "اب میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ ایسے لڑکوں کا کیا حشر ہوتا ہے جو رات کو جاسوسی کرتے پھرتے ہیں۔"

عنزیق نے اسے جھکائی دینے کی کوشش کی لیکن صغیر نے اسے پکڑ لیا اس نے مکّا ہوا میں لہرایا۔ اُدھر عنزیق کے منہ سے چیخ نکلی۔ اسی وقت معاذ نے پورے زور

سے صغیر کو دھکا دیا۔ اس دھکے سے صغیر کا توازن بگڑا اور اس کے ہاتھ سے عنزیق چھوٹ گیا۔ لڑکے پوری تیزی سے ساحل سمندر پر دوڑنے لگے لیکن وہ اس پتھریلے راستے جو گھر کی طرف جاتا تھا کی مخالف سمت کو دوڑ رہے تھے اور صغیر ان کے پیچھے تھا۔

معاذ ہانپتے ہوئے بولا۔ ”اب واپس بھی نہیں مڑ سکتے۔ صغیر آج ہماری چٹنی بنا کر کھائے گا۔ عنزیق اس غار کی طرف بھاگو تو ہو سکتا ہے ہم اس خفیہ راستے تک پہنچ جائیں۔ یہ اب ہماری زندگی موت کا مسئلہ ہے۔ میں نہیں جانتا یہ خبیث آدمی غصّے میں کیا کر بیٹھے ہو سکتا ہے۔ کہیں ہمیں مار ہی نہ ڈالے۔“

انتہائی ڈرے ہوئے دونوں لڑکے آخر غار میں گھس گئے اور پھر اپنی جان بچانے تاریک خفیہ راستے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ صغیر بھی پوری تیزی سے ان کے پیچھے پیچھے تھا لیکن پھر انھوں نے غار کے باہر ہانپتے ہوئے صغیر کے سانسوں کی آوازیں سنیں۔ وہ دعا مانگ رہے تھے کہ صغیر اس تاریک سوراخ میں نہ گھس آئے۔ اس نے ایسا نہ کیا۔ وہ غار کے دھانے پر کھڑا انتظار کرتا رہا

تاکہ لڑکے خود ہی غار سے باہر نکلیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ غار کے اندر کوئی خفیہ راستہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ باہر مٹھیاں بھینچے کھڑا تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا۔ ایک تیز لہر آئی جس نے صغیر کے ٹخنوں کو ڈھانپ لیا۔ لہریں تیزی سے آ رہی تھیں۔ وہ بڑبڑا رہا تھا کہ اگر یہ دونوں باہر نہیں نکلتے تو ساری رات اسی غار میں ہی قید رہیں گے۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ سمندر کی سرکش لہریں اسے جا بجا پٹختیں پھریں۔ وہ سوچتا جا رہا تھا کہ اب یہ دونوں لڑکے غار میں ہی ساری رات بسر کریں گے اور میں صبح سویرے ان سے نبٹوں گا۔ صبح جیسے ہی سمندر کی لہریں کچھ پُر سکون ہوں گی ان کے استقبال کے لئے تیار ہوں گا اور جو سزائیں ان کو دوں گا یہ ساری عمر اسے یاد رکھیں گے۔

لڑکے غار میں بیٹھے کانپ نہیں رہے تھے۔ وہ خفیہ راستے کو ایک بار پھر عبور کر رہے تھے لیکن فرق صرف یہ تھا کہ موم بتیاں موجود نہیں تھیں اور راستہ مکمل تاریک تھا۔ خفیہ راستہ بہت ڈراؤنی جگہ ہو گی مگر صغیر سے زیادہ نہیں۔ آخر وہ خفیہ دروازے پر پہنچے اور اسے دھکا دے کر کھولا۔ پھر وہ اوپر چڑھ کر پتھریلے

فرش والے تہہ خانے میں پہنچ گئے اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

عزیق نے کہا۔ ”میرا ہاتھ پکڑ لو اور ہم دونوں مل کر دوسرا راستہ بھی ڈھونڈ لیں گے۔ تمہیں وہ راستہ تو یاد ہی ہو گا۔ میں تو بھول گیا ہوں۔“

وہ باتیں کرتے وقت سردی سے زیادہ خوف سے کانپ رہا تھا۔ معاذ کو یقین تھا کہ وہ راستہ جانتا ہے لیکن پھر اسے کچھ لمحوں کی تلاش کے بعد احساس ہوا کہ وہ راستہ بھول چکا ہے۔ انہیں دوسرے تہہ خانے کا راستہ ڈھونڈتے خاصا وقت لگ گیا۔ انہوں نے دروازہ ڈھونڈنے کے لیے بڑا جتن کیا اور آخر مختلف قسم کے کئی ڈبوں کو گرا کر انہیں دروازہ نظر آیا۔ وہ مقفّل نہیں تھا۔ وہ شکر کر رہے تھے کہ انہوں نے چابی اڑا لی تھی۔ معاذ نے دھکا دے کر دروازہ کھول لیا جس سے دوسری طرف لگے ڈبوں کی قطار ایک زور دار دھماکے سے نیچے گر گئی جس کی گونج تہہ خانے کے کونے کونے میں گئی۔ دونوں لڑکے دم بخود کھڑے رہ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ مبادا کسی نے سنا ہو تو ادھر آئے لیکن کوئی نہیں آیا۔ انہوں نے ڈبّے دوبارہ ترتیب سے لگا دیے۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھ کر چاند کی روشنی میں چمکتے

باورچی خانے میں آ گئے۔

وہ سوچ رہے تھے کہ صغیر کہاں ہو گا۔ کیا وہ ابھی تک غار کے دہانے پر کھڑا ان کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا ہو گا؟ لیکن وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ تیزی سے اپنی کشتی کی طرف گیا تھا۔ اس میں سے کئی چیزیں نکالی تھیں اور پھر پتھریلے راستے پر چلتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے سونے والے کمرے میں پہنچا جو باورچی خانے کے بالکل ساتھ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دونوں لڑکے غار میں کانپ رہے ہوں گے جب ایک زور دار آواز اس کے کانوں نے سنی۔ یہ آواز ان ڈبّوں کے گرنے کی تھی جو تہہ خانے میں گرے تھے۔ لیکن صغیر کو اس حقیقت کا ابھی علم نہیں ہوا تھا وہ اپنے سونے والے کمرے میں کھڑا تھا جیسے اس کے پیر زمیں سے جڑ گئے ہوں یہ آواز آخر کیسی تھی؟ اس نے پتا کرنے کی جرأت نہیں کی۔

اگر وہ ہمّت کر لیتا تو وہ ان دونوں کو چاند کی روشنی میں باورچی خانے سے چوری چوری گزرتا ضرور دیکھ لیتا۔ وہ انہیں ڈرے چوہوں کی سی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ضرور دیکھ لیتا۔ جلد ہی دونوں لڑکے اپنے سونے والے گدّوں پر تھے اور

صحیح سلامت پہنچنے پر خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ وہ یہ سوچ کر ہنس رہے تھے کہ صغیر ابھی تک وہی کھڑا ان کا انتظار کر رہا ہو گا۔ ادھر صغیر کی باچھیں یہ سوچ کر کھلی تھیں کہ ابھی دونوں لڑکے غار میں ہوں گے اور صبح وہ رسی لے کر جائے گا اور انہیں ایسی سزا دے گا کہ دونوں یاد رکھیں۔ آخر کار وہ سب سو گئے۔

صغیر صبح سب سے پہلے بیدار ہوا اور باورچی خانے میں آگ سینکنے لگا۔ اس نے اپنے معمول کے کام ختم کئے اور پھر ایک مضبوط رسی کو کمر سے باندھ لیا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا جب وہ ساحل سمندر پر جاتا اور دونوں لڑکوں کو قابو کرتا۔ لہریں اس کے خیال کے مطابق اتنی پر سکون ہو چکی ہوں گی کہ اب لڑکے غار سے باہر نکلنے کی سوچ رہے ہوں گے۔ لیکن پھر شدید حیرت سے اس کے پاؤں جیسے پتھر کے ہو گئے جب اس نے دیکھا کہ چاروں بچے ہنستے بولتے باورچی خانے میں داخل ہو رہے ہیں۔

وہ آپس میں اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ ”آج پتا نہیں ناشتے میں کیا ملے گا۔ ہمیں بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔“

”لڑکو کیا تم رات کو مزے سے سوئے تھے۔“

پھر معاذ کے منہ نکلا۔ ”ہم ساری رات بہت گہری نیند سوئے رہے۔“

پھر عنزیق بھی گفتگو میں شامل ہو گیا۔ اسے صغیر کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ کر بہت مزا آ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ”بڑی گہری نیند تھی۔ میرا خیال ہے مٹھو نے کئی دفعہ ریل گاڑی کے انجن کی سیٹی کی آواز نکالی لیکن وہ بھی ہمیں جگا نہیں سکا۔“

تزئین نے پوچھا۔ ”صغیر آج ناشتے میں کھانے کو کیا ملے گا۔“

دونوں لڑکیاں لڑکوں سے ان کی رات کی مہم کے بارے میں سن چکی تھیں اور اب وہ بھی لڑکوں ے ساتھ مل کر صغیر کو چڑا رہی تھیں جو ابھی تک سوچ رہا تھا کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے اور لڑکے ابھی بھی غار میں ہی ہیں۔ آخر صغیر نے پوچھا۔ ”کیا تم دونوں لڑکے ساری رات اپنے کمرے میں سوئے رہے ہو؟“

اسے نہ اپنی آنکھوں پر یقین آ رہا تھا اور نہ کانوں پر۔ تو معاذ نے لاپرواہی سے کہا۔

"تو ہم اور کہاں سوتے ہیں؟ کیا دکھ والے جزیرے پر؟"

صغیر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور وہ واپس مڑ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا رات جو ہوا وہ یہ لڑکے نہیں کر سکتے۔ وہ ان دونوں کے چہرے واضح طور پر نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ وہ عنزیق اور معاذ ہی تھے۔ لیکن اب یہ ناممکن سا لگ رہا تھا۔ اتنی اونچی لہروں کی موجودگی میں کوئی بھی اس غار سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ تو پھر یہ لڑکے کیسے نکل سکتے ہیں؟ اس کے لیے بہت پریشانی کا عالم تھا۔

آخر اس نے سوچا کہ اسے نیچے غاروں کے پاس جا کر دیکھنا چاہئے کہ غاروں سے کون نکلتا ہے اور مجھے معلوم ہو جائے گا کہ رات اس کی جاسوسی کون کر تا رہا ہے۔ یہ سوچ کر وہ نیچے غار کے پاس گیا اور دو گھنٹے وہاں کسی کے باہر نکلنے کا انتظار کر تا رہا لیکن وہاں کوئی ہو تا تو نکلتا۔

عنزیق پتھریلے راستے پر کھڑا صغیر کی بے چینی دیکھ رہا تھا ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "اسے صورتحال کی قطعی سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ ہم نے سب سے اچھا کام یہ کیا کہ خفیہ راستے کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ اس بات کا بھرپور فائدہ ہم نے کل رات

حاصل کیا ہے۔"

تزئین کہنے لگی۔ "صغیر اب تم دونوں کو بھی ان چیزوں میں شامل کر لے گا جن سے وہ ہمیں ہمیشہ ڈراتا رہا ہے۔ بے وقوف صغیر! ہمیں دودھ پیتے بچے سمجھتا رہا جو اس کی باتوں سے ڈر جائیں گے۔"

نایاب پوچھنے لگی۔ "آج جب ہم کام ختم کر لیں گے تو پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے۔ بہت سہانا موسم ہے۔ کیا ہم پکنک نہیں منا سکتے یا ساحل سمندر پر چٹانوں کے اوپر مٹر گشت۔" وہ باتیں کرتے ہوئے ایک لالٹین بھی صاف کر رہی تھی۔

عنزیق ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "ہو سکتا ہے ہمیں وہ آدمی سرِ راہ مل جائے جسے ہم نے کل دیکھا تھا۔ یہ بہت اچھا ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں اپنی کشتی پر آنے دے۔ تزئین چچی جان سے پوچھ لو کہ کیا ہم اپنا کھانا اپنے ساتھ لے کر جا سکتے ہیں۔"

چچی نے انہیں اجازت دے دی اور آدھے گھنٹے میں وہ روانہ بھی ہو گئے۔ راستے میں انہیں صغیر بھی ملا۔ وہ اپنی سبزیوں میں گوڈی کر رہا تھا جو گھر کے پیچھے اگائی

ہوئی تھیں۔

معاذ چلایا۔ ”صغیر کیا تمہاری رات خیریت سے گزری؟ کیا تم بھی ہمارے جیسے اچھے بچوں کی طرح ساری رات سوئے رہے؟“

صغیر فوراً غصے میں آ گیا اور انہیں دھمکیاں دینے لگا۔ مٹھو نے فوراً اس کی نقل اتارنی شروع کر دی۔ صغیر نیچے جھکا تا کہ کوئی پتھر اٹھا کر مٹھو کو مارے۔

مٹھو بولا۔ ”شرارتی لڑکا! فوراً اپنے بستر میں لیٹو۔ شرارتی لڑکا۔“

وہ صغیر کی پہنچ سے باہر خاصی اونچائی پر اڑ رہا تھا۔

پرویز صاحب

بچے جب چٹانوں پر چڑھ رہے تھے تو معاذ نے پوچھا۔ ”عزیق! تم نے اس اجنبی کشتی کو کہاں سے دیکھا تھا؟“

عزیق نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہاں اوپر سے۔ ان چٹانوں کے پیچھے۔ وہ بہت بڑی کشتی تھی۔ شاید انجن والی۔ پتا نہیں جب اس کا مالک اسے استعمال نہیں کرتا تو کہاں کھڑا کرتا ہو گا؟ لیکن وہ جو بھی ہے کہیں قریب ہی رہتا

ہے۔ لیکن مجھے تو دور دور تک کسی کی رہائش نظر نہیں آتی۔"

معاذ نے کہا۔ "واقعی دور دور تک باقاعدہ گھر تو نہیں بنے ہوئے۔ یہاں لوگ بہت عرصہ پہلے رہتے رہے ہیں لیکن پھر یہاں جنگیں شروع ہو گئیں اور گھروں کو آگ لگنا شروع ہو گئی اور یہ علاقہ تباہ ہو گیا۔ تنہا رہنے اور چھٹیاں گزارنے کے لیے یہ ایک بہت مناسب جگہ ہے۔"

وہ چٹانوں کے اوپر چلتے رہے۔ مٹھو ان کے سروں کے اوپر اُڑ رہا تھا اور تھوڑی تھوڑے وقفے کے بعد سمندری پرندوں کی طرح آوازیں نکال کر سمندری بگلوں کو حیران کر دیتا۔ معاذ کو ایک جھاڑی میں ایک غیر معمولی جھینگر نظر آیا جو اس نے تزئین کے بھرپور احتجاج کے باوجود اٹھا لیا۔ اسی طرح اس نے جیب میں ایک چھپکلی بھی ڈال لی۔ یہ سب دیکھنے کے بعد تزئین اب اس سے کافی فاصلے پر چل رہی تھی۔ نایاب بھی پریشان تھی۔

نایاب کو زندہ حشرات الارض سے اتنا خوف نہیں آتا تھا لیکن وہ یہ بھی پسند نہیں کرتی تھی کہ معاذ جیب میں جھینگر اور چھپکلی ڈال کر پھرے یا وہ نایاب کو

درخواست کرے کو وہ یہ چیزیں پکڑ کر گھر تک لے جائے۔ کیونکہ معاذ کا کچھ پتا نہیں تھا کہ اس کی جیب میں کوئی اور ایسا جاندار بھی ہو جو جھینگر اور چھپکلی کو جیب میں ڈالنے پر چٹ کر جائے۔

وہ سب خوش خوش چلے جا رہے تھے۔ تند و تیز سمندری ہوا انہیں مزا دے رہی تھی۔ سمندر کی وجہ سے آب و ہوا نمکین تھی اور بڑی بڑی لہروں نے نیچے ساحل پر خوب شور مچا رکھا تھا۔ ان کے پیروں کے نیچے نرم نرم گھاس تھی اور آسمان پر بے شمار پرندے اڑ رہے تھے۔ یہ بہت مزے کی چھٹیاں تھیں۔ پھر وہ چٹانوں کے اس حصہ پر پہنچے جہاں یہ چٹانیں نیچے کو جھکی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے انہیں بالکل کناروں پر چلنا پڑا۔

عنزیق کہنے لگا۔ ”مجھے تو سمندر میں دور تک کوئی کشتی نظر نہیں آ رہی۔“

معاذ نے پوچھا۔ ”یاد کرو عنزیق! کیا وہ تمہارا وہم تو نہیں تھا۔ یہ بہت عجیب بات ہے۔ آج کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا کیونکہ اتنی بڑی کشتی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔“

نایاب بولی۔ ”وہ دیکھو نیچے ایک دراڑ نظر آ رہی ہے جہاں سے روشنی چھِن چھِن کر ساحل سمندر پر آ رہی ہے۔ آؤ وہاں جا کر پکنک مناتے ہیں۔ وہاں ہم سمندر میں نہا بھی سکیں گے۔ یہاں ہوا بہت تند و تیز ہے۔ مجھے تو سانس چڑھ رہی ہے اور چلا بھی نہیں جاتا۔“

وہ سب عمودی چٹانوں سے نیچے اترنے لگے۔ لڑکے آگے تھے اور لڑکیاں پیچھے۔ چٹانیں چکنی تھیں اور کبھی کبھی ان کے پیر پھسلتے لیکن وہ پہاڑوں پر چڑھنے کے عادی تھے لہٰذا آسانی سے چٹانوں سے نیچے اتر آئے۔ یہاں پہنچ کر وہ تند ہوا کے زور سے محفوظ ہو گئے۔ یہاں خاموشی بھی تھی اور اتنی ٹھنڈ بھی نہیں تھی۔ بچوں نے سویٹر اتار لیے اور پانی میں کھیلنے کے لیے سمندر میں گھس گئے۔ معاذ بہت اچھا تیراک تھا۔ تیرتا ہوا ان سیاہ چٹانوں تک اکیلا چلا گیا جو ساحل سے کچھ دور سمندر میں کھڑی تھیں۔ وہ چٹانیں بہت اونچی تھیں اور ان کے پیچھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ معاذ تیرتا ہوا وہاں تک پہنچا اور پھر ان چٹانوں کے اوپر چڑھ گیا۔ وہاں کھڑا ہو کر اس نے دوسری سمت دیکھا تو اسے اچانک کشتی نظر آ گئی۔

وہاں ایک محفوظ گگر تھی جہاں تک لہریں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ اس کشتی کو اس گگر کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ یہ وہی کشتی تھی جسے عنزیق نے ایک دن پہلے دیکھا تھا۔ کوئی دوسرا بچہ اس کشتی کو نہیں دیکھ سکتا تھا جب تک کہ وہ معاذ کی طرح ان چٹانوں پر نہ چڑھتا۔ ساحل سمندر سے ان سیاہ چٹانوں کے پیچھے کچھ بھی دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔

معاذ کے منہ سے حیرت سے ایک سیٹی کی آواز نکلی۔ وہ کشتی کے پاس چلا گیا۔ یہ بہت خوبصورت بادبانی کشتی تھی اور صغیر کی کشتی جتنی ہی بڑی تھی۔ اس کشتی کا نام بحری عقاب تھا۔ اس کے ساتھ دو پتوار بھی تھے۔ معاذ نے حیران ہو کر کہا۔ ”کیا حیران کُن جگہ ہے جہاں کشتی باندھی جا سکتی ہے۔ بالکل چٹانوں کے پیچھے جہاں اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ یہ جس کی بھی کشتی ہے اسے جب بھی کشتی کی ضرورت پڑتی ہو گی اسے لے جانے کے لئے تیر کر آنا پڑتا ہو گا۔ لیکن اس کا مالک کون ہے۔ ابھی تو اس کا کوئی نام ونشان دکھائی نہیں دے رہا۔“

اتنی دیر میں سبھی بچّے وہاں پہنچ گئے اور کشتی کو دیکھ کے حیران ہوئے۔ معاذ کہنے

لگا۔ ”ہم کھانا کھالیں پھر اسے بغور دیکھیں گے۔ آؤ واپس ساحل پر چلیں۔ ہمیں اپنے پکنک اور مہم جوئی کے پروگرام علیحدہ علیحدہ رکھنے چاہییے۔ بعد میں اس کشتی کے مالک سے بھی ملیں گے۔“

وہ تیرتے ہوئے واپس ساحل سمندر پر پہنچے۔ سوکھے ہوئے کپڑے پہنے اور وہ سینڈوچ، چاکلیٹ اور پھل کھانے بیٹھ گئے جو چچی نے ان کو دیے تھے۔ تیراکی سے تھکن کے باعث سورج کی تمازت بہت مزا دے رہی تھی۔ انہیں شدّت سے بھوک اور پیاس لگ رہی تھی اس لیے کھانے کا لطف دوبالا ہو گیا۔

نایاب نے سینڈوچ کا بڑا سا ٹکڑا منہ میں ڈالا اور کہنے لگی۔ ”بھوک زیادہ لگی ہو تو کھانے کا بہت لطف آتا ہے۔“

عنزیق کہنے لگا۔ ”مجھے تو ہر وقت بھوک لگتی ہے۔ اچھا مٹھو تم اب چپکے بیٹھے رہو۔ تم نے میرے سیب کا اچھا حصّہ تو پہلے ہی کھا لیا ہے۔ میں تمہارے لیے سورج مکھی کے بیج جیب میں ڈال کر لایا ہوں۔ اگر تم مجھے موقع دو تو میں نکال کو تمہیں سے دوں۔“

مٹھو بولا۔ ''بہت بُری بات ہے۔ بہت بُری بات ہے۔''

وہ اب چچی کی نقل اتار رہا تھا۔ تزئین کہنے لگی۔ ''اسے چپ کراؤ۔''

وہ بخوبی جانتی تھی کہ جب مٹھو کوئی نیا فقرہ سیکھتا تھا تو وہ اسے ہزاروں دفعہ دہراتا تھا۔ اُدھر مٹھو بار بار کہہ رہا تھا۔ 'بہت بُری بات ہے۔ بہت بُری بات ہے۔''

اس نے کہا'' مٹھو آؤ میں تمہیں سیب کھلاتی ہوں۔''

اس پیشکش نے مٹھو کو خاموش کروا دیا۔ وہ اُڑ کر تزئین کے پاس سیب کھانے پہنچا۔ سیب کھانے سے وہ چند لمحوں کے لیے مصروف ہو گیا۔ معاذ اور تزئین کی جنگ چھڑتے چھڑتے رہ گئی کیونکہ معاذ کی جیب سے جھینگر نکل کر تزئین کی طرف چل پڑا تھا۔ اس نے جھینگر کو دیکھ کر تزئین نے چیخ ماری اور ایک پتھر نما گھونگا اٹھا کر معاذ کو مارنے ہی والی تھی کہ عنزیق نے جھینگر اٹھالیا اور دوبارہ معاذ کی جیب میں ڈال دیا۔

اس نے کہا۔ ”تزئین تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اپنے بال ٹھیک کر لو۔ اب دوبارہ لڑائی شروع نہیں ہونی چاہیئے۔ ورنہ سارا دن صلح صفائی میں ہی گزر جائے گا۔“

انہوں نے کھانا بڑی رغبت سے کھایا۔ معاذ بولا۔ ”بگلوں کے لیے کچھ نہیں بچ سکا۔ وہ دیکھو ننھا بگلا۔ اسے ہم سے ڈر بھی نہیں رہا۔“

عنزیق کہنے لگا۔ ”کاش میرے پاس کیمرہ ہوتا تو میں اس بگلے کی بڑی شاندار تصویریں لیتا۔ ابھی میں کسی پرندے کی کوئی تصویر نہیں بنا سکا۔ میں کل ہی کیمرے کا بندوبست کرتا ہوں۔“

پھر تزئین پھُرتی سے کھڑی ہو کر بولی۔ ”اب اٹھو۔ اگر ہم نے کشتی کے مالک کو تلاش کرنا ہے تو ہمیں جلدی چلنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے میں سب سے پہلے اسے تلاش کر لوں گی۔“

وہ الگ الگ ہو گئے۔ عنزیق اور معاذ ایک سمت کو چل دیے اور لڑکیاں دوسری سمت کو۔

وہ سمندری چٹانوں کے نزدیک رہ کر سمندری ریت پر مٹر گشت کرتے رہے۔ لڑکیاں دور نہ جا سکیں کیونکہ ان کے راستے میں بار بار کوئی نہ کوئی چٹان آ جاتی جس سے انہیں واپس مڑنا پڑتا۔ لڑکے اس عمودی چٹان کو بھی عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے جو ان کی راہ میں آتی تھی۔ جس دراڑ میں بیٹھ کر وہ آرام سے کھانا کھاتے رہے تھے اس کے عقب میں بھی دراڑ تھی۔ اس کے ساتھ ساحل نہیں تھا اور چوٹی تک صرف چٹان ہی تھی۔ لڑکے اس پر چڑھ گئے اور دراڑ میں بنے ایک تالاب میں سمندری مخلوق کو دیکھنے لگے۔ معاذ نے ایک سمندری گھونگا اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

عنزیق کہنے لگا۔ "وہ دیکھو چٹانوں کے درمیان تھوڑا سا خلا ہے۔ آؤ وہاں دیکھتے ہیں۔"

وہ اس خلا کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ان کی توقع سے کہیں چوڑا تھا۔ چٹانوں کے بیچ سے ایک ندی سمندر کی طرف بہہ رہی تھی۔

عنزیق کہنے لگا۔ "یہ کسی چشمے کا پانی لگتا ہے۔"

اس نے پانی چکھ کر دیکھا تو وہ سمندر کے پانی کی طرح نمکین نہیں تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"بودی والے بچے، وہ دیکھو۔" معاذ نے ادھر دیکھا جس طرف عنزیق اشارہ کر رہا تھا۔ وہاں چشمے سے بنے تالاب میں سگریٹ کا ٹکڑا تیر رہا تھا جو ٹکڑوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔

عنزیق بولا "کوئی چند لمحے پہلے ہی یہاں موجود تھا ورنہ کوئی لہر کب کی اس ٹکڑے کو بہا کر لے گئی ہوتی"۔

لڑکے اب زیادہ پر امید ہو کر تلاش کرنے لگے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ سگریٹ کا ٹکڑا اس شخص کے یہاں ہونے کا ثبوت تھا۔ وہ چٹان کی بڑی دراڑ کے پاس آئے جہاں کچھ ہی اونچائی پر چٹان کی ڈھلوان کے قریب ایک خستہ حال جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔ اس جھونپڑی کی پشت پر صرف چٹان کی دیوار تھی۔ جھونپڑی کی چھت تھوڑی سی مرمت کی گئی تھی تاکہ قابلِ استعمال رہے۔ اس کی دیواریں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھیں اور سردیوں میں یہاں رہنا ناممکن تھا۔

ابھی تو یقینی طور پر وہاں کوئی رہ رہا تھا کیونکہ باہر ایک سڑی ہوئی جھاڑی پر کسی نے اپنی قمیض سوکھنے کے لئے ٹانگی ہوئی تھی۔

عنزیق سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھو وہ کشتی والا آدمی اِدھر رہتا ہے۔ اس نے چھپ کر رہنے کے لئے کتنی اچھی جگہ کا انتخاب کیا ہے۔"

دونوں لڑکے خاموشی سے اوپر جھونپڑی کے پاس گئے۔ وہ بہت ہی پرانی اور خستہ تھی اور گئے وقت میں کسی مچھیرے کی ملکیت رہی ہوگی۔ جھونپڑی کے اندر کسی کے سیٹی بجانے کی آواز آرہی تھی۔ معاذ پوچھنے لگا۔ "کیا ہمیں دروازہ کھٹکھٹانا چاہیئے ؟"

لیکن ابھی وہ یہ پوچھ ہی رہا تھا کہ جھونپڑی سے کوئی شخص باہر نکل آیا۔ اس کی نظر لڑکوں پر پڑی تو وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا۔ لڑکے بھی کچھ بولے بغیر اسے ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے تھے۔ اجنبی کے چہرے کے تاثرات پسندیدگی والے تھے۔ اس نے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اُس کا چہرہ سرخی مائل اور خوش باش تھا۔ چمکتی آنکھیں تھیں اور سر کے سامنے والا حصّہ گنجا تھا۔ کنپٹیوں پر

خاصے بال تھے۔ وہ مضبوط جسم اور لمبے قد کا تھا اور اس کے منہ پر مونچھوں داڑھی نہ تھی۔ ٹھوڑی دو حصوں میں تقسیم ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ”خوش آمدید! میرا نام پرویز ہے۔ اگر آپ مجھے ملنے آئے ہیں تو میرے لیے بڑی خوشی کی بات ہے۔“

عنزیق نے کہا۔ ”جناب میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو کشتی میں دیکھا تھا لہٰذا ہم ادھر چلے آئے۔ ہمارا گھر یہاں سے ایک میل دور ہے۔ میرا خیال ہے آپ نہیں جانتے۔“

اس شخص نے امید کے خلاف کہا۔ ”میں جانتا ہوں۔ لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہاں صرف میری عمر کے لوگ رہتے ہیں۔ ایک مرد، ایک خاتون اور ایک عجیب و غریب ملازم۔“

معاذ نے اسے بتایا۔ ”عام طور پر وہاں بڑے ہی رہتے ہیں لیکن چھٹیوں میں میری بہن رہنے کے لیے یہاں آجاتے ہیں۔ یہاں میرے چچا آصف اور چچی رہتے ہیں اور یہ میرے دونوں دوست ہیں عنزیق اور نایاب جو چھٹیاں ہمارے ساتھ

گزارنے آئے ہیں۔ مجھے معاذ کہتے ہیں اور یہ میری بہن تزئین ہے۔"

وہ اُس شخص سے کہنے لگا۔ "یہاں آ کر کچھ حاصل تو نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کیوں آئے ہیں؟"

پرویز صاحب ایک لمحے کے لئے ہچکچائے پھر بولے۔ "میں اصل میں پرندوں کا شوقین ہوں اور یہاں لاتعداد ایسے پرندے ہیں جن کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔"

عنزیق خوشی سے چلایا۔ "واقعی جناب! آپ بھی پرندوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ میں تو اس سلسلے میں پاگل ہوں۔ میں نے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ ادھر آتے دیکھے ہیں جنہیں میں صرف کتابوں میں دیکھ سکا تھا۔"

پھر عنزیق نے جیب سے پرندوں کی ایک فہرست نکال کر دکھائی۔ معاذ اب اس گفتگو سے جمائیاں لے رہا تھا۔ لیکن پرویز صاحب سن رہے تھے۔ وہ کچھ بولے نہیں۔ وہ عنزیق کی پُرجوش گفتگو سے متاثر ضرور تھے۔

عنزیق نے پوچھا۔ ”پرویز صاحب! کیا آپ یہاں کسی خاص پرندے کی تلاش میں آئے ہیں۔“

پرویز صاحب سوچنے لگے۔ پھر ایک شمالی سمندری پرندے کا نام لیا۔ عنزیق کی زبان اس پرندے کا نام سن کر گنگ ہو گئی کیونکہ انہوں نے آک کا نام لیا تھا جس کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ اب ناپید ہو چکا ہے۔ اس نے اس بارے میں پرویز صاحب سے پوچھا تو وہ کہنے لگے۔

”آپ کچھ کہہ نہیں سکتے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایک دو آک ابھی بھی دنیا میں موجود ہوں اور دنیا کے لئے یہ ایک معجزے والی بات ہو گی۔“

عنزیق کا جوش سے رنگ تمتما اٹھا۔ اس نے مغرب کی طرف سمندر کو دور تک دیکھا جہاں دکھ والا جزیرہ دھند میں چھپا ہوا تھا۔ وہ مغرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ اگر آک کا وجود دنیا میں ہے تو وہ ایسے کسی دور افتادہ جزیرے پر ہو سکتا ہے جیسے 'دکھ کا جزیرہ'۔ آپ نے امید ہے اس جزیرے کے بارے میں سنا ہو گا۔“

وہ بولے۔ ”کیوں نہیں۔ میں نے سنا ہے۔ میں اس جزیرے پر جانا چاہتا ہوں لیکن لگتا ہے کہ یہ ناممکن ہے۔“

معاذ نے پوچھا۔ ”جناب کبھی ہم آپ کے ساتھ کشتی کی سیر کو چل سکتے ہیں۔ صغیر وہی عجیب و غریب ملازم ہے اور اس کے پاس بڑی اچھی کشتی ہے لیکن وہ ہمیں استعمال نہیں کرنے دیتا۔ ہمارا دل کرتا ہے کہ ہم مچھلیاں پکڑنے جائیں۔ کیا ہم آپ کو کبھی درخواست کریں۔ کیا آپ خود کو کبھی تنہا محسوس نہیں کرتے۔“

پرویز صاحب بولے۔ ”کبھی کبھار۔ ٹھیک ہے کسی دن اکٹھے چلیں گے اور مچھلیاں پکڑیں گے۔ تم بھی چلنا اور تمہاری بہنیں بھی۔ تفریح رہے گی۔ ہم دکھ والے جزیرے کے نزدیک جانے کی کوشش کریں گے۔“

لڑکے خوش ہو گئے کہ شکر ہے وہ کشتی کی سیر کر سکیں گے۔ وہ بہنوں کو بتانے گئے۔ عنزیق انہیں دیکھ کر دور سے چلایا۔ ”تزئین۔ نایاب آؤ ہم تمہیں اپنے نئے دوست سے ملوائیں۔ یہ ہیں پرویز صاحب!“

دعوت

پرویز صاحب بہت اچھے دوست ثابت ہوئے۔ وہ بہت خوش مزاج شخص تھے اور انہیں شائستہ مذاق بہت پسند تھا۔ وہ مٹھو کی حرکات سے زیادہ ناراض بھی نہیں ہوتے تھے۔ اور تو اور وہ معاذ کے ہر وقت بدلتے ہوئے پالتو جانوروں سے بھی زیادہ پریشان نہیں ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ جب معاذ کی جیب سے ایک بہت بڑی مکڑی نکلی اور پرویز صاحب کی دائیں ٹانگ پر پتلون میں سفر کر رہی تھی وہ تب بھی ناراض نہیں ہوئے۔ انہوں نے ہاتھ ڈال کر رینگتی ہوئی مکڑی کو پکڑا اور

اسے معاذ کے ٹخنے پر چھوڑ دیا۔ تزئین تو ظاہر ہے اس وقت تک مرگی کے دور جیسے کیفیت سے گزر رہی تھی لیکن خدا کا شکر ہے مکڑی کا دل بھی قید میں رہ رہ کر بھر چکا تھا وہ ایک چٹان کی ننھی سی دراڑ میں گھسی کر غائب ہوگئی۔ اب ہر روز بچے پرویز صاحب سے ملنے چلے جاتے تھے وہ کشتی پر سیر کے دوران مچھلیاں پکڑتے اور کئی دفعہ تو پکڑی ہوئی کوئی بڑی سی مچھلی گھر لاتے تو صغیر کا منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا۔ پرویز صاحب نے انہیں بادبانی کشتی سنبھالنے کا طریقہ سمجھایا اور کچھ ہی دنوں میں وہ اس قابل ہوگئے کہ خود ہی کشتی سنبھال سکیں۔ تیز ہوا میں بادبانی کشتی کی سیر بہت پُر لطف تجربہ تھا۔ معاذ خوش ہو کر بولا۔ ”یہ تو کسی لانچ کی تیزی سے سفر کرتی ہے۔ پرویز صاحب ہم خوش قسمت ہیں جو ہمیں آپ سا دوست مل گیا۔“

لیکن عنزیق مایوس تھا کیونکہ پرویز صاحب اب ہر وقت شوق سے پرندوں کے متعلق گفتگو نہیں کرتے تھے اور نہ ہی انہیں کوئی دلچسپی تھی۔ نہ انہوں نے عنزیق کو ساتھ لے کر سمندر کے کنارے چٹانوں پر چڑھ کر پرندوں کو دیکھیں

لیکن وہ پرندوں کے متعلق کئی نئی خوبصورت کتابیں لے کر آئے تھے جو انہوں نے عنزیق کو تحفے میں دی تھیں۔ عنزیق نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو بالکل نئی ہیں۔ دیکھئے اس میں کئی صفحے آپس میں جڑے ہوئے ہیں جو ابھی تک کسی نے علیحدہ نہیں کیے۔ ظاہر ہے آپ نے یہ کتابیں خود بھی نہیں پڑھیں لہٰذا پہلے آپ ان کتابوں کو پڑھئے۔" پرویز صاحب بولے۔ "کوئی بات نہیں۔ میں یہ تمہارے لیے ہی لے کر آیا ہوں۔ ان میں سے ایک کتاب میں عظیم پرندے آک کا بھی ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے ہم کبھی بھی اس پرندے کو نہ دیکھ سکیں۔ پچھلے سو سالوں سے کسی نے اس پرندے کو نہیں دیکھا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے سگریٹ سلگا لیا تو عنزیق پر امید انداز سے بولا۔ "لیکن ہو سکتا ہے یہ کسی دور افتادہ جزیرے جیسے دکھ والے جزیرے پر پائے جاتے ہوں۔ میری خواہش ہے کہ کاش ہم وہاں جا سکیں۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہاں ہم ہزاروں ایسے پرندے دیکھیں گے جنہیں ہم جانتے ہی نہیں۔"

یہ پرندوں کے متعلق ختم نہ ہونے والی گفتگو سے ہمیشہ تزئین اُکتا جاتی تھی۔ وہ

موضوع تبدیل کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے بولی۔ ”کل جب ہم مچھلی لے کر گھر گئے تھے تو صغیر کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ وہ بولا مچھلیاں کبھی چٹانوں سے نہیں پکڑی جاتیں اور اسے یقین تھا کہ ہم نے یہ مچھلی کھلے سمندر سے پکڑی ہے۔“

پرویز صاحب نے فوراً پوچھا۔ ”کیا تم نے اسے بتا تو نہیں دیا۔“

تزئین نے انکار میں سر کو ہلایا اور کہنے لگی۔ ”کبھی نہیں۔ اسے معلوم ہو گیا کہ ہم آپ کی کشتی میں سیر کرتے ہیں تو وہ ہماری یہ خوشی بھی ہم سے چھین لے گا۔“

پرویز صاحب پوچھنے لگے۔ ”کیا تمہارے چچا اور چچی کو میرے بارے میں علم ہے؟“ تزئین نے پھر انکار میں سر کو ہلایا اور پوچھا۔ ”ان کو بتانے سے کیا فرق پڑتا ہے لیکن آپ چاہتے ہیں کہ انہیں معلوم ہو؟“ پرویز صاحب ماتھے کے اوپر گنجے سر کو کھجاتے ہوئے بولے۔ ”میں دراصل یہاں اکیلے رہنے آیا تھا تا کہ پرندوں کے متعلق جان سکوں اور میں نہیں چاہتا کہ میرا میل ملاپ بڑھے اور لوگ میری چھٹیاں خراب کر دیں۔ لیکن آپ کی بات اور ہے بچو۔ مجھے آپ اچھے لگتے ہو۔“

پرویز صاحب اس خستہ حال جھونپڑی میں اکیلے رہتے تھے حالانکہ ان کے پاس ایک نئی آرام دہ کار تھی جسے وہ ایک چٹان کی لگر کے نیچے کھڑا رکھتے تھے۔ کار کے اوپر کپڑا اڑالا ہوتا تھا۔ وہ جب چاہتے اپنی کار میں بیٹھ کر نزدیکی قصبے میں خرید و فروخت کے لیے جایا کرتے تھے۔ انہوں نے سونے کے لیے گدا اور دوسری چیزیں لاکر جھونپڑی میں رکھی تھی تاکہ اپنے قیام کو پرسکون بنا سکیں۔ بچے بھی خوشی سے پاگل ہو رہے تھے۔ ان کے استعمال میں اب کشتی بھی تھی اور ایک کار بھی۔ انہوں نے پرویز صاحب کو درخواست کی کہ وہ اگلی دفعہ انہیں بھی نزدیکی قصبے میں لے جائیں۔

عنزیق کنے لگا۔ ”میں نے ایک ٹارچ خریدنی ہے۔ پرویز صاحب آپ کو یاد ہے ہم نے آپ کو خفیہ راستے کے بارے میں بتایا تھا۔ اس راستے پر ایک ہاتھ میں موم بتی لے کر چلنا بہت مشکل ہے۔ وہاں جانے کے لیے ٹارچ کی ضرورت ہے۔ اگر آپ مجھے اپنی کار میں ساتھ لے جائیں گے تو میں وہاں سے ایک ٹارچ خرید لوں گا۔“

معاذ نے کہا۔ ”میں بھی ایک ٹارچ خریدوں گا اور عنزیق تم کیمرے میں فلم ڈلوانے کی بات کر رہے تھے کیونکہ تمہاری فلمیں رائے صاحب کے گھر رہ گئی تھیں۔ تم اگر کیمرے میں فلم نہیں ڈلواؤ گے تو پرندوں کی تصویریں کیسے لے سکو گے۔ تم قصبے سے فلمیں بھی خرید سکتے ہو۔“

لڑکیوں نے بھی کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔ پرویز صاحب خوشی خوشی انہیں اگلے دن ساتھ لے جانے کو تیار ہو گئے۔ صبح وہ سبھی کار میں سوار ہو گئے۔ وہ بہت خوش تھے۔ تزئین نے بتایا۔ ”صغیر بھی آج قصبے میں جارہا ہے۔ یہ بہت مزے کی بات ہو گی اگر اس کی نظر ہم پر پڑی کیونکہ وہ ہمیں دیکھ کر حیران رہ جائے گا۔“

پرویز صاحب کی کار بہت خوبصورت تھی۔ لڑکوں نے اس کا جائزہ بڑی خوشی سے لیا تھا کیونکہ وہ اکثر کاروں کے متعلق جانتے تھے۔ عنزیق کہنے لگا۔ ”یہ کار بالکل نئی نکور ہے اور یہ بڑی تیز رفتار بھی ہے۔ پرویز صاحب کیا آپ بہت امیر آدمی ہیں؟ یہ کار بیش قیمت ہے۔ آپ ضرور امیر ہیں۔“

پرویز صاحب ہنسنے لگے۔ ”نہیں اتنا نہیں۔ لیکن آؤ اب چلیں۔“

اور پھر جیسے ہی انہوں نے ساحلِ سمندر کو پیچھے چھوڑا گاڑی بڑی سبک خرامی سے رواں دواں ہو گئی۔ وہ بہت مزے کا سفر کر رہے تھے اور انہیں دھچکے نہیں لگ رہے تھے۔ تزئین بولی۔ ”یہ کار چچی جان کی کار سے کتنی مختلف ہے۔ یہ ہمیں بہت جلد قصبے میں پہنچا دے گی۔“

واقعی بہت جلد وہ قصبے میں تھے۔ پرویز صاحب نے کار پارکنگ میں کار کھڑی کی اور پھر کسی کام کے لیے تنہا روانہ ہو گئے۔ انہوں نے بچوں سے کہا کہ وہ دوپہر کے کھانے کے وقت گرینڈ ہوٹل آجائیں۔ وہاں ملاقات ہو گی۔؛

عنزیق کہنے لگا۔ ”پتا نہیں پرویز صاحب کدھر گئے ہیں۔ کتنا اچھا ہوتا وہ ہمیں اپنے ساتھ ہی رکھتے۔ میں ان کے ساتھ حنوط کئے جانوروں کی دکان پر جانا چاہتا تھا اور وہاں حنوط کئے ہوئے پرندے دیکھنا چاہتا تھا۔“

تزئین بولی۔ ”تو اب تم خود ہی دیکھ سکتے ہو کیونکہ وہ ہمیں ساتھ لے کر نہیں جانا چاہتے تھے۔“

وہ بھی مایوس تھی۔ وہ پرویز صاحب سے بہت متاثر تھی اس نے کچھ پیسے بھی جمع کئے تھے تاکہ تشکّر کے اظہار کے لیے ان کے لیے ایک آئس کریم خریدے۔ وہ کہنے لگی۔ "میرا خیال ہے وہ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں کہیں گئے ہیں۔"

نایاب نے پوچھا۔ "ان کا کاروبار کیا ہے؟ وہ پرندوں پر تحقیق کے علاوہ بھی کچھ تو کرتے ہی ہوں گے۔"

عنزیق بولا۔ "انہوں نے اپنے کاروبار کے بارے میں ہمیں کبھی کچھ نہیں بتایا لیکن وہ بتائیں بھی کیوں؟ وہ ہماری طرح بچے تھوڑی ہیں۔ بڑے ہو کر سب بدل جاتے ہیں۔ چھوڑو ان باتوں کو اور وہ دکان ڈھونڈیں جہاں ٹارچیں بکتی ہیں۔"

پھر انہوں نے جو دکان ڈھونڈی وہاں انہیں بہت اچھی جیبی ٹارچیں مل گئیں جن کی روشنی بہت زیادہ تھی۔ بچے ذہن میں سوچ کر خوش ہو رہے تھے کہ ان ٹارچوں کی روشنی سے خفیہ راستہ بھی جگمگا اٹھے گا۔ ان سب نے ایک ایک ٹارچ خرید لی۔ تزئین بولی۔ "اب ہمیں اپنے کمروں میں بھی موم بتیاں جلانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہم اپنی ٹارچیں استعمال کر سکتے ہیں۔"

پھر وہ عنزیق کے کیمرہ کے لیے فلمیں خریدنے گئے۔ انہوں نے بسکٹ اور ٹافیاں بھی خریدیں اور سب نے پیسے ڈال کر چچی جان کے لیے خوشبو کی ایک بوتل بھی خریدی۔ عنزیق کہنے لگا۔ ”اب بہتر ہے کہ ہم مٹھو کے لیے سورج مکھی کے بیج خریدلیں۔“

یہ بات سن کر مٹھو نے خوشی سے چیخ ماری۔ وہ عنزیق کے شانے پر براجمان تھااور خلافِ معمول آج شرافت کا پتلا بنا ہوا تھا۔ ہر راہگیر حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھا اور توتے کو یہ سب بہت بھلا لگ رہا تھا۔ ایک شرارتی لڑکے کو دیکھ کر وہ بولا۔ ”شرارتی لڑکے سیٹی مت بجاؤ۔“

اسے سورج مکھی کے بیج بہت پسند تھے اور وہ بیجوں کی دکان مین سب سے چھپ کر کچھ بیج چبا بھی چکا تھا۔ مزید کچھ دیر بچوں نے ایسے ہی دکانوں میں وقت گزارا تا کہ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو جائے اور وہ گرینڈ ہوٹل میں پرویز صاحب کو جا ملیں۔ تبھی اچانک انہیں صغیر نظر آ گیا۔ وہ اپنی پرانی کار کو چلاتا ہوا آ رہا تھا۔ ایک عورت سڑک عبور کر رہی تھی اور وہ اسے ہارن بجا کر متنبہ کر رہا تھا۔ اس

سے پہلے کہ اس کی نظر ان پر پڑتی، بچّوں نے ایک دوسرے کو تھام لیا۔ لیکن پھر بھی اس کی نظر ان پر پڑ ہی گئی۔ اس نے سب سے پہلے معاذ کو دیکھا۔ پھر اسے عنزیق نظر آیا جس کے شانے پر مٹھو بیٹھا ہوا تھا اور پیچھے آتی ہوئی دونوں لڑکیاں۔ وہ بچوں کو حیرت سے دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ کار سڑک پر اِدھر اُدھر ہچکولے کھانے لگی اور ایک پولیس آفیسر اس کے نیچے آتے آتے بچا۔ وہ پولیس آفیسر غصّے میں چلایا۔ ''ارے پاگل! تم نشے میں تو نہیں ہو۔''

صغیر نے پولیس آفیسر سے معافی مانگی اور پھر بچوں کی طرف دیکھنے لگا۔ عنزیق نے دوسرے ساتھیوں کو کہا۔ ''بھاگو مت۔ وہ کار میں بیٹھ کر ہمارا پیچھا نہیں کر سکتا۔ صرف چلتے رہو اور اسے نظر انداز کر دو۔'' لہٰذا وہ باتیں کرتے سڑک کے کنارے چلتے رہے اور ایسا ظاہر کرتے رہے جیسے انہوں نے صغیر کو دیکھا ہی نہ ہو۔ صغیر ان کو آوازیں دے کر بُلا رہا تھا لیکن انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا۔

صغیر کو اپنی بینائی پر شُبہ ہو رہا تھا، بچے قصبے تک کیسے پہنچے، وہ بس پر آئے تھے۔ وہاں نہ تو کوئی ریل گاڑی تھی اور نہ ہی کوئی اور سواری۔ ان کے پاس تو سائیکل

بھی نہیں تھے۔ زیادہ فاصلہ وہ پیدل ہر گز طے نہیں کر سکتے تھے۔ تو پھر وہ یہاں تک کیسے پہنچ گئے؟ صغیر جلدی جلدی کار کو پارک کرنے گیا تا کہ پھر بچوں کو پوچھے کہ وہ یہاں کیسے پہنچے؟

اس نے کار پارک کی اور چھلانگ لگا کر گاڑی سے اترا اور بچوں کے پیچھے دوڑ پڑا۔ لیکن اس وقت تک بچے گرینڈ ہوٹل پہنچ چکے تھے جہاں انہیں پرویز صاحب کو ملنا تھا۔ وہ جلدی سے ہوٹل کی سیڑھیاں چڑھ گئے۔ صغیر کو جرأت نہیں ہوئی کہ بچوں کے پیچھے گرینڈ ہوٹل میں جا گھسے۔ وہ ہوٹل کی سیڑھیوں کے نیچے کھڑا ہو گیا اور سخت غصّے میں ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ پہلے تو بچوں کو قصبے میں دیکھ کر وہ حیرت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسے زیادہ تعجّب اس بات کا تھا کہ وہ آرام سے قصبے کے سب سے مہنگے ہوٹل میں گھس گئے۔ صغیر غصّے میں ہوٹل کی سیڑھیوں میں ہی بیٹھ گیا۔ وہ اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ بچے ہوٹل سے باہر نکلیں تو وہ انہیں پکڑ کر کار میں سوار کرے اور سیدھا گھر لے جائے تا کہ وہ چچی جان کو بتا سکے کہ وہ انہیں کہاں سے پکڑ کر لایا ہے۔ وہ قطعی طور پر یہ پسند نہیں کریں گی کہ بچے اتنے

مہنگے ہوٹل میں پیسے اڑاتے رہیں حالانکہ وہ گھر سے سینڈوچ وغیرہ بنوا کر لے جا سکتے تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بچوں کی بے اختیار ہنسی چھوٹ رہی تھی۔

پرویز صاحب ہوٹل کے لاؤنج میں ان کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے بچوں کو منہ دھونے اور بال سنوارنے کی جگہ بتائی۔ وہ صاف سُتھرے ہو کر کچھ ہی منٹوں میں دوبارہ اکٹھے ہو گئے اور پھر کھانا کھانے ہوٹل کی مقررہ جگہ کی طرف چل دیے۔ کیا زبردست کھانا تھا۔ بچوں کے آگے جو بھی رکھا گیا بچے اسے چٹ کر گئے اور پھر کھانے کے بعد بڑی بڑی آئس کریمیں ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ تزئین کہنے لگی "پرویز صاحب، بہت مزے کا کھانا تھا۔ اتنا شاندار۔ بہت بہت شکریہ۔"

یہ کہہ کر وہ ہوٹل کی آرام دہ کرسی میں نیم دراز ہو گئی۔ نایاب بولی۔ "پرویز صاحب آپ کروڑپتی تو ضرور ہوں گے۔ میں نے اتنا کھا لیا ہے کہ میں اُٹھ کر چل بھی نہیں سکتی۔" کروڑپتی والی بات اس نے بیرے کو پرویز صاحب کی بخشیش دینے پر کی تھی۔

تبھی عنزیق کو صغیر کی یاد آئی۔ اسے پکا یقین تھا کہ صغیر باہر انتظار کر رہا ہو گا۔ پھر وہ اسے دیکھنے کے لیے اٹھا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ہوٹل کے بیرونی حصہ میں صغیر ہوٹل کی سیڑھیوں میں بیٹھا شدّت سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ عنزیق ہنستا ہوا باقی ساتھیوں کے پاس آیا۔ اس نے پرویز صاحب سے پوچھا "کیا نکلنے کے لیے ہوٹل کا کوئی عقبی دروازہ بھی ہے؟"

یہ سن کر پرویز صاحب حیران رہ گئے۔ انہوں نے کہا "ہاں ہے۔ لیکن آخر کیوں؟"

عنزیق بولا۔ "کیونکہ صغیر ہوٹل کے مرکزی دروازے پر ہمارا انتظار کر رہا ہے۔"

تو پرویز صاحب نے حالات سمجھتے ہوئے سر کو ہلایا۔ انہوں نے کہا "تو ٹھیک ہے، ہم خاموشی سے عقبی دروازہ استعمال کرتے ہیں۔ آؤ! اب یہاں سے نکلیں۔ کیا تم نے ساری چیزیں خرید لیں ہیں۔" بچوں نے یک زبان ہو کر کہا "جی ہاں" اور پھر پرویز صاحب کے پیچھے چلنے لگے۔ وہ انہیں ہوٹل کے عقبی دروازے سے باہر

لے گئے جو ایک خالی گلی میں کھلتا تھا۔ پھر وہ جہاں پرویز صاحب کی کار میں سوار ہو گئے۔ وہ اتنا اچھا دن گزارنے پر بہت خوش تھے۔ کار تیز رفتاری سے ساحلِ سمندر پر پہنچی۔ گھر کے نزدیک جا کر وہ کار سے اترے اور چٹان پر چڑھنے لگے تاکہ صغیر سے پہلے گھر پہنچ جائیں۔ وہ ان کے پہنچنے کے قریب ایک گھنٹہ بعد پہنچا اور بڑا غمگین لگ رہا تھا۔ اس نے کار کھڑی کی اور اندر آکر پہلی چیز اس نے دیکھی وہ چاروں بچے تھے۔ جو چٹانوں پر کھیل رہے تھے۔ وہ کھڑا ہو کر غصّے اور حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ کہیں نہ کہیں دال میں کچھ کالا تھا اور صغیر نے مصمّم ارادہ کیا تھا کہ وہ اس راز کو بے نقاب کر کے رہے گا۔ اس نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ وہ ان چار بچوں سے دھوکہ نہیں کھائے گا اور نہ ہی شکست!!!

صغیر سے دوبارہ دھوکا

صغیر بار بار اسے گتھی کو سلجھانے کی کوشش میں جتا رہا کہ آخر بچے قصبے میں کیسے پہنچے جبکہ وہ پیدل چلنے کے علاوہ کسی اور کے ذریعے سے نہیں جا سکتے تھے۔ اور جتنے وقت میں وہ واپس پہنچ گئے تھے اتنی دیر میں بچے تو نہیں البتہ بھُتنے یہ کام کر سکتے تھے۔ آخر وہ سوچ سوچ کر اس نتیجے پر پہنچا کر ضرور وہ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو اپنے طور پر انہیں قصبے تک لے کر گیا اور پھر واپس بھی لایا۔ یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ سختی سے ان بچوں کی نگرانی کرے گا۔ وہ جان بوجھ

کر ایسے کام ڈھونڈنے لگا جنہیں کرتے وقت وہ بچوں پر نظر بھی رکھ سکے۔ اگر وہ سمندر کے کنارے جاتے تو صغیر وہاں پہلے سے موجود ہوتا اور یہ ظاہر کرتا کہ وہ لکڑی کے ٹکڑے اکٹھے کر رہا ہے۔ اگر وہ گھر میں رہتے تو وہ بھی گھر سے باہر نہ نکلتا۔ اگر وہ چٹان پر چڑھتے تو صغیر ان کے پیچھے ہوتا۔ بچوں کے لیے وہ سر درد بن چکا تھا۔

نایاب کہنے لگی۔ "اگر ہم پرویز صاحب کو ملنے گئے تو یہ ہمارے پیچھے آئے گا اور اسے پرویز صاحب کے بارے میں علم ہو جائے گا۔ ہم کل سے اسی وجہ سے انہیں ملنے نہیں جا سکے اور اگر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا تو ہم آج اور کل بھی انہیں نہیں مل سکیں گے۔"

اب صغیر کو دھوکہ دینا تقریباً ناممکن تھا۔ وہ بہت کائیاں تھا اور ہر وقت بچّوں پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ بے چاروں پر مصیبت آئی ہوئی تھی۔ دونوں لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ مینار والے کمرے میں گئیں۔ رات ہو گئی تھی اور وہ یہی مسئلہ حل کرنے کے لیے بات چیت کرنا چاہتے تھے۔ عنزیق اچانک بولا۔ "مجھے ایک

ترکیب سوجھی ہے جس کی مدد سے ہم آسانی سے اسے دھوکہ دے سکتے ہیں اور اسے کاٹھ کا اُلّو بھی بنا سکتے ہیں۔" سب سے یک زبان ہو کر اس سے پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

عزیق نے کہا۔ "ہم سب غار میں جاتے ہیں اور پھر خفیہ راستے میں داخل ہو کر گھر کے نیچے تہہ خانوں میں پہنچ کر وہاں سے رفو چکر ہو جائیں گے۔ صغیر ساحل سمندری پر غار کے کنارے ہمارا انتظار کرتا ہی رہ جائے گا اور ہم چٹانوں سے ہوتے ہوئے دوسری سمت پرویز صاحب کو ملنے پہنچ جائیں گے۔"

معاذ کہنے لگا۔ "یہ تو بہت شاندار ترکیب ہے۔ لڑکیوں کو اس ترکیب کی کامیابی میں کچھ شبہ تھا۔ وجہ وہی پرانی تھی۔ وہ خفیہ راستے سے گزرنا نہیں چاہتی تھیں۔ سب نے اپنے لیے ٹارچیں خرید لی تھی ان کے استعمال کا یہ اچھا وقت تھا۔ لہٰذا اگلے دن جب صغیر چاروں بچوں کے پیچھے تھا وہ مٹھو کو ساتھ لیے ساحلِ سمندر پر چلے گئے۔ معاذ نے کہا۔ "صغیر خدا کے واسطے ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔ ہم غاروں میں جا رہے ہیں اور وہاں سے ہم تمہارے لیے سر درد نہیں بن سکتے۔ اب چلے بھی

جاؤ۔"

صغیر نے پرانی گھسی پٹی بات دھرائی "چچی نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ تم پر ہمہ وقت نظر رکھی جائے۔"

یہ بات وہ بچوں سے ہزاروں دفعہ پہلے بھی کہہ چکا تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ اصل وجہ کیا ہے۔ صغیر دوسروں کے کاموں میں ٹانگ اڑانے کو اپنی شان سمجھتا تھا۔ وہ جو کوئی کام بھی کرتے صغیر اس میں اپنی ٹانگ ضرور اڑاتا۔ وہ غار میں چلے گئے اور صغیر باہر آوارہ گردی کرتے ہوئے رہ گیا۔ وہ اپنے تھیلے میں لکڑی کے ٹکڑے جو لہروں میں سے بہہ کر آتے تھے ڈال رہا تھا۔ بچے سوراخ کے قریب پہنچے اور پھر اس کے ذریعہ خفیہ راستے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اپنی ٹارچیں روشن کر لیں تاکہ راستہ روشن ہو سکے۔ لڑکیاں مسلسل ناک منہ چڑھا رہی تھیں۔ انہیں وہاں کی بو سے گھِن آ رہی تھی اور جب انہیں احساس ہوا کہ راستے میں کچھ وقت سانس لینے میں بھی دشواری ہو گی تو وہ ٹھہر گئیں۔

معاذ نے انہیں بتایا۔ "اب واپس جانا ممکن نہیں۔ ہم آدھے راستے سے بھی آگے

آ گئے ہیں۔ تزئین اب آگے بڑھو۔ تمہاری وجہ سے سب جمے کھڑے ہیں۔"

تزئین کہنے لگی۔ "مجھے دھکا مت دو۔ جہاں میرا دل کرے گا میں ٹھہروں گی۔"
عنزیق اکتا کر سختی سے بولا۔ "تم دونوں بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ میرا خیال ہے تم دوبارہ لڑنے کی تیاری کرنے لگے ہو۔ تم تو ایسے ظاہر کر رہے ہو جیسے تمہارا بحری جہاز غرق ہونے والا ہے جس میں تم سوار ہو۔ تزئین میری بہن چلو ہم جلدی سے یہاں سے نکل جائیں گے۔"

ہو سکتا ہے تزئین معاذ کی طرح عنزیق سے بھی بحث شروع کر لیتی مگر تبھی مٹھو کو پتا نہیں کیا سوجھی کہ وہ بالکل صغیر کی طرح کھانسنے لگا۔ بچے پہلے تو ڈر گئے کہ شاید صغیر خفیہ راستے سے اُن تک آن پہنچا ہے لیکن اس سے فائدہ یہ ہوا کہ تزئین آگے بڑھنے لگی۔ عنزیق نے اطمینان کا سانس لیا۔ مٹھو دوبارہ کھانسا تو وہ بولا۔ "پریشانی کی کوئی بات نہیں یہ مٹھو ہمیں ڈرا رہا ہے۔" پھر وہ آگے بڑھنے لگے اور آخر کار راستے کے اختتام پر آن پہنچے اور اپنے سروں پر موجود دوسرے راستے کو گھورنے لگے جو ٹارچوں کی روشنی میں انہیں بخوبی نظر آ رہا۔ تھا انہوں

نے زور لگا کر اسے کھولا اور اس کے کواڑ اوپر کی طرف گر گئے۔ لڑکے تہہ خانے کے فرش پر چڑھے اور پھر لڑکیوں کو اوپر چڑھنے میں مدد کی۔ پھر وہ دروازہ بند کر کے دوسرے تہہ خانے کے دروازے پر پہنچے۔ وہ دروازہ بھی بند تھا۔ انہوں نے اسے دھکا دے کر کھول لیا۔ ڈبّے ایک زور دار آواز سے دوسری جانب گر گئے۔ لڑکے راستے کے ذریعے اندر چلے گئے اور ڈبّوں کو پھر ترتیب سے رکھ دیا۔ پھر تہہ خانے کی سیڑھیوں سے باورچی خانے میں چلے گئے۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہاں سے نکل کر وہ چٹانوں پر چلے گئے۔ وہ ایسے راستے پر جا رہے تھے جہاں انہیں ساحل سمندر سے دیکھ پانا ممکن نہ تھا۔ وہ جلدی جلدی اپنے مہربان پرویز صاحب کے پاس پہنچے۔ وہ زیرِ لب مسکرا رہے تھے کہ صغیر وہیں بیٹھا مکھیاں مار رہا ہو گا تاکہ وہ غار سے باہر نکلیں۔ پرویز صاحب کشتی کا جائزہ لے رہے تھے۔ جب انہوں نے صغیر کو دیکھا تو خوشی سے ہاتھ ہلایا اور آتے ہی پوچھنے لگے۔ ”ارے بھائی تم لوگ کل کیوں نہیں آئے۔ میں تمہارا انتظار کرتا رہا۔“

عنزیق انہیں بتانے لگا۔ ”یہ صرف صغیر کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ سائے کی طرح

ہمارے پیچھے لگا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے شک ہو گیا ہے کہ ہمارا کوئی دوست بھی ہے جس کے پاس کار ہے اور وہ اب اسی کی تلاش میں ہے۔"

یہ سن کر پرویز صاحب تیزی سے بولے۔ "تم ہر گز اسے نہ بتانا۔ اپنے راز کسی کو نہیں بتانے چاہئیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ ادھر کا رخ کرے۔ تمہاری باتوں سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔"

عنزیق نے پوچھا۔ "آپ اپنی کشتی میں کیا کر رہے ہیں۔ کیا کشتی میں کہیں جانے کا ارادہ ہے۔"

پرویز صاحب نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے آج بہت خوبصورت دن ہے۔ سمندر بھی پر سکون ہے اور بہت اچھی ہوا چل رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں کشتی پر کسی طرف جا نکلوں اور میں دکھ والے جزیرے کے نزدیک جاؤں۔"

یہ سن کر خاموشی چھا گئی لیکن اس خاموشی کے پیچھے بچوں کا جوش چھپا ہوا تھا۔ دکھ والے جزیرے کو تمام بچے نزدیک سے دیکھنے کی تمنا رکھتے تھے اور عنزیق ہر صورت میں اس جزیرے پر جانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن تھا اگر

اسے پرویز صاحب ساتھ لے جاتے۔ عنزیق نے مغرب کی جانب دیکھا۔ اسے جزیرہ نظر نہیں آیا کیونکہ ایک دفعہ پھر وہاں دھند کی ایک دبیز تہہ چھائی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جزیرہ کہاں ہے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ عظیم آک کو وہاں ڈھونڈ لے اور اگر وہ نہیں بھی ڈھونڈ پاتا تو بھی اسے اور طرح کے ہزاروں پرندے مل سکتے ہیں۔ وہ اپنا کیمرہ ساتھ لے سکتا ہے کیونکہ ان پرندوں نے پہلے انسانوں کو نہیں دیکھا ہو گا اس لمحے وہ بہت نزدیک سے ان کی تصویریں لے سکتا تھا۔ نایاب منّتوں پر اتر آئی۔ کہنے لگی "پرویز انکل! مہربانی فرما کر ہمیں ضرور ساتھ لے جایئے گا۔ ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہم اس جزیرے تک جائیں۔ اور آپ نے ہمیں کشتی سنبھالنا بھی سکھا دیا ہے۔ ہم آپ کی مدد بھی کریں گے۔" پرویز صاحب کہنے لگے۔ "بات کرنے کا مطلب تمہیں ساتھ لے کر ہی جانا تھا۔" وہ سگریٹ سلگا رہے تھے اور پھر مسکراتے ہوئے بولے۔ "میں کل ہی جانا چاہتا تھا لیکن جب تم نہیں آئے تو میں نے ارادہ موقوف کر دیا تھا۔ ہم آج سہ پہر چلیں گے اور چائے کا سامان بھی لے جائیں گے۔ تمہیں

ایک دفعہ پھر صغیر کو دھوکہ دینا ہو گا۔ اسے کسی طرح تمہیں میری کشتی میں نہیں دیکھنا چاہیئے ورنہ وہ تمہیں ہر صورت روکنے کی کوشش کرے گا۔"

عنزیق کی آنکھیں خوشی سے جگمگا رہی تھیں۔ وہ بولا۔ "ہم ہر صورت سہ پہر کو پہنچ جائیں گے۔"

"پرویز صاحب!" معاذ بولا۔ "بہت بہت شکریہ جناب۔"

نایاب جوش سے پوچھنے لگی۔ "کیا ہم واقعی دکھ دینے والے جزیرے کو نزدیک سے دیکھیں گے۔"

تزئین نے پوچھا۔ "تو کیا ہم جزیرے پر اتر نہیں سکتے؟"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ "شاید نہیں اس کے ارد گرد خطرناک چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کے درمیان کوئی راستہ ہو لیکن جب تک وہ نہ ملے میں کشتی کو ڈبونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

بچے یہ سن کر مایوس ہو گئے۔ وہ تو اس خطرے کے باوجود جزیرے پر جانا چاہتے

تھے کیونکہ وہ اس بدنام جزیرے پر قدم ضرور رکھنا چاہتے تھے۔ پرویز صاحب کہنے لگے۔ ’’بہتر ہے اب تم جاؤ اور دوپہر کا کھانا جلدی کھالو۔ اور پھر چچی سے اجازت لے لو۔ میں جانے میں دیر نہیں کرنا چاہتا۔ اگر ہم جلدی چلیں تو سمندر کی لہریں ہماری مدد کریں گی۔‘‘ چاروں نے کہا۔ ’’ٹھیک ہے۔ سہ پہر تک خدا حافظ پرویز صاحب۔‘‘

پھر وہ اچھلتے کودتے چٹانوں پر چڑھ گئے اور ایک دفعہ پھر کہنے لگے۔ ’’پرویز صاحب ہم چائے بھی لائیں گے اور یہ آپ کا ہمارا انتظار کرنے کا انعام ہو گا۔‘‘

وہ سیدھا گھر کو چلے۔ وہ شدّت سے سہ پہر کا انتظار کر رہے تھے۔ صغیر اس جزیرے کے بارے میں مختلف قصّے سنا کر انہیں اتنا ڈرا چکا تھا اس لیے جزیرے کا ذکر آتے ہی بچوں کے جسموں میں سنسنی سی پھیل جاتی تھی۔

عزیق بولا۔ ’’مجھے لگتا ہے صغیر ابھی بھی غاروں میں ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔‘‘

وہ گھر پہنچے تو انہیں چچی جان ملیں۔ معاذ نے پوچھا۔ ’’چچی جان کیا ہم آج کھانا جلدی کھا کر شام کی چائے اپنے ساتھ لے کر جا سکتے ہیں؟ کیا آپ کے لیے کوئی

مشکل تو نہیں ہو گا؟ ہم کھانا بنانے میں آپ کی مدد کریں گے اور آپ جو بھی کھلائیں گی خوشی سے کھالیں گے۔"

چچی سوچتے ہوئے بولیں۔ "فریج میں کچھ قیمہ پڑا ہے، کچھ بھرے ہوئے ٹماٹر بھی ہیں۔ آلو بخارے ہیں۔ تزئین تم میز بچھاؤ باقی اس پر کھانا لا کر رکھتے ہیں۔ میں تمہیں چائے کے لیے کچھ سینڈوچ بنا دیتی ہوں اور ایک کیک بھی بنا ہوا ہے۔ نایاب تم چائے کے لیے پانی کیتلی میں گرم ہونے کے لیے رکھ دو۔ تم چائے ایک تھرموس میں اپنے ساتھ لے کر جاسکتے ہو۔"

بچوں نے چچی کا شکریہ ادا کیا اور کام میں جُت گئے۔ انہوں نے چچی کے کھانے کے لیے بھی ایک کرسی رکھی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ بولیں "آج میری طبیعت ناساز ہے۔ میرے سر میں درد ہے۔ میرا من کچھ کھانے کو نہیں چاہ رہا۔ تم لوگ وقت باہر گزارو گے تو میں بھی آرام کر لوں گی۔"

بچوں کو یہ سن کر افسوس ہوا۔ واقعی چچی بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھیں۔ معاذ سوچنے لگا کہ پتا نہیں امی نے چچی کو کچھ مزید رقم بھیج دی ہے یا بے چاری ابھی بھی

مشکل میں ہی ہیں۔ وہ سب کے سامنے یہ بات ان سے پوچھنا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد بچے دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے اور پھر چائے کی تھرموس اور چائے کے لوازمات کے ساتھ وہ تیار تھے۔ وہ چٹانوں کی طرف چل دیے۔ انہوں نے صغیر کو نہیں دیکھا۔ وہ ابھی بھی ساحلِ سمندر پر ہی تھا اور غائب ہونے والے بچوں پر سیخ پا ہو رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ غاروں میں ہی ہیں۔ وہ خود غار میں گیا اور انہیں آوازیں دینے لگا لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ بار بار چلّا کر انہیں پکارتا رہا۔ وہ خود سے کہنے لگا "اچھا ہے اگر یہ غاروں میں غائب ہو گئے۔ خس کم جہاں پاک۔"

اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اوپر جا کر چچی جان کو سارا ماجرا سنائے گا۔ لٰہذا وہ اوپر پہنچا تو بچے جا چکے تھے اور چچی برتن دھو رہی تھیں۔ انہوں نے سختی سے صغیر کو پوچھا۔ "تم صبح سے کہاں تھے؟ میں نے تمہیں تلاش بھی کیا لیکن تم کہیں نہیں ملے۔"

صغیر بولا۔ "میں تو بچوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ میرا خیال ہے وہ نیچے غاروں میں گئے ہیں اور گم ہو گئے ہیں۔ میں انہیں وہاں بار بار پکار کر آیا ہوں۔"

چچی بولیں۔ ”تم انتہائی بے وقوف ہو صغیر! تم صرف اپنی سستی پر پردہ ڈالنے کے لیے بچوں کا نام لے رہے ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ غاروں میں نہیں ہیں۔“

صغیر گڑبڑا کر بولا۔ ”میں نے خود انہیں غاروں کے اندر جاتے دیکھا ہے اور میں ہمہ وقت باہر انتظار کر رہا تھا۔ میں آپ کو صحیح بتا رہا ہوں۔ وہ غاروں میں ہی گئے تھے اور ابھی تک غاروں میں ہی ہیں۔“

چچی غصے سے بولیں۔ ”وہ غاروں میں نہیں ہیں۔ وہ ابھی ابھی پکنک کے لیے گئے ہیں۔ وہ میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے یہاں بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر باہر چلے گئے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ تم مجھے اپنی شکل نہ دکھاؤ اور نہ مجھے یہ کہانی سنا کر بے وقوف بناؤ کہ وہ غاروں میں گم ہو گئے ہیں۔“

صغیر کا منہ ایک دفعہ پھر کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اسے اپنے کانوں کی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیا وہ واقعی سارا دن ساحل پر نہیں رہا تھا۔ بچے جیسے ہی غاروں سے نکلتے وہ انہیں دیکھ لیتا۔ چچی نے اسی غصے سے کہا۔ ”اب یہ حیرت کا جھوٹا مظاہرہ

کرنا بند کرو۔ اپنے آپ کو جھنجھوڑو اور کوئی کام کرو۔ تمہیں ابھی وہ تمام کام کرنا ہوں گے جو تم نے صبح سے نہیں کیے۔ میرا خیال ہے بچے غاروں میں گئے ہوں گے اور تمہاری آنکھ بچا کر نکل گئے ہوں گے۔ اب یہاں مت کھڑے رہو اور کوئی کام کرو۔"

صغیر نے ایک جھرجھری لی اور خود کو سنبھالا۔ اپنا کھلا ہوا منہ بند کیا اور گھر سے باہر خاموشی سے کام کرنے کے لیے نکل پڑا۔ وہ حیرت سے پاگل ہو رہا تھا۔ اسے یاد آرہا تھا کہ ایک رات کس طرح اس نے دو لڑکوں کا پیچھا کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ معاذ اور عنزیق تھے۔ پھر اونچی لہریں آئیں اور غاروں میں وہ قید ہو گئے لیکن اگلی صبح وہ وہاں نہیں تھے۔ اور اب چاروں بچوں نے ایک دفعہ پھر اسے ویسے ہی دھوکہ دیا تھا۔ صغیر کو ہزیمت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یہ بالک پسند نہیں تھا کہ بچے اسے طرادے جائیں۔ لیکن وہ کہاں گئے تھے؟ اب ان کو تلاش کرنا مشکل تھا اور وہ دور نہیں جا سکتا تھا کیونکہ چچی جان کا پارہ پہلے ہی سے چڑھا ہوا تھا۔

دُکھ دینے والا جزیرہ

بچے تیز تیز چلتے ہوئے چٹانوں کو عبور کر کے پرویز صاحب اور ان کی کشتی کے پاس پہنچے جو انہی کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے بچوں کے لائے ہوئے سینڈوچ، کیک، تھرموس، بسکٹ اور اپنی چاکلیٹ کشتی میں رکھ دیے اور پھر سب کشتی پر سوار ہو گئے۔ پرویز صاحب کشتی کو چھپانے کے بجائے ساحل پر لے آئے تھے۔ وہ کشتی کو دھکیل کر اتنے گہرے پانی میں لے گئے جہاں کشتی خود بخود تیر سکے۔ پھر پرویز صاحب چھلانگ لگا کر خود بھی کشتی میں سوار ہو گئے اور پتوار

چلانے لگے حتیٰ کہ وہ ساحلِ سمندر سے دور چلے گئے۔ جب وہ سمندر کے گہرے پانیوں میں پہنچ گئے تو بولے۔ ”اب لڑکو ذرا بادبان سنبھالو۔ دیکھتے ہیں تم کیسا کام کرتے ہو۔“

لڑکوں نے بخوبی اپنا کام سنبھال لیا۔ پھر موجوں کے بہاؤ کے مطابق جب انہوں نے کشتی کو ایک دو دفعہ موڑا تو پرویز صاحب بہت خوش ہوئے۔ وہ کہنے لگے۔ ”تم بہت اچھے طالب علم ہو۔ تم تنہا ہی کشتی کو سنبھال سکتے ہو۔“ عزیق بڑے اشتیاق سے بولا۔ ”واقعی ہم تنہا کشتی کھے سکتے ہیں۔ آپ ہم پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔“

پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”ایک دن بھروسہ کرنے لگوں گا لیکن وعدہ کرو کہ تم کشتی کو کھلے سمندر میں بہت دور تک نہیں لے جاؤ گے۔“

بچوں نے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم وعدہ کرتے ہیں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کتنا مزا آئے گا جب وہ تنہا کشتی سمندر میں لے جا سکیں گے۔“

ہوا بہت مناسب رفتار سے چل رہی تھی جس کی وجہ سے کشتی بھی بہت ہموار سفر

کر رہی تھی۔ جب وہ کسی بھنور کے نزدیک جاتے تو کشتی دائیں بائیں لڑکھڑاتی۔ سمندر واقعی بہت پر سکون تھا۔ عزیق کہنے لگا۔ ”بہت مزا آ رہا ہے۔ مجھے بادبانوں کے پھڑ پھڑانے کی آواز بہت پسند ہے اور کشتی کے آگے حرکت کرنے سے پانی کی رُک رُک کر آنے والی آواز تھی۔ اور ہوا کی میٹھی سیٹیوں کی بھی۔۔۔۔۔“

تزئین اور نایاب کشتی میں جھک کر ہاتھوں سے سمندر کے ٹھنڈے پانی کو چھو رہی تھیں۔ مٹھو صاحب بادبان پر پروں میں سر دیے بیٹھے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے اپنا توازن برقرار رکھ رہا تھا اور بار بار اپنے پر کھول کر گرنے سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بھی اس سفر سے اتنا ہی لطف اٹھا رہا تھا جتنا کہ بچے۔ پھر اچانک اس نے پرویز صاحب کو نشانہ بناتے ہوئے کہا۔ ”اپنے پاؤں صاف کرو اور دروازہ بند کرو۔ میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے۔“ تو سبھی چلا اٹھے۔ ”بکواس بند کرو مٹھو۔ پرویز صاحب کے ساتھ بدتمیزی مت کرو ورنہ ہم تمہیں کشتی سے نیچے گرا دیں گے۔“ مٹھو نے قہقہہ لگایا، ہوا میں اڑا اور دو سمندری بگلوں کے ساتھ پرواز

کرنے لگا۔ وہ انہیں حکم دے رہا تھا کہ اپنے رومال استعمال کیا کریں۔ پھر اچانک اس نے ایک خطرناک چیخ ماری تو بے چارے بگلوں کی روح فنا ہو گئی۔ مٹھو نے پھر پروں میں سر چھپالیا۔ وہ اپنے کارنامے سے بہت خوش تھا۔ وہ سنسنی پھیلانے میں ماہر تھا خواہ وہ انسانوں میں پھیلائے، جانوروں میں یا پرندوں میں۔ عنزیق کہنے لگا۔ ''مجھے ابھی تک جزیرہ نظر نہیں آ رہا پرویز صاحب۔ بھلا وہ جزیرہ کس سمت میں ہے؟ میں تو سمندر کے وسط میں آ کر سمتیں ہی بھول گیا ہوں۔''

پرویز صاحب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ ''وہاں ہے!'' بچوں نے ان کی سونتی ہوئی انگلی کی طرف نگاہیں دوڑائیں لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آیا۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا جب بقول صغیر ''بُرا جزیرہ'' نزدیک سے نزدیک تر آتا جا رہا تھا۔ کشتی کی رفتار مزید تیز ہو گئی۔ جو وہ آگے بڑھے تو یکایک ہوا میں تازگی محسوس ہونے لگی۔ لڑکیوں کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے اور ان کے چہروں کو مکمل ڈھانپ لیتے تھے۔

پرویز صاحب ناراض ہو کر بڑبڑانے لگے۔ جب تیز ہوا نے ان کی انگلیوں میں سلگا

ہوا سگریٹ چھین لیا اور سمندر کی لہریں اسے بہا کر لے گئیں پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”مٹھو اگر تم کسی کام کے ہو تو آج ثابت کر سکتے ہو۔ اُڑ کے جاؤ اور میرے سگریٹ کو سمندر سے نکال کر لاؤ۔“

توتا بولا۔ ”بے چارہ توتا! بے چارہ غریب توتا۔ کیا مشکل ہے، کیا مشکل ہے۔“ وہ بیٹھا بیٹھا سر کو نفی میں ہلا رہا تھا۔ عنزیق نے ایک پرانا گھونگا مٹھو کو مارا اور اس نے اپنی رٹ ایک قہقہے سے ختم کر دی۔ پرویز صاحب نے سگریٹ سلگانے کی کوشش کی مگر تند ہوا نے یہ کام ناممکن بنا دیا۔ پھر اچانک عنزیق نے نعرہ مار کر کہا۔ ”دیکھو، وہ رہی زمین، کیا یہی دُکھ والا جزیرہ ہے۔ ضرور یہی ہونا چاہیے۔“

سب بڑے غور سے زمین نے اس ٹکڑے کو دیکھنے لگے جو دھند کی دبیز تہہ سے آہستہ آہستہ برآمد ہو رہا تھا۔ اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا تھا۔ پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”واقعی یہی وہ جزیرہ ہے۔ یہ تو بہت بڑا ہے۔“

وہ بڑے شوق سے جزیرے کو دیکھ رہے تھے۔ کشتی جزیرے کے مزید قریب ہوئی تو جزیرہ صاف دکھائی دینے لگا۔ بچے صاف دیکھ سکتے تھے کہ اس پر چٹانوں

اور پہاڑوں کی بھرمار تھی اور جزیرے کے ارد گرد پانی میں بھنور بن رہے تھے۔ بڑی بڑی لہریں ہوا میں بلند ہو رہی تھیں اور اِدھر اُدھر سمندر میں چٹانوں کے نوکیلے سِرے ابھرے ہوئے تھے۔ وہ مزید قریب چلے گئے۔ سمندر بہت متلاطم اور شوریدہ تھا۔ نایاب کو ایسا لگا جیسے سب کچھ ہراہرا دکھائی دے رہا ہو۔ وہ سارے ساتھیوں میں سے کم مشاق ملاح تھی لیکن وہ بہادر تھی۔ کچھ نہ بولی۔ کچھ ہی دیر میں وہ بہتر محسوس کرنے لگی۔

پرویز صاحب بولے "اب تم اچھی طرح سے جزیرے کے ارد گرد ایک انگوٹھی کی طرح چٹانیں دیکھ سکتے ہو۔ واقعی کیا یہ خطرناک نہیں ہیں۔ بہت زیادہ کشتیاں ان سے ٹکرا کر تباہ ہو چکی ہیں ہم سب اس کے گرد چکر لگا کر سیر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں اگر ہمیں جزیرے تک پہنچنے کا کوئی محفوظ راستہ مل سکے۔ اب اس سے زیادہ جزیرے کے نزدیک ہم نہیں جاسکتے لہٰذا اب مجھے مزید قریب جانے کو کوئی نہ کہے۔

'بحری عقاب' اب بہت متلاطم سمندر میں تھی اور نایاب کو دوبارہ سب کچھ ہرا

ہرا دکھائی دینے لگا۔ پرویز صاحب کہنے لگے ”خشک بسکٹ کھالو۔ اسے چباؤ تو تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔“ انہیں نایاب کی طبیعت کے متعلق احساس ہو رہا تھا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ نایاب نے خشک بسکٹ آہستہ آہستہ چبایا تو تھوڑی دیر بعد وہ پھر دوبارہ سیر سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ دُکھ والا جزیرہ اپنے نام کا اثر دکھا رہا تھا۔ وہ بہت ہی ویران جگہ تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ نوکیلی چٹانیں جزیرے پر ننھے پودوں کی طرح اگی ہوئی تھیں اور بعد میں بڑی ہو گئیں۔ اِکا دُکا درخت بھی دکھائی دے رہے تھے اور تھوڑی سی جگہ ایسی تھی جہاں انہیں سبز گھاس دکھائی دی۔ چٹانیں عجیب قسم کے سرخ رنگ کی تھیں۔

”لاکھوں کی تعداد میں پرندے ہیں۔ ذرا دیکھئے تو سہی۔“ عنزیق عینک لگا کر بڑے غور سے جزیرے کو دیکھ رہا تھا لیکن پرویز صاحب ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ یہ بہت خطرناک کام تھا کہ اتنے برہم سمندر میں کشتی کو اتنی نوکیلی چٹانوں کی موجودگی میں ساحل کے ساتھ لگایا جائے۔ انہوں نے عنزیق کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور کہنے لگے۔ ”اب ذرا غور سے دیکھ کر بتاؤ کیا تم کسی پرندے کو پہچان

سکتے ہو۔"

عنزیق فوراً ایک پرندوں کی فہرست گنوانے میں لگ گیا اور پھر کہنے لگا۔ "یہاں تو ہزاروں پرندے ہیں۔ کیا ہم کسی طرح اس جزیرے پر قدم رکھ سکیں گے۔ پرویز صاحب کوئی محفوظ راستہ ڈھونڈیں۔"

پرویز صاحب سختی سے بولے۔ "نہیں میں اگر راستہ ڈھونڈ بھی لوں تو بھی کشتی کو جزیرے کے ساحل پر لے جانا بہت خطرناک ہو گا۔ میں کچھ پرندوں کو نزدیک سے دیکھنے کے لیے سب کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ تم یہ پرندے ساحل والے گھر سے بھی دیکھ سکتے ہو۔"

کشتی تیرتی ہوئی جزیرے کے ارد گرد چلتی رہی۔ اس کے ارد گرد اُگی ہوئی چٹانوں کے دائرے سے دور جہاں سمندر کی لہریں زور زور سے سر پٹخ رہی تھیں۔ بچے انہیں دیکھتے رہے کہ کس طرح وہ آسانی سے چٹانوں کو اپنی گود میں چھپا لیتی ہیں اور شیر کی دھاڑ جیسی گونج پیدا کرتی رہتی ہیں۔ بچوں کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ زور سے چیخیں، چلائیں۔ عنزیق کی عینکوں کی وجہ سے اسے جزیرہ بالکل صاف دکھائی

دے رہا تھا۔

معاذ بولا۔ ”اپنی عینک کو ایک لمحے کو مجھے دو۔“

عنزیق کا دل عینک دینے کو نہیں چاہ رہا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی لمحے وہ عظیم آک کو دیکھنے سے محروم ہو جائے۔ لیکن پھر بھی اس نے عینک معاذ کو دے دی۔ معاذ کو پرندوں میں دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے عینک لگا کر جزیرے کا بغور جائزہ لیا اور پھر کہنے لگا۔ ”مجھے تو لگتا ہے کہ جزیرے پر ابھی بھی مکان موجود ہیں لیکن وہاں اب لوگ آباد نہیں۔“

پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”یہ تو مدّت سے اجڑ چکا ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی اس جزیرے پر اب بھی رہ سکتا ہو۔ نہ تو اس جزیرے پر کھیتی باڑی ہو سکتی ہے اور نہ ہی مچھلیاں پکڑی جا سکتی ہیں۔ یہ رہنے کے لیے ناممکن اور مکمل ویران جگہ ہے۔“

معاذ کہنے لگا۔ ”میں جو دیکھ رہا ہوں وہ میرے خیال میں تباہ شدہ مکانوں کے ڈھانچے ہیں۔ ان چٹانوں کے پیچھے سے میں انہیں صحیح طرح سے دیکھ نہیں

سکتا۔"

تزئین ہنستے ہوئے پوچھنے لگی۔ "کوئی چلتا ہوا تو نظر نہیں آ رہا۔ مثلاً صغیر کی بتائی ہوئی چیزیں وغیرہ۔"

معاذ کہنے لگا۔ "ہر گز نہیں۔ تزئین تم بھی عینک لگا کر دیکھو اور پھر نایاب تم بھی۔ مجھے اب سمجھ آ چکی ہے کہ اس جزیرے کو دُکھ والا جزیرہ کیوں کہتے ہیں۔ یہ واقعی دکھوں سے بھری سر زمین لگتی ہے۔ پرندوں کے علاوہ یہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آتا۔"

لڑکیوں نے باری باری عینک لگا کر جزیرے کو دیکھا لیکن انہیں جزیرہ قطعی پسند نہیں آیا۔ یہ بہت ہی بنجر اور بد صورت تھا اور اس کی فضا میں عجیب سی اداسی پھیلی ہوئی تھی۔ کشتی جزیرے کے چاروں طرف تیرتی رہی لیکن ارد گرد اگی ہوئی چٹانوں کی وجہ سے دور ہی رہی۔ ایک جگہ ایسی تھی جہاں سے کوئی راستہ جزیرے کو جا سکتا تھا جو کہ مغرب کی جانب چٹانوں کے درمیان سے تھا۔ یہاں سمندر قدرے پر سکون تھا۔ اگرچہ یہاں بھی سمندر کی بڑی لہریں بن رہی تھیں

لیکن انہیں زمین پر کوئی چٹان اگی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔ عنزیق نے کہا۔
"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جزیرے تک جانے کا یہی راستہ ہے۔"

پرویز صاحب فوراً بولے۔ "لیکن ہم یہ اختیار نہیں کر رہے۔ میں جزیرے کو خدا حافظ کہنے والا ہوں اور پر سکون پانیوں کی طرف لوٹنے لگا ہوں۔ پھر ہم بادبانوں کا خیال چھوڑ کر چائے کی طرف متوجہ ہوں گے کیونکہ وہاں ہمارے ہاتھوں سے چیزیں چھوٹ کر نہیں گریں گی۔ بے چاری نایاب کو پھر سے ہرے رنگ کے علاوہ دوسرے رنگ بھی نظر آنے لگیں گے۔"

عنزیق نے عینک لگا کر آخری بار جزیرے کو دیکھا اور اتنی زور سے چیخ ماری کہ تزئین پانی میں گرتے گرتے بچی۔ مٹھو بھی بادبان سے گر پڑا۔ پرویز صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

عنزیق چلّایا۔ "عظیم آک، وہی ہے۔ وہی ہے۔ عظیم الشان جثہ والا پرندہ۔ دونوں اطراف چھوٹے چھوٹے پَر اور انتہائی تیز بلیڈ جیسی چونچ۔ یہ واقعی عظیم آک ہی ہے۔"

پرویز صاحب نے عنزیق سے عینک لے کر لگائی لیکن انہیں ایسا کوئی پرندہ نظر نہیں آیا۔

"اس سے مشابہ ایک اور پرندہ ہے۔ تم نے عظیم آک کو اپنے حواس پر سوار کر لیاہے ورنہ دونوں پرندوں میں فرق محسوس کر لیتے۔"

لیکن عنزیق کو سو فیصد یقین تھا کہ اس نے عظیم آک کو ہی دیکھا ہے۔ وہ اسے دوبارہ تو نہ دیکھ سکا لیکن جب وہ جزیرے سے پرے جارہے تھے تو عنزیق پیچھے مُڑ کر ٹکٹکی باندھے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اگر وہ عظیم آک ہی تھا تو پرویز صاحب کیسے کہہ سکتے تھے کہ وہ اس سے کوئی مشابہ پرندہ تھا۔ وہ گڑگڑایا۔ "خدا کے واسطے پرویز صاحب۔ واپس چلیے۔ میں جانتاہوں واقعی وہ عظیم آک ہی تھا۔ میں نے اسے اچانک ہی دیکھ لیا۔ ذرا سوچیے کہ دنیا کیا کہے گی جب اسے یہ پتا چلے گا کہ میں نے دوبارہ عظیم آک کو ڈھونڈ لیاہے۔ ایک ایسا پرندہ جسے سب نایاب سمجھتے ہیں۔"

پرویز صاحب بڑے خشک لہجے میں بولے۔ "دنیا کو عظیم آک کی فکر نہیں ہے۔

صرف کچھ لوگ جو پرندوں سے محبت کرتے ہیں جوش میں آئیں گے لیکن مجھے بھی یقین ہے کہ جو پرندہ تم نے دیکھا ہے وہ کوئی اور پرندہ تھا۔"

عنزیق اپنے آپ کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس کے گال تمتمارہے تھے اور اس کے بال ہوا میں اُڑ رہے تھے۔ وہ بہت بے چین لگ رہا تھا۔ مٹھو نے بھی اس کی بے چینی کو بھانپ لیا۔ وہ اڑا اور نیچے آکر عنزیق کے شانے پر بیٹھ گیا اور اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اس کے کان پر ٹھونگے مارنے لگا۔ عنزیق پھر بولا۔ "عظیم آک ہی تھا۔"

"ہاں ہاں وہ عظیم آک ہی تھا۔" نایاب نے زور سے اپنے ہاتھ سے اس کا بازو دبایا۔ اسے بھی یقین تھا کہ وہ عظیم آک ہی تھا۔ وہ یہ کہہ کر اپنے بھائی کی خوشی برباد نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ عظیم آک نہیں تھا۔ لیکن تزئین اور معاذ کو یقین نہیں آیا تھا۔ پھر پرسکون سمندر میں آکر انہوں نے چائے پی۔ کشتی کے بادبان نیچے کر لیے گئے تھے اور کشتی کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے اِدھر اُدھر تیرتی پھر رہی تھی۔

عنزیق نے چائے زہر مار کی لیکن وہ کچھ کھا یا نہ سکا۔ نایاب اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اس نے بھی چائے کا بھرپور لطف اٹھایا۔ دوسرے بھی چائے سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ یہ مزے سے بھرپور سہ پہر تھی۔

عنزیق نے اچانک پوچھا۔ "پرویز صاحب! آپ کے وعدے کے مطابق کبھی ہم خود بھی آپ کی کشتی لے جا سکتے ہیں۔"

پرویز صاحب نے انہیں غور سے دیکھا اور کہنے لگے۔ "اگر تم بھی اپنا وعدہ پورا کرو گے اور کشتی کو سمندر میں زیادہ دور نہیں لے کر جاؤ گے۔ میرا مطلب ہے کہ تم عظیم آک کو ڈھونڈنے دکھ والے جزیرے پر نہیں جاؤ گے۔"

عنزیق کے لاشُعور میں یہی بات تھی اس لیے اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔ آخر اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے جناب۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کشتی لے کر جزیرے پر نہیں جاؤں گا۔ لیکن کیا ویسے تو ہم جا سکتے ہیں؟"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ 'ٹھیک ہے چلے جانا۔ مجھے یقین ہے کہ تم کشتی سنبھال سکتے ہو اور اگر سمندر پر سکون ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

عنزیق اب خوش نظر آنے لگا۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات ابھرے جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ وہ پرویز صاحب کے ساتھ کیا وعدہ پورا کرے گا۔ وہ پرویز صاحب کی کشتی میں جزیرے پر نہیں جائے گا بلکہ کسی اور کی کشتی پر جائے گا۔ البتہ وہ کشتی چلانے کی مکمل مشق پرویز صاحب کی کشتی پر ہی کرے گا اور جب وہ مطمئن ہو جائے گا کہ وہ کشتی چلانے میں مکمل ماہر ہو گیا ہے تو پھر صغیر سے کشتی ادھار مانگ کر جزیرے پر جائے گا۔ یہ بظاہر ایسا ارادہ تھا جو پورا ہونا ناممکن تھا لیکن عظیم آک کو ڈھونڈنے کی دھن نے عنزیق کے ہوش اڑا دیے تھے۔ وہ آک جسے دنیا میں ہر کوئی نایاب سمجھتا تھا اور اسی غلطی کو سدھارنے کے لیے وہ یہ خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔ اسے یقین تھا کہ چٹانوں کے درمیان سے وہ راستہ نکال سکتا ہے جہاں جا کر وہ بادبان سمیٹ لے گا اور چپو چلا لے گا۔ صغیر کی کشتی بڑی اور مضبوط تھی لیکن عنزیق کو یقین تھا کہ وہ اسے سنبھال لے گا۔ جب تک وہ پرویز صاحب کے ساتھ رہے اس نے دوسروں سے اس ارادے کا ذکر نہیں کیا۔ پرویز صاحب بہت اچھے انسان اور بہت اچھے

دوست بھی تھے لیکن وہ عمر میں بہت بڑے تھے اور بڑے ہمیشہ ہی چھوٹوں کو خطرہ مول نہ لینے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا عزیق کشتی میں بیٹھے بیٹھے اپنے منصوبے کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس نے دوسروں کے مذاق کا جواب بھی دینا بند کر دیا۔ تزئین ہنس کر بولی۔ یہ تو بیٹھا بیٹھا ہی عظیم آک کو دیکھنے جزیرے پر چلا گیا ہے۔"

معاذ کہنے لگا۔ "جاگو بھئی، اور تھوڑے سے گھلو ملو بھی۔"

چائے کے بعد انہوں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا۔

پرویز صاحب کا خیال تھا کہ بچوں کی تھوڑی ورزش ہو جائے۔ انہوں نے ان کو پتوار چلانے پر لگا دیا۔ عزیق نے پتوار چلانے میں پورا زور لگا دیا۔ وہ اسے مشق کے طور پر لے رہا تھا جو اسے جزیرے پر دوبارہ جاتے ہوئے مدد دے گی۔ پرویز صاحب کہنے لگے۔ "ٹھیک ہے۔ اب ہم حفاظت سے واپس آ گئے ہیں۔"

کشتی ساحل کے ساتھ آ لگی تھی۔ لڑکے چھلانگیں مار کر اترے اور کشتی کو کھینچ کر پانی سے نکالا۔ لڑکیاں بھی اتر آئیں۔ وہ تھرموس لانا نہیں بھولیں۔ تب تک

پرویز صاحب کشتی کو باندھ چکے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ”اچھا بھئی خدا حافظ۔ تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔ اب کبھی موقعہ ملے تو تنہا بھی کشتی کی سیر کو چلے جانا۔“

بچے چلّائے۔ ”بہت بہت شکریہ۔“ تو مٹھو نے ان کی نقل بمطابق اصل اتارتے ہوئے کہا۔ ”بہت بہت شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔۔۔ بہت۔۔۔۔۔“

معاذ نے مٹھو کو ہنستے ہوئے ڈانٹا۔ ”خاموش ہو جاؤ۔“ ورنہ مٹھو شاید یہ رٹ لگائے ہی رکھتا۔

چچی سے انہوں نے پوچھا۔ ”کیسا وقت گزرا؟“

انہوں نے جواب دیا۔ ”زیادہ ٹھیک نہیں۔ اگر تزئین تم اپنے چچا کو رات کا کھانا دے سکو تو میں آج جلدی سو جاؤں گی۔“

تزئین نے ہاں میں جواب تو دے دیا لیکن اسے یہ کام پسند نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے پڑھاکو اور سنکی چچا سے بڑی خائف تھی۔ صغیر تبھی اندر داخل ہوا اور بچوں کو

گھورنے لگا۔ اس نے سختی سے پوچھا "تم کہاں تھے اور پھر تم آج صبح غاروں میں جا کر کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

معاذ بولا۔ "ہم سیدھے گھر آئے تھے کیا تم نے ہمیں نہیں دیکھا۔ ہم ابھی ابھی پکنک سے واپس آئے ہیں۔ تمھیں ہماری سرگرمیوں میں کیا دلچسپی ہے؟ کیا تم ہمارے ساتھ جانا چاہتے تھے؟"

اس کے چہرے کے تاثرات اتنے بھولے تھے کہ صغیر جل کر راکھ ہو گیا۔ صغیر نے غصّے میں کچھ کہا تو مٹھو نے فوراً اس کی نقل اتاری اور پھر کھل کر قہقہہ لگایا۔ صغیر نے توتے کی طرف نفرت سے دیکھا اور وہاں سے چل دیا۔ چچی فکر مند ہو کر بولیں۔ "اسے زچ مت کیا کرو۔ یہ بہت سست ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ساری صبح گھر کے نزدیک نہیں بھٹکا۔ اچھا اب میں سونے جا رہی ہوں۔"

تزئین نے کہا۔ "عنزیق تم چچا کی کھانے کی رکابی بنانے میں میری مدد کرو۔ یہ بہت بھاری ہے۔ معاذ تو معمول کے مطابق پتا نہیں کدھر چلا گیا ہے۔ وہ کام کے وقت ہمیشہ ہی غائب ہو جاتا ہے۔"

تزئین چچا کے مطالعے والے کمرے کی طرف چلی۔ عنزیق رکابی اٹھائے اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ ایک آواز گونجی اور تزئین کا خیال تھا کہ کسی نے کہا ہے کہ اندر آجاؤ۔ وہ اندر گئے۔ مٹھو عنزیق کے شانے پر بیٹھا ہوا تھا۔ تزئین نے کہا "چچا! آپ کا کھانا۔ چچی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ وہ سونے چلی گئی ہیں۔"

مٹھو نے ترس کھانے والی آواز میں رٹ لگالی۔ "بے چاری چچی"

چچا آصف نے سر اٹھا کر دیکھا۔ انہوں نے توتے کو دیکھا تو جوتا اٹھالیا۔ مٹھو فوراً کمرے سے باہر اُڑ گیا تو چچا نے جوتا واپس نیچے دکھ دیا۔ انہوں نے سختی سے کہا "توتے کو میرے کمرے سے باہر رکھا کرو، دخل انداز توتا۔ اب کھانا نیچے رکھ دو اور تم نوجوان کون ہو؟"

عنزیق نے جواب دیا۔ "میں عنزیق ہوں۔"

وہ حیران تھا کہ دنیا میں کوئی شخص اتنا بھی بھلکڑ ہو سکتا ہے۔ وہ ہنسنے لگا۔ "جناب کیا آپ کو یاد ہے جس دن ہم یہاں آئے تھے آپ نے میری بہن نایاب کو دیکھا

تھا۔"

چچا نے بوریت سے کہا۔ "گھر میں بہت سے بچے ہو گئے ہیں۔ میں تو کوئی کام بھی نہیں کر سکتا۔"

تزئین تنک کر بولی۔ "لیکن چچا ہم تو کبھی آپ کو تنگ نہیں کرتے۔"

چچا آصف ایک بہت بڑے اور پرانے نقشے پر جھکے ہوئے تھے۔ عنزیق نے بھی اس کی جھلک دیکھی۔ وہ بولا۔ "یہ تو ساحلِ سمندر کا نقشہ ہے اور یہ جزیرہ ہے جسے دُکھ کا جزیرہ کہتے ہیں۔"

چچا آصف نے ہاں میں سر ہلایا۔ عنزیق نے پوچھا۔ "جناب کیا آپ کبھی اس جزیرے پر گئے ہیں؟ ہم نے آج شام ہی یہ جزیرہ دیکھا ہے۔"

چچا سرعت سے بولے۔ "میں کبھی وہاں نہیں گیا اور نہ ہی جانا چاہتا ہوں۔"

عنزیق نے فخریہ انداز میں بتایا۔ "میں نے آج وہاں عظیم آک دیکھا تھا۔"

لیکن یہ سن کر چچا قطعی متاثر نہیں ہوئے۔ "فضول۔ یہ پرندہ مدّتوں پہلے نایاب ہو

چکا ہے۔ تم نے اس سے مشابہ پرندہ دیکھا ہے۔ بے وقوفی کی باتیں نہ کرو لڑکے۔"

عنزیق ناراض ہو گیا۔ اس کی اس زبردست دریافت پر صرف نایاب نے اس کی پذیرائی کی تھی اور اسے پتا تھا کہ اس کی بہن آنکھیں بند کر کے اس پر یقین کرتی ہے۔ اس نے ناپسندیدگی کی نگاہ اس مغرور بوڑھے پر ڈالی تو چچا نے اسے جواباً گھورا۔ عنزیق کہنے لگا۔ "کیا میں نقشہ دیکھ سکتا ہوں؟"

وہ سوچ رہا تھا کہ نقشے کی مدد سے شاید وہ چٹانوں کے درمیان سے جزیرے کو جانے کا راستہ ڈھونڈ سکے۔ چچا آصف نے حیران ہو کر اسے پوچھا۔

"کیا واقعی تمھیں نقشے جیسی چیزوں میں دلچسپی ہے؟"

عنزیق نے جواب دیا۔ "دراصل مجھے پورے جزیرے سے دلچسپی ہے جناب! کیا میں یہ نقشہ دیکھ سکتا ہوں؟"

چچا آصف اس کی باتیں سن کر بہت خوش تھے کہ چلو شکر ہے کوئی تو ان کے علاوہ

ایسا بھی ہے جسے ان باتوں میں دلچسپی ہے۔ وہ بولے۔ "میرے پاس ایک بڑا نقشہ بھی ہے جو صرف جزیرے کا ہے اور جزیرے کا چپّہ چپّہ دکھاتا ہے۔ مجھے دیکھنے دو میں نے وہ کہاں رکھا ہے۔"

وہ جیسے ہی نقشے کو ڈھونڈنے کے لیے گئے عنزیق اور تزئین نہایت غور سے ساحل کا نقشہ دیکھنے لگے۔ نقشہ بچھا ہوا تھا اور اس پر آسانی سے جزیرے کے گرد بکھرے ہوئے چٹانوں کے دائرے کو دیکھا جا سکتا تھا جس کی عجیب و غریب ہیئت تھی۔ وہ ایک انڈے کے مانند بیضوی شکل تھا جو درمیان سے ایک جگہ سے سوجا ہوا ہو۔ ورنہ جزیرے کا سارا ساحل ایک سا تھا۔ یہ ان کے گھر سے مغرب کی طرف تھا۔ عنزیق تو پورے انہماک سے نقشے پر جھکا ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کاش چچا اسے کچھ عرصے کے لیے نقشہ رکھنے کو دے دیں۔

اس نے آہستگی سے تزئین کو کہا۔ "دیکھو تزئین! چٹانوں کا دائرہ یہاں سے ٹوٹا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں سے میں کشتی جزیرے میں لے کر جانا چاہتا ہوں۔ دیکھو نقشے میں جو پہاڑی نظر آ رہی

ہے چٹانوں میں سے راستہ اس کے بالکل مخالف سمت میں ہے۔ اگر کبھی بھی ہم جزیرے پر جانا چاہیں جو کہ کم از کم میں تو ہر صورت جانا چاہتا ہوں، ہمیں صرف اس پہاڑی کو تلاش کرنا ہو گا اور یہ آسان ہو گا کیونکہ جزیرے پر یہ سب سے اونچی جگہ ہے۔ اور پھر اس پہاڑی کی مخالف سمت میں آسانی سے ہمیں جزیرے کا راستہ مل جائے گا۔"

تزئین کہنے لگی۔ "یہ سب نقشے پر آسانی دکھائی دیتا ہے لیکن سمندر میں جا کر معلوم ہو گا۔ مجھے لگتا ہے کہ تم وہاں جانے کا تہیّہ کر چکے ہو عزیق۔ لیکن تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ تم نے پرویز صاحب سے وہاں نہ جانے کا وعدہ کیا ہے اور وعدہ توڑنا نہیں چاہیے۔"

عزیق کہنے لگا۔ "میں جانتا ہوں بے وقوف، میں نے زندگی میں کبھی وعدہ نہیں توڑا۔ لیکن میں اور ترکیب سوچ چکا ہوں جو کہ میں بعد میں بتاؤں گا۔"

چچا آصف بڑا نقشہ نہ ڈھونڈ سکے جس سے بچّے بڑے مایوس ہوئے اور دوسرا نقشہ انہوں نے عزیق کو دینے سے انکار کر دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ نقشہ دینے کے خیال

سے ہی انہیں دھچکا لگا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ”ہر گز نہیں۔ یہ بہت ہی قدیم نقشہ ہے۔ کئی سو سال پرانا۔ میں نے تو کبھی خواب میں بھی یہ تصور نہیں کیا کہ یہ میں کسی کو دوں گا۔ تم اس کو خراب کر سکتے ہو، پھاڑ سکتے ہو یا گُم کر سکتے ہو۔ مجھے پتا ہے بچے ایسا ہی کرتے ہیں۔“

تزئین تنک کر بولی۔ ”چچا سارے بچے ایسا نہیں کرتے۔ آپ ہمارے متعلق زیادہ نہیں جانتے کیونکہ کبھی کبھار ہی تو ہماری ملاقات ہوتی ہے۔ نقشہ ہمیں ادھار دے ہی دیں۔“

لیکن کوئی وضاحت یا منّت بوڑھے چچا کو نقشہ دینے پر تیار نہیں کر سکی لٰہذا انہوں نے نقشے پر دوبارہ ایک طائرانہ نظر ڈالی جس پر چٹانوں کا دائرہ بنا ہوا تھا اور جس میں سے جزیرے کو جانے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ پھر وہ چچا کے بے ترتیب کتابوں سے بھرے کمرے سے باہر نکل گئے۔

تزئین کہنے لگی۔ ”چچا اب کھانا کھانا نہ بھول جانا۔“ یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ چچا نے زور سے ہُوں کہا۔ لیکن وہ ہُوں کہنے سے پہلے ہی دوبارہ کام میں غرق

ہو چکے تھے۔ کھانے کی رکابی ویسے ہی ان کی میز پر دھری تھی۔

تزئین نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ وہ کھانا بھول جائیں گے۔“ اور وہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی۔ جب اگلے دن حسبِ معمول چچی جان کمرے کو صاف کرنے گئیں تو رکابی میں پڑا گوشت، سبزیاں اور کسٹرڈ ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ چچی غصے سے بولیں۔ ”تم بچّوں سے بھی بدتر ہو۔ میں صحیح کہہ رہی ہوں آصف!!“

عجیب و غریب حالات

اس رات عنزیق نے سب کو اپنی ترکیب بتائی جسے سن کر سب بچے پہلے پہل تو ہچکچائے اور پھر جوش میں آ گئے۔ نایاب نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا ہم واقعی راستہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

عنزیق جو ارادہ ایک دفعہ کر لیتا تھا پورا کر کے رہتا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ”آسانی سے ڈھونڈ لیں گے۔ میں نے وہ راستہ آج سہ پہر دیکھ لیا تھا۔ مجھے یقین ہے یہ وہی

راستہ تھا جو میں نے نقشے میں دیکھا ہے۔ تزئین بھی اسے دیکھ چکی ہے۔"

مٹھو چلّایا۔ "تزئین دیکھ چکی ہے تزئین دیکھ چکی ہے۔"

کسی نے اس پر توجہ نہیں دی۔ صرف آپس میں زور و شور سے باتیں کرتے رہے۔ عنزیق بولا۔ "میں صرف انتظار کر رہا ہوں کہ کشتی چلانے میں مجھے مکمل مہارت ہو جائے تو پھر میں صغیر کی کشتی بھی اس سے خائف ہوئے بغیر لے جاؤں گا۔"

معاذ کہنے لگا۔ "اگر اسے معلوم ہو گیا تو وہ تمہیں دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دے گا اور تم کشتی کو اس سے چھپا کر کیسے لے جاؤ گے؟"

عنزیق فوراً بولا۔ "میں کشتی پر تب جاؤں گا جب وہ کار میں بیٹھ کر قصبے میں خریداری کے لیے جائے گا۔ میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ وہ جیسے ہی کار میں بیٹھ کر جائے گا میں اس کی کشتی لے اڑوں گا اور اس کے آنے سے پہلے واپس آ جاؤں گا۔ اور اگر میں نہ آ سکا تو پھر کیا کِیا جا سکتا ہے۔ لیکن تم کوشش کرنا کہ اس کی توجہ کسی اور طرف مبذول کروالو۔ جیسے اسے تہہ خانے میں قید کر دینا یا کچھ

اور۔“

سب ہنسنے لگے۔ صغیر کو قید کرنے کا خیال ہی انہیں گدگدا رہا تھا۔ معاذ نے کہا۔ ”لیکن کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے؟ تم اکیلے تو جا نہیں سکتے۔“

عنزیق نے سختی سے کہا۔ ”لڑکیاں تو ہرگز نہیں جائیں گی۔ میں خود خطرہ مول لے لوں گا لیکن لڑکیوں کو خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔ معاذ تم میرے ساتھ آ سکتے ہو۔“

نایاب فوراً بولی۔ ”میں تو ضرور جاؤں گی۔“ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا بھائی اتنی خطرناک مہم پر اکیلا جائے“

عنزیق نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”تم بالکل نہیں آسکتی اور بے وقوفی والی باتیں مت کیا کرو نایاب۔ تم ساتھ جا کر کام بگاڑو گی۔ ویسے بھی ہمیں بہت احتیاط کرنی ہو گی۔“

نایاب کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ وہ روہانسی ہو کر بولی۔ ”میں

تمہارے لیے بالکل خطرہ نہیں بننا چاہتی۔" عنزیق نے کہا۔ "نایاب ہر وقت ضد نہ کیا کرو۔ تم تزئین کی طرح کیوں نہیں رہتیں اور میری فکر کرنا چھوڑ دو۔ تزئین جب معاذ کو کوئی خطرہ مول لیتے دیکھتی ہے تو پرواہ نہیں کرتی۔ تم بے شک تزئین سے پوچھ لو۔"

تزئین بولی۔ "واقعی یہ صحیح ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ معاذ اور عنزیق اپنا خیال خود رکھ سکتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میرا دل کہتا ہے کہ ہمیں بھی تمہارے ساتھ آنا چاہیئے۔"

نایاب نے آنکھیں جھپک کر آنسو بہنے سے روکے۔ وہ عنزیق کے ارادے میں مخل نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن اسے کوئی نقصان پہنچے یہ خیال ہی اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔ وہ دل میں پوری سچائی سے دعا مانگ رہی تھی کہ عظیم آک واقعی ناپید ہو گیا ہو۔ کاش وہ ناپید ہو گیا ہوتا تو یہ سارا مسئلہ ہی درپیش نہ ہوتا۔

عنزیق اس رات سو نہیں سکا۔ وہ جزیرے اور اس پر پائے جانے والے پرندوں کے متعلق سوچتا رہا۔ اب اس کے لیے انتظار کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ فوراً جزیرے

پر جا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ واقعی جہاں عظیم آک ہے یا نہیں جو اسے سہ پہر کو عینک سے نظر آیا تھا۔ وہ اگر عظیم آک کو پکڑے تو ہو سکتا ہے اسے بے شمار رقم ملے۔ عظیم آک صرف تیر سکتا ہے۔ اڑ نہیں سکتا۔ ہو سکتا وہ اسے دیکھ کر نہ ہلے اور عنزیق اسے آسانی سے پکڑ لے۔ ہو سکتا ہے وہاں تین چار عظیم آک ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو واقعی مزا آجائے گا۔

عنزیق اٹھا اور کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ وہ مغرب کی جانب دیکھنے لگا جہاں جزیرہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ رات اندھیری تھی اور پہلے پہل وہ اسے کچھ دکھائی نہ دیا لیکن جب اس نے بہت غور سے مغرب کی طرف دیکھا تو وہ کسی چیز دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے بار بار آنکھیں جھپکیں اور پھر اُدھر دیکھا۔ اسے ایسا لگا جیسے وہاں کوئی روشنی جل رہی ہو۔ وہیں مغرب کی جانب جہاں جزیرہ تھا۔ وہ اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ بجھ گئی اور پھر دوبارہ روشن ہو گئی۔ عنزیق نے کہا ”یہ اصل روشنی نہیں ہو سکتی۔ لیکن جیسی بھی ہے یہ روشنی جزیرے پر تو کسی صورت نہیں ہو سکتی۔ ضرور یہ کسی جہاز کی روشنی ہو گی جو وہاں سے گزر رہا ہو گا۔“

مغرب میں روشنی پھر بجھ گئی اور پھر دوبارہ روشن نہیں ہوئی۔ عنزیق نے انگڑائی لی جس کا مطلب تھا کہ وہ سونے لگا ہے۔ اسے یقین تھا کہ یہ روشنی کسی جہاز کی ہی ہو سکتی ہے لیکن اس سے پہلے کہ وہ سو پاتا کسی اور چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔ کمرہ کی تنگ کھڑکی جو چٹانوں کی طرف کھلتی تھی دھیمی دھیمی روشنی میں نہارہی تھی۔ عنزیق دم بخود اسے گھورنے لگا۔ وہ کھڑکی کی طرف دوڑا اور باہر دیکھنے لگا۔ روشنی ایک چٹان کی چوٹی سے آرہی تھی۔ یا تو وہاں کوئی آگ جلا کر بیٹھا تھا یا پھر اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی روشن لالٹین تھی۔ وہ کون ہو سکتا تھا اور رات کو بتّی جلائے کیوں پھر رہا تھا۔ کیا وہ سمندر میں سے گزرنے والے کسی جہاز کو اشارہ کر رہا تھا۔ عنزیق کا کمرہ ساحلِ سمندر پر سب سے اونچی جگہ پر تھا اور مینار سب سے اونچی چٹان پر آگے کو جھکا ہوا تھا۔ اگرچہ اس نے پوری گردن موڑ کر جہاں تک ممکن تھا دیکھنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی وہ نہ پہچان سکا کہ وہ روشنی کس چیز کی تھی اور کس مقام پر تھی۔ اس نے اس روشنی کا راز جاننے کی ٹھان لی۔ اس نے معاذ کو نہیں جگایا۔ اس نے بوٹ اور کوٹ پہنے اور آہستگی سے سیڑھیاں

نیچے اترنے لگا۔ جلد ہی وہ چٹان پر جانے والا راستہ چڑھ رہا تھا۔ لیکن جب وہ اندازے سے روشنی والی جگہ پر پہنچا تو وہاں روشنی اب نہیں تھی اور نہ ہی کچھ جلنے کی بو تھی۔ وہ بہت پریشان ہوا۔ عنزیق چٹان کے ساتھ لگا کھڑا تھا جب اس نے اپنی زندگی کا سب سے ڈراؤنا لمحہ دیکھا۔ کسی نے اسے چھوا اور پھر مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر صغیر بولا۔ ”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

اور پھر عنزیق کو نہایت بے دردی سے جھنجوڑ کر دوبارہ پوچھا۔ ”مجھے جلدی بتاؤ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

عنزیق اتنا ڈر چکا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں بنا سکا اور کہنے لگا۔ ”میں نے مینار والے کمرے سے یہاں روشنی دیکھی تھی اور میں یہاں اسے دیکھنے کے لیے آ گیا۔“ صغیر ڈراؤنی آواز میں کہنے لگا۔ ”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ رات کو یہاں چیزیں پھرتی ہیں۔ وہی چیزیں رات کو روشنی لیے پھرتی ہیں اور کئی دفعہ وہ چیختی اور چلاتی بھی ہیں۔ اور پتا نہیں کیا کیا کرتی ہیں۔ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ رات کو آوارہ گردی چھوڑ دو۔“

اب عنزیق کے اوسان بحال ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اس نے پوچھا۔ "اور تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

صغیر نے یہ سوال سن کر پھر اسے جھنجوڑا۔ وہ خوش تھا کہ آخر اس نے ایک بچے کو پکڑ ہی لیا ہے۔ وہ غرّایا اور کہنے لگا۔ "میں بھی یہی روشنی دیکھنے آیا تھا۔ لیکن یہ وہ چیزیں ہی ہیں جو ہمیشہ مصیبت ڈالتی رہتی ہیں۔ اب جلدی سے وعدہ کرو کہ رات کو تم کبھی اپنے بستر سے نہیں نکلو گے۔"

عنزیق نے خود کو چھڑانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ وہ کہنے لگا۔ "میں کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ اب مجھے چھوڑو۔ جانور۔ تم مجھے تکلیف پہنچا رہے ہو۔"

صغیر کہنے لگا۔ "میں تمہیں اس وقت تک تکلیف پہنچاؤں گا جب تک کہ تم وعدہ نہیں کرتے۔ میرے پاس ایک رسّی بھی ہے جو میں ہمیشہ تمہارے اور معاذ کے لیے اپنے پاس رکھتا ہوں۔"

عنزیق خوفزدہ ہو گیا۔ صغیر بہت طاقتور تھا اور ظالم بھی۔ اس نے دوبارہ آزاد ہونے کے لیے پورا زور لگایا۔ وہ سمجھ گیا کہ اب صغیر اسے رسّی سے باندھنے لگا

ہے۔

لیکن پھر وہ کی کی تھا جس نے اسے بچایا

ادھر مٹھو کمرے میں بیٹھا آرام سے پروں میں سر دیے سو رہا تھا۔ جب اس نے اچانک عنزیق کو مینار والے کمرے سے غائب پایا تو اپنے مالک کی تلاش میں باہر نکل آیا۔ وہ عنزیق کے بغیر زیادہ دیر نہیں رہ سکتا تھا۔ عنزیق اس وقت سوچ رہا تھا کہ صغیر کو پورے زور سے کاٹے یا نہیں۔ اچانک مٹھو اڑتا ہوا آیا اور خوشی سے چیخا۔ عنزیق چلایا۔ ”مٹھو، مٹھو۔ اسے زور سے کاٹو۔“

توتے نے فوراً اپنی تیز دھار چونچ حملے کے لیے تیار کی اور صغیر کے جسم کے اس حصّے پر جہاں گوشت زیادہ تھا زور سے کاٹا۔ صغیر کے منہ سے زور دار چیخ بر آمد ہوئی اور اس نے عنزیق کو چھوڑ دیا۔

اس نے توتے کو مارنے کی کوشش کی لیکن وہ مٹھو اس کی دسترس سے بہت باہر تھا اور دوبارہ حملے کرنے کے لیے موقعہ تاڑ رہا تھا۔ اس دفعہ اس نے کاٹ کر صغیر کا کان کتر لیا۔ اس کی دوبارہ چیخ نکل گئی۔ وہ چلّایا۔ ”توتے کو روکو ورنہ میں اس کی

گردن مروڑ دوں گا۔"

تب تک عنزیق چٹان والے پتھریلے راستے پر غائب ہو چکا تھا۔ جب وہ صغیر کی دسترس سے محفوظ ہو گیا تو اس نے مٹھو کو آواز دی۔ "مٹھو آ جاؤ۔ تم بہت بہادر پرندے ہو۔"

مٹھو نے ایک دفعہ پھر صغیر کے دوسرے کان پر کاٹا اور اُڑ کر عنزیق کے شانے پر جا بیٹھا۔ وہ عنزیق کے کان میں آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگا۔ عنزیق نے اس کے سر کو سہلایا اور پھر وہ گھر کو لوٹے۔ عنزیق کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے کہا "مٹھو، صغیر سے بچ کے رہنا۔ وہ واقعی تمہاری گردن مروڑ دے گا۔ مجھے نہیں پتا تم نے اس کے ساتھ کیا ہے لیکن لگتا ہے کہ وہ بہت تکلیف میں تھا۔"

عنزیق نے معاذ کو جگایا اور اسے تمام واقعہ سنایا۔ اس نے کہا۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ روشنی سمندر سے گزرنے والے جہاز کی تھی۔ لیکن مجھے نہیں پتا دوسری روشنی کس چیز کی تھی۔ صغیر بتا رہا تھا کہ وہ بھی روشنی دیکھنے کے لیے نکلا تھا لیکن وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ روشنی وہ 'چیزیں' پیدا کر رہی ہیں جن کے بارے وہ اکثر گفتگو کیا کرتا

تھا۔ یا خدا! میں تو اس کے ہاتھوں قتل ہی ہو چلا تھا۔ اگر مٹھو نہ ہوتا تو وہ میرا پتا نہیں کیا حشر کرتا۔"

معاذ کہنے لگا۔ "شاباش جانثار مٹھو!" یہی الفاظ مٹھو نے خوش ہو کر کئی دفعہ دہرائے۔ عزیق پھر سے بستر میں گھس گیا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔ "میں تھکا ہوا ہوں اور جلد ہی سو جاؤں گا لیکن میرا دھیان جزیرے کی طرف سے ہٹتا ہی نہیں۔" لیکن چند لمحوں میں ہی وہ خرّاٹے مار رہا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا نقشہ بچھا ہوا ہے جس پر 'دکھ والا جزیرہ' نام کندہ ہے۔ پھر اس نے ایک کشتی اس کے ساحل سے لگتی دیکھی۔

پرویز صاحب نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ اکیلے کشتی سمندر میں سیر کے لیے لے جاسکتے ہیں۔ وہ صبح سویرے اپنے کام ختم کر کے نکل پڑے۔ اس دن صغیر بہت غصّے میں تھا۔ وہ آتے جاتے عزیق اور مٹھو کو گھور رہا تھا جیسے دونوں کو کھا جائے گا۔ پہلی دفعہ اس نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ چچی نے بھی تہیّہ کیا ہوا تھا کہ وہ صغیر سے کام کروائیں گی۔ لہٰذا انھوں نے اسے کام پر لگایا ہوا تھا۔ صغیر کو پتا

تھا کہ وہ انکار نہیں کر سکتا لہٰذا شرافت سے کام کر رہا تھا۔ بچے اس کی آنکھ بچا کر آرام سے نکل گئے۔ وہ سیدھے پرویز صاحب کے پاس پہنچے۔ وہ کہنے لگے۔ ”آج میں قصبے میں جا رہا ہوں۔ مجھے کچھ لکڑی، کیلیں اور انہیں ٹھوکنے کے لیے ایک ہتھوڑا خریدنا ہے تاکہ جھونپڑی کی مرمّت کر سکوں۔ اس کی دیوار کے کچھ اور حصّے گر گئے ہیں۔ میں نے رات پانی کی پھوار برداشت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ کیا تم میرے ساتھ قصبے میں چلو گے۔ تم اپنے لیے چیز خرید سکتے ہو۔“

عنزیق نے فوراً کہا۔ ”نہیں جناب۔ شکریہ۔ اس کی بجائے ہم کشتی کی سیر کرنا چاہیں گے۔ ویسے بھی پرویز صاحب آج بہت پر سکون دن ہے۔ ہم بہت محتاط بھی رہیں گے۔“

پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”اور تم اپنا وعدہ بھی نبھاؤ گے؟“ اور پھر غور سے اسے دیکھنے لگے۔ عنزیق نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ وہ سب اکٹھے بولے۔ ”ہم زیادہ دور نہیں جائیں گے۔“

پھر انہوں نے پرویز صاحب کو اپنی کار میں بیٹھ کر جاتے دیکھا۔ وہ جلد ہی اس

ناہموار سڑک پر گاڑی چلا رہے تھے جو قصبے کو جاتی تھی۔ بچے کشتی کے پاس گئے۔ پرویز صاحب نے اسے چٹانوں میں ایک خفیہ جگہ پر چھپا رکھا تھا۔ بچے ابھی تک یہ سمجھ نہیں پائے تھے کہ وہ کشتی کو وہاں چھپا کر کیوں کھڑا کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے سوچا کہ شاید چوری سے بچانے کے لیے احتیاط کرتے ہیں۔ انہیں تیر کر کشتی تک جانا پڑا۔ معاذ نے خشک کپڑوں والا تھیلا اپنی پشت کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ وہ چٹانوں کے پاس پہنچے اور چٹانوں کے درمیان جگہ بناتے ہوئے کشتی تک پہنچے۔ کشتی تند لہروں سے محفوظ کھڑی تھی۔ انہوں نے کپڑے تبدیل کیے اور گیلے تیراکی کے سوٹ کشتی میں پھینک دیے۔ پھر کشتی کو پانی میں اتارا۔ تھوڑی سی مشکل کے بعد وہ کشتی کو چلانے کے قابل ہو گئے اور اسے کھے کر چٹانوں سے دور لے گئے اور پھر کھلے سمندر میں پہنچ گئے۔ اب بادبان باندھنے کا مسئلہ تھا اور وہ بھی پرویز صاحب کی عدم موجودگی میں۔

عنزیق ہانپتے ہوئے بولا۔ ”ہمارے لیے یہ کافی آسان ہونا چاہیے۔ ہم نے کل ہی پرویز صاحب کے بغیر یہ سب کر لیا تھا۔“

وہ کشتی کی مختلف رسیوں سے دھینگا مشتی میں مصروف تھا لیکن کل پرویز صاحب ان کو ہدایات دیتے رہے تھے۔ لیکن آج ان کی مدد کے لیے کوئی نہیں تھا۔ وہ مشکل میں پھنسے ہوئے تھے۔ پھر بھی وہ وقت پر ہی بادبان کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ تزئین گرتے گرتے بچی۔ وہ بہت ناراض تھی۔ ”معاذ تم نے جان بوجھ کر مجھے دھکا دیا ہے۔ فوراً مجھ سے معافی مانگو۔ پرویز صاحب نے بھی کہا تھا کہ کشتی پر کوئی شرارت نہیں کرنی۔“

وہ اپنے بھائی سے پھر لڑ رہی تھی جو رسّیوں سے الجھا ہوا تھا۔ معاذ نے کہا۔ ”خاموش رہو، عنزیق میری مدد کرو۔“ وہ اچانک ایک رسی میں الجھ گیا تھا جس سے لگتا تھا کہ وہ الٹا لٹک جائے گا۔

عنزیق حکم دیتے ہوئے بولا۔ ”تزئین مجھے بیلچہ پکڑاؤ۔ میں بودی والے بچے کی مدد کرتا ہوں۔ تزئین کیا تم سن رہی ہو؟ مجھے بیلچہ دو تا کہ میں معاذ کی مدد کروں۔“

تزئین نے جب دیکھا کہ اس کا بھائی مصیبت میں ہے تو سب سے پہلے اس کی مدد کو پہنچی اور اسے آزاد کروایا۔ معاذ نے کہا۔ ”شکریہ۔ اب ان رسیوں کو کھینچو۔

میں نے ضرورت سے زیادہ کھول دی ہیں۔ کیا بادبان صحیح ہیں؟"

بادبان صحیح لگتے تھے۔ ہوا ان میں بھر گئی تھی اور کشتی پانی میں آگے بڑھنے لگی۔ بہت مزا آرہا تھا۔ بچے تنہا ہونے کی وجہ سے خود کو بہت اہم تصوّر کر رہے تھے کیونکہ وہ کشتی کا نظام خود سنبھالے ہوئے تھے۔ بچوں کے حساب سے تو یہ واقعی بہت بڑی کشتی تھی۔ عنزیق نے پانیوں کے پار اُدھر دیکھا جہاں دُکھ والا جزیرہ تھا۔ ایک دن وہ اس پر جائے گا تو پتا نہیں وہاں اسے کیا کچھ ملے گا۔ اس کے ذہن میں عظیم آک کی تصویر گھوم رہی تھی اور اسی تصوّر میں اس نے کشتی کو بالکل پیچھے موڑ دیا جس سے باقی بے خبر بچوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ معاذ غصّے سے بولا۔ "بے وقوف ذرا مجھے بیلچہ دینا۔ اگر تم نے بچوں کی سی حرکتیں نہ چھوڑیں تو ہم سب پانی میں ہوں گے۔"

عنزیق نے کہا۔ "مجھے معاف کر دو۔ میں سوچ رہا تھا کہ صغیر کی کشتی کو کیسے اڑاؤں۔ معاذ تم کیا سمجھتے ہو ہمیں یہ کام کرنا چاہیے؟ میرا خیال ہے دو یا تین دنوں میں۔"

معاذ نے کہا۔ ”میرا خیال ہے دو تین دنوں میں ہم صغیر کی کشتی چلانے کے قابل ہو جائیں گے۔ مشق ہو گئی تو یہ بہت آسان کام ہو گا۔ مجھے ہوا مانوس لگنے لگی ہے اور میں کشتی چلانے کا ماہر ہوتا جا رہا ہوں لیکن بے چاری نایاب یہ نہیں کر سکتی۔ اب دیکھو سمندر کی آب و ہوا سے اس کی طبیعت پھر خراب ہو رہی ہے۔“

نایاب حوصلے سے بولی۔ ”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

پھر وہ ایک بھنور کے قریب پہنچے اور نایاب کے معدے میں گڑبڑ شروع ہو گئی۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو اسے دوسروں سے جدا رکھ سکتی چاہے وہ بیمار ہو بھی جاتی۔ نایاب خاصی حوصلہ مند لڑکی تھی۔ کچھ دیر بعد بچوں نے بادبان لپیٹ دیے اور چپو چلانے لگے۔ انہیں اپنا وعدہ یاد تھا۔ اس لیے وہ زیادہ دور نہیں گئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ان کے اپنے لیے بہت ضروری تھا کہ وہ فی الحال کشتی چلانے میں مہارت حاصل کریں۔ وہ کشتی کو بار بار موڑتے رہے۔ جلد ہی وہ آسانی سے کشتی کو چلانے لگے۔ وہ جس سمت میں چاہتے کشتی کو موڑ لیتے۔ انہوں نے ایک دفعہ پھر بادبان پھیلائے اور کشتی کو ساحل کی طرف موڑ دیا۔ وہ بہت

فخریہ انداز سے کشتی میں کھڑے تھے۔

واپسی پر انہوں نے دیکھا کہ پرویز صاحب ساحل پر کھڑے ان کی طرف ہاتھ ہلا رہے تھے۔ وہ واپس آ چکے تھے۔ بچے کشتی کو ساحل پر لے گئے اور کشتی کو خشکی پر کھینچ لیا۔

پرویز صاحب نے کہا۔ "بہت اچھے۔ میں سمندر میں تمہیں دیکھ رہا تھا۔ تم نے بہت اچھی کشتی چلائی۔ کل دوبارہ سیر کرنا۔"

عنزیق نے کہا۔ "شکریہ۔ لیکن آج سہ پہر کیوں نہ ایک دفعہ پھر ہم مشق کریں۔ تزئین اور نایاب نہیں آ سکیں گی کیونکہ یہ گھر کے کاموں میں چچی کی مدد کروائیں گی۔ میں اور معاذ آ جائیں گے۔"

لڑکیاں اچھی طرح جانتی تھیں کہ عنزیق دیکھنا چاہتا ہے کہ صغیر کی کشتی میں بیٹھنے سے پہلے وہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ اکیلے کشتی کو سنبھال سکتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے وہ دونوں چُپکی بیٹھی رہیں حالانکہ وہ بھی آنا چاہتی تھیں۔

پرویز صاحب نے اجازت دے دی کہ اگر لڑکے چاہیں تو کشتی سہ پہر کو چلا سکتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ نہیں آ سکیں گے۔ ”میں اپنے وائرلیس سیٹ کو ٹھیک کروانے جا رہا ہوں۔ یہ خراب ہو گیا ہے۔؛

پرویز صاحب کے پاس ایک شاندار وائرلیس سیٹ تھا۔ لڑکوں نے اتنا اچھا سیٹ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ جھونپڑی کے پچھواڑے میں نصب تھا اور وہاں سے کوئی اسٹیشن ایسا نہیں تھا جس کو پرویز صاحب سن نہ سکیں۔ وہ بچوں کو کبھی اسے چھونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ عنزیق خوشی سے بولا۔ ”ہم سہ پہر کو آ جائیں گے۔ پرویز صاحب کشتی دینے کے لیے بہت شکریہ۔“

پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”یہ میرے لیے خوشی کا باعث ہے۔“

مٹھو کو یہ الفاظ پسند آئے اور وہ انہیں فوراً دُہرانے لگا۔ ”یہ میرے لیے خوشی کا باعث ہے۔ یہ میرے لیے خوشی کا باعث ہے۔۔۔۔ بے چارہ مٹھو۔ اپنے پاؤں صاف کرو۔ برا نہ مناؤ۔ یہ میرے لیے خوشی کا باعث ہے۔“

عنزیق بولا۔ ”اس کی باتوں نے مجھے یاد دلا دیا۔“ اُسے رات کو ہونے والا واقعہ یاد

آ گیا۔ وہ کہنے لگا۔ ”پرویز صاحب۔ ذرا سنئے۔“

پھر اس نے رات کے کارنامے کے متعلق ساری تفصیلات پرویز صاحب کو سنائیں اور پرویز صاحب بڑے انہماک سے سنتے رہے۔ انہوں نے پوچھا۔

”تو تم نے روشنیاں دیکھیں، سمندر میں اور چٹان پر؟ بہت دلچسپ بات ہے۔ میں حیران نہیں ہوں کہ تم کیوں اس معاملے میں دلچسپی لے رہے تھے۔ صغیر کو بھی شاید تم جیسا ہی تجسس تھا۔ لیکن میں تمہیں نصیحت کروں گا کہ تم اپنی بساط سے زیادہ صغیر سے دشمنی نہ بڑھاؤ۔ مجھے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں لگتا۔ وہ مجھے کوئی خطرناک لگتا ہے۔“

معاذ نے وضاحت کرتے ہوئے لب کشائی کی۔ ”وہ پاگل بھی ہے اور بچوں سے نفرت کرتا ہے۔ وہ بے وقوف بھی ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ اس میں اتنی جرأت ہے کہ ہمیں نقصان پہنچا سکے۔ وہ سالوں سے ہمارا ملازم ہے۔“

پرویز صاحب حیرت سے بولے۔ ”کیا وہ تمہارا ملازم ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ تمہارے بڑے صغیر کے علاوہ کسی ملازم کو نہیں ڈھونڈ سکتے۔ اگر وہ نوکری چھوڑ

دے پھر بھی تمہیں اس سے احتیاط کرنی چاہیے۔“

لڑکے اور لڑکیاں واپس چل دیے۔ معاذ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ صغیر کے بارے میں پرویز صاحب کی دھمکی پر ہنسے لیکن عنزیق نے اس نصیحت کو دل پر لیا۔ وہ ابھی بھی خوف کی اس لہر کو نہیں بھولا تھا جو اس کے جسم میں سرایت کر گئی تھی جب صغیر نے اسے پکڑا تھا۔

عنزیق نے سوچا۔ ”لگتا ہے پرویز صاحب صحیح کہہ رہے ہیں۔ صغیر واقعی بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔“ یہ سوچ کر اس نے ایک جھرجھری سی لی۔

حیرت انگیز دریافت

اگلے تین دن بچے بڑی محنت سے کشتی کھیتے رہے حتیٰ کہ وہ پرویز صاحب کی کشتی چلانے میں ماہر ہو گئے اور اسی مہارت سے کشتی کو سنبھالنے لگے جیسے خود پرویز صاحب سنبھالتے تھے۔ پرویز صاحب بھی بہت خوش تھے وہ کہنے لگے۔ "مجھے ایسے بچے بہت اچھے لگتے ہیں جنہیں خواہ مشکل کام بھی دیا جائے تو وہ بخوبی اسے سنبھالیں۔ اور تو اور مٹھو بھی تمہاری مدد میں جتا ہوا ہے اگرچہ آدھا وقت وہ خود کو گرنے سے بچانے میں صرف کرتا ہے پھر بھی وہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑتا۔ اور

نایاب سب سے بہادر ہے جو سمندر میں آکر بیمار ہونے کے باوجود تمہارے ساتھ ہی وقت گزارتی ہے۔"

اس دن سہ پہر میں انہوں نے صغیر کو دیکھا۔ وہ مکان کے پچھواڑے میں کنویں سے پانی نکال رہا تھا۔ بچے چپکے سے اس کی کشتی کا جائزہ لینے گئے تاکہ اندازہ لگا سکیں کہ کیا وہ واقعی تنہا اس کشتی کو سنبھال سکتے ہیں یا نہیں وہ کھڑے کشتی کو پانی میں ہچکولے لیتے دیکھتے رہے۔ اگرچہ وہ پرویز صاحب کی کشتی سے بڑی تھی لیکن اتنی بڑی بھی نہیں تھی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ کشتی سنبھال لیں گے۔ عنزیق کہنے لگا۔

"کیا ستم ظریفی ہے کہ مٹھو کشتی نہیں کھے سکتا ورنہ ہم اسے تیسرا چپو دیتے اور یہ بھی ہماری مدد کرتا۔"

معاذ نے پیار سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "بے وقوف۔"

وہ مٹھو کو نایاب اور عنزیق کی طرح ہی پیار کرتا تھا۔ توتا اس کی آواز سن کر اس کے پاس چلا گیا۔ معاذ بولا "میرا خیال ہے صغیر آج قصبے کو جا رہا ہے اور اس کی

کشتی چلانے کے لیے بے چین ہو رہا ہوں۔ کیا تم بھی اسی طرح سوچ رہے ہو عنزیق۔"

عنزیق نے کہا۔ "تو اور کیا۔ میں تو ہر وقت یہی سوچتا رہتا ہوں۔ اور عظیم آک کے بارے میں بھی جسے میں خود آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ اب مجھے دوبارہ خوشی تبھی ملے گی جب میں اسے قریب سے دیکھ لوں گا۔"

معاذ کہنے لگا۔ "لیکن مجھے یقین نہیں کہ تم اسے ڈھونڈ سکتے ہو۔ لیکن اگر واقعی تم اسے تلاش کر لو گے اور وہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہارے ساتھ آئے گا تو کمال ہو گا۔ لیکن کیا اس پرندے سے مٹھو حسد میں مبتلا نہیں ہو جائے گا۔"

پھر بچوں کو ان کی من چاہی خوشی مل ہی گئی جب چچی نے اعلان کیا کہ "آج صغیر چیزیں خریدنے کے لئے قصبے کی طرف جائے گا۔ لہٰذا اگر کسی بچے نے کوئی چیز منگوانی ہے تو اسے لکھوا دو ویسے تو اس کے پاس جو فہرست ہے وہ بہت لمبی ہے لیکن پھر بھی جو چیز لکھوانی ہے اس کے پیسے صغیر کو دے دے۔"

انہوں نے صغیر کو ٹارچ میں ڈالنے کے لیے بیٹری لانے کو کہا۔ تزئین رات کو

ٹارچ جلتا چھوڑ کر سو گئی تھی جس کی وجہ سے بیٹری ختم ہو گئی تھی۔ لٰہذا اب اسے نئی بیٹری کی ضرورت تھی عنزیق نے کیمرے کے لیے فلم منگوائی۔ وہ سمندری پرندوں کی تصاویر تواتر سے لیتا رہا تھا۔ اس لیے جزیرے کے لیے وہ نئی فلم ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ اگلے دن وہ دم سادھے صغیر کے جانے کا انتظار کرتے رہے لیکن صغیر شاید جان بوجھ کر آہستگی سے سارے کام کر رہا تھا۔ آخر کار اس نے کار سٹارٹ کی اور ٹوٹے پھوٹے گیراج سے باہر نکالی جہاں وہ خود بھی رہتا تھا۔

''اب مہربانی فرما کر کوئی نئی شرارت نہ کرنا۔ میں قصبے میں جا تو رہا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے دانت پیسے۔ شاید اسے بھی محسوس ہو گیا تھا کہ بچے اس کے جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ معاذ بولا۔ ''تم بھی خوش رہنا، ہم کوئی شرارت نہیں کرتے۔ لیکن ذرا مہربانی کرنا اور جلدی واپس نہ آ جانا تا کہ ہمیں بھی کچھ وقت چین سے گزارنا نصیب ہو۔''

صغیر بڑبڑایا اور پھر اپنی معمول کی رفتار سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ معاذ کہنے لگا۔ ''پتا نہیں ان کھڈوں سے یہ کار ٹوٹ کر بکھرتی کیوں نہیں۔'' وہ کار کو آنکھوں

سے اوجھل ہوتا دیکھتا تھا پھر وہ کہنے لگا۔ ”لو وہ تو دفعان ہو گیا ہے۔ ہمارے ہاتھ موقع لگ گیا ہے۔ اب بتاؤ کیا کرنا ہے؟“

انتہائی پُرجوش بچے ساحل کی طرف دوڑے اور بڑی کشتی کے پاس پہنچے۔ لڑکے اس میں سوار ہو گئے۔ تزئین نے اس کی رسّی کھولی اور اسے آگے کی جانب دھکیل دیا۔ نایاب بے چاری نے پکارا۔ ”اپنا خیال رکھنا۔“ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ زبردستی چھلانگ لگا کر کشتی میں سوار ہو جائے۔

عنزیق نے کہا۔ ”ٹھیک ہے“۔

اور اس کے شانے پر بیٹھے مٹھو نے ٹھیک ہے کی گردان شروع کر دی اور پھر بولا۔ ”اپنے پاؤں صاف کرو۔ دروازہ بند کر دو۔“ وغیرہ وغیرہ۔ لڑکیاں لڑکوں کو زور زور سے چپو چلاتے دیکھتی رہیں اور پھر انہوں نے دیکھا کہ انہوں نے بادبان کھول لیا ہے جس سے وہ سمجھ گئیں کہ کشتی کھلے سمندر میں پہنچ گئی ہے۔ ہوا بہت تیز تھی اور وہ کشتی بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ نایاب نے دعا دیتے ہوئے کہا۔ ”اے اللہ دکھ والے جزیرے سے عنزیق کو عظیم آک بھی مل

جائے۔"

تزئین نے کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا البتہ انہیں جزیرے پر جانے کے لئے راستہ مل جائے۔ ابھی تو وہ کشتی اچھی طرح سنبھال رہے ہیں۔"

عظیم آک کے متعلق اسے پتا تھا کہ کوئی معجزہ ہی ایسے پرندے کو ڈھونڈ سکتا ہے۔ نایاب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اس کی آنکھیں کشتی کا تعاقب کر رہی تھیں جو اب بمشکل دکھائی دے رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ دھند اس پر غالب آ رہی تھی۔

اِدھر لڑکوں کو بہت مزا آ رہا تھا۔ انہیں محسوس ہوا کہ اگرچہ صغیر کی کشتی بڑی ہے اور اسے سنبھالنا مشکل بھی ہے لیکن پھر بھی وہ اسے سنبھال سکتے ہیں۔ ہوا خاصی تیز تھی اور وہ سمندر میں اڑے جا رہے تھے۔ کشتی کے اوپر نیچے ہونے سے لڑکے حِظ اٹھا رہے تھے۔ وہ ہوا کی سیٹیاں بھی سن رہے تھے اور پیچھے آتی لہروں کو اپنا تعاقب کرتے بھی دیکھ رہے تھے۔ عزیق بولا۔ "کشتی کی سیر سے زیادہ مزا کسی چیز میں نہیں ملتا۔ میں بھی ایک دن اپنی کشتی خریدوں گا۔"

معاذ کہنے لگا۔ ”یہ تو بڑی مہنگی ملتی ہے۔“

عزیق بولا۔ ”تب تک میں پیسے کمانے لگوں گا۔ پھر میں اپنے لیے کشتی خریدوں گا اور اَن جانے جزیروں کی سیر کو جاؤں گا جہاں صرف پرندے رہتے ہوں۔ اور پُر لطف وقت گزاروں گا۔“

لیکن جیسے ہی وہ جزیرے کے پاس پہنچے انہیں لہروں کے چٹانوں سے ٹکرانے سے پیدا ہونے والا غضبناک شور سنائی دیا۔ پھر اچانک جزیرہ ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اور ہر طرف لڑکوں پر پانی کی پھوار پڑنے لگی۔ اچانک معاذ چلایا۔ ”کشتی پر دھیان دو۔ ہم سیدھے چٹانوں سے ٹکرانے والے ہیں۔ بادبان اُتارو۔ ہمیں چپّو چلانے پڑیں گے۔ یہ بہت تیز ہوا ہے۔ ہم اتنی تیز ہوا میں کشتی نہیں سنبھال سکتے۔“

انہوں نے بادبان اتار لیے اور چپوؤں سے کشتی کھینے لگے۔ عزیق اس اونچی پہاڑی کو ڈھونڈ رہا تھا جو کہ اس نے نقشے میں دیکھی تھی مگر اسے ڈھونڈنا آسان نہ تھا۔ یہاں تمام پہاڑیاں ایک ہی بُلندی کی دکھائی دے رہی تھیں۔ لڑکے کشتی کو

چٹانوں کے بنے دائرے کے ارد گرد کھیتے رہے۔ وہ لہروں کے اس زبردست بہاؤ سے بچ رہے تھے جو کشتی کو زبردستی جزیرے کی طرف کھینچ لے جارہا تھا۔ اچانک عزیق بولا۔ "وہ دیکھو اونچی پہاڑی۔ اپنے بائیں طرف دیکھو۔ کشتی کو اُدھر لے جانے کی کوشش کرو۔ مجھے یقین ہے وہی ہماری مطلوبہ پہاڑی ہے۔"

وہ ہانپتے کانپتے پوری طاقت سے چپّو چلاتے رہے اور پھر جب وہ پہاڑی کے بالکل سامنے آ گئے تو انہوں نے چٹانوں کے درمیان راستہ ڈھونڈ لیا۔ یہ بہت ہی تنگ راستہ تھا لیکن جزیرے تک پہنچنے کا واحد ذریعہ تھا جہاں سے کشتی گزر سکتی ہو۔ پھر معاذ نے متنبہ کرتے ہوئے کہا۔ "عزیق یہ بہت مشکل جگہ ہے۔ ہو سکتا ہے ہم راستے سے ہٹیں اور چٹانوں سے جا ٹکرائیں۔ اگرچہ راستے میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آ رہی لیکن ہو سکتا ہے کہ پانی کے نیچے چھپی ہوئی چٹانیں ہوں اور وہ ہماری کشتی کے پیندے میں چھید کر دیں۔"

لیکن عزیق بہت خبردار تھا۔ ہر چیز کا دارومدار ان کے جزیرے پر پہنچے سے تھا۔ لڑکوں کے چہرے پریشان اور ستے ہوئے تھے۔ وہ بہت ہی احتیاط سے کشتی

چلاتے رہے۔ مٹھو بھی دم سادھے بیٹھا تھا۔ اسے احساس تھا کہ لڑکے مشکل میں ہیں۔ راستہ بہت تنگ لیکن طویل تھا اور وہاں سے کشتی کو گزارنا بہت مشکل کام تھا۔ پانی کی لہروں کے بہاؤ بالکل مختلف سمتوں میں تھے اور کشتی کو بہالے جارہے تھے۔ پھر لڑکوں کو محسوس ہوا کہ کشتی کا پیندا نیچے پتھروں سے لگ رہا ہے۔ دراصل وہ جزیرے کے راستے تک پہنچ گئے تھے۔ معاذ کہنے لگا۔ ”بہت مشکل سے بچے ہیں۔ کیا تم نے پیندے کے نیچے گڑگڑاہٹ سنی تھی؟“

عنزیق نے کہا۔ ”بالکل۔ میں نے بھی محسوس کیا تھا لیکن اب سب ٹھیک ہے اور سب سے زبردست بات یہ ہے کہ ہم پرسکون سمندر کے پانیوں میں ہیں!“

”چٹانوں کے دائرے سے آگے راستے میں نیلا پانی بہت خاموشی سے بہہ رہا تھا اور سورج کی کرنیں اس میں چمک پیدا کر رہی تھیں۔ یہ بہت حیران کُن نظارہ تھا کہ لہروں اور سمندر کی متلاطم شوریدہ موجوں کے درمیان پانی اتنے سکون سے بہہ رہا تھا۔ متلاطم موجوں کی گھن گرج ابھی بھی ان کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ معاذ خوشی سے کہنے لگا۔ ”اب جزیرہ دور نہیں ہے۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔ کم

از کم میرے بازو تو شل ہو چکے ہیں لیکن اب جزیرے تک تو پہنچنا ہی ہے۔ مجھ سے تو صبر نہیں ہو رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم جلد سے جلد جزیرے پر پہنچیں۔"

انہوں نے کشتی کھڑی لنگر انداز کرنے کے لیے محفوظ جگہ چنی۔ جزیرے پر جا بجا چٹانیں تھیں لیکن ایک جگہ چٹانوں میں وقفہ تھا اور ریت چمک رہی تھی۔ لڑکوں نے کشتی وہاں لنگر انداز کرنے کی ٹھانی۔ اگرچہ کشتی کو ساحل پر ریت والی جگہ پر لنگر انداز کرنا بہت آسان تھا پھر بھی انہیں اپنی پوری طاقت صرف کرنا پڑی۔ پھر کہیں وہ ریت پر کشتی کو چڑھا سکے۔ وہ پرویز صاحب سے بہت کچھ سیکھ بھی چکے تھے لہٰذا جلد ہی وہ جزیرے پر گھوم پھر رہے تھے۔ انہوں نے خالی جگہ کے پیچھے پہاڑی کے اوپر تک سفر کیا اور پھر جزیرے کے گرد و نواح پر نظر دوڑائی۔ سب سے پہلے ان کی نظر ان گنت پرندوں پر پڑی، جو جزیرے میں موجود تھے۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ ہر رنگ و شکل کے۔ ہر قسم اور ہر لمبائی چوڑائی کے۔ وہ بے انتہا شور مچا رہے تھے۔ انہوں نے لڑکوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی صرف کھڑے ان کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے

انہوں نے پہلے کسی انسانوں کو نہیں دیکھا تھا اسی وجہ سے وہ لڑکوں سے خوفزدہ بھی نہیں تھے۔ لیکن جیسے لڑکے ان کے قریب پہنچے وہ انہیں دیکھ کر اُڑ گئے۔ وہ اتنے ہی نامانوس دکھائی دے رہے تھے جتنا یہ سارا ساحل۔ عزیق بہت مایوس ہوا اور کہنے لگا۔ ”میں ہمیشہ ایسی جگہ کے پرندوں کے بارے میں سوچا کرتا تھا جہاں کبھی کسی انسان کے قدم نہ پہنچے ہوں۔ وہ انسانوں کو دیکھ کر خوفزدہ نہیں ہوتے۔ لیکن یہ تو جنگلی ہیں۔ لگتا ہے یہ ہمیں نزدیک نہیں آنے دیں گے۔“

وہاں کچھ درخت بھی نظر آرہے تھے اور ان کے نیچے ہوا سے بچنے کے لیے پناہ گاہوں جیسی جگہیں بھی بنی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں گھاس اگی ہوئی تھی جس کی پتیاں نوکیلی تھیں اور پیروں کے نیچے چبھتی تھیں۔ لڑکے چٹان سے اترے اور جزیرے پر چلنے لگے۔

ہزاروں پرندوں کے شور سے ان کے کان بہرے ہو رہے تھے۔ وہ چٹان سے اتر کر جزیرے کے عین وسط میں پہنچ گئے۔ عزیق نے کہا۔ ”میں وہ مضحکہ خیز عمارتیں بھی دیکھنا چاہتا ہوں جو میں نے عینک کی مدد سے اس جزیرے پر دیکھی

تھیں۔ لیکن سب سے پہلے میں عظیم آک کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ ابھی تک مجھے اس کے آثار کہیں دکھائی نہیں دیے۔ حالانکہ دوسرے سب پرندے جو ہم گھر سے دیکھ سکتے ہیں وہ یہاں موجود ہیں۔"

عزیق ہر لمحے امید کر رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت عظیم آک کو دیکھ سکتا ہے۔ اسے قطعی امید نہیں تھی کہ وہ عظیم آک کے جھنڈ کے جھنڈ دیکھے گا۔ اسے تو آس تھی کہ وہ کسی ایک پرندے کو ہی دیکھ لے۔ وہی عمر بھر کے لیے کافی ہو گا۔ وہاں عظیم آک کے مشابہ کافی سے دوسرے پرندے موجود تھے جن کی چونچیں عجیب و غریب تھیں۔ یہ سمندری پرندوں کے لیے جنت کا ٹکڑا تھا۔ عزیق کی خواہش تھی کہ کاش وہ تین چار روز مسلسل جزیرے پر رہے، پرندوں کو دیکھے اور تصویریں کھینچے وہ چٹانوں کے قریب آئے اور ان کے درمیان ایک راستہ دیکھا۔ یہاں گھاس زیادہ تھی اور پھول بھی کھلے ہوئے تھے جو کہ گلابی اور کئی رنگوں کے تھے۔ پہاڑوں کے درمیان ایک وادی تھی جس میں ایک ندی بہہ رہی تھی۔ یہ ندی سمندر میں جا گرتی تھی۔ لڑکے اسے دیکھنے گئے۔ ندی کا رنگ

بہت حیران کن تھا۔ عنزیق حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ "یہ تو تانبے کی طرح سرخی مائل ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسا کیوں ہے اور کیا تم دیکھ رہے ہو چٹانوں کا رنگ کیسے تبدیل ہو گیا ہے؟ اب وہ سیاہی مائل نہیں بلکہ سرخی مائل ہیں اور کئی ایک فیروزوں کی طرح سبزی مائل بھی ہیں۔ یہ بہت حیرت انگیز چیز ہے۔ ہے نا؟"

معاذ کہنے لگا۔ "مجھے یہ جزیرہ بالکل اچھا نہیں لگا۔ یہاں تنہائی ہے اور فضا میں افسردگی چھائی ہوئی ہے۔"

عنزیق بولا۔ "دراصل تم صغیر کی گھڑی ہوئی خوفناک کہانیاں غور سے سنتے رہے ہو۔" وہ ہنستا ہوا بولا حالانکہ وہ اس جزیرے پر اترنے کے بعد اسے زیادہ پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ اتنا ویران تھا کہ سمندری پرندوں کی آوازوں کے علاوہ اور کوئی آواز کانوں میں نہیں پڑتی تھی۔ پھر وہ ایک چٹان پر آدھی اونچائی پر چڑھا تا کہ عمارتیں دیکھ سکیں۔ دور سے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا کہ آخر وہ کس مقصد کے لیے بنائی گئی ہیں۔ وہ بہت قدیم تھیں اور ٹوٹ پھوٹ چکی تھی اور صرف پتھروں

کے ڈھیر دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ شاید کبھی یہاں کوئی ذی روح نہیں رہا اور پھر ان عمارتوں کے قریب ہی ایک عمارت میں معاذ نے ایک حیرت انگیز چیز دیکھی۔ اس نے جوش کے عالم میں عنزیق کو آواز دی۔ ”عنزیق جلدی آؤ۔ دیکھو یہاں کتنا بڑا اور گہرا گڑھا ہے جو شاید زمین کی تہہ تک جارہا ہے۔“

عنزیق دوڑ کر گڑھے کے قریب پہنچا۔ یہ بہت گہرا گڑھا تھا جو گولائی میں تقریباً چھ فٹ تھا اور زمین میں اتنا گہرا جارہا تھا کہ لڑکوں اس کی تہہ تک نہیں دیکھ سکتے تھے۔

معاذ پوچھنے لگا۔ ”اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ کیا یہ کنواں ہے؟“

لڑکوں نے ایک پتھر اس کے اندر پھینکا تا کہ اگر یہ پانی کا کنواں ہے تو پتھر کے پانی میں گرنے سے آواز آئے گی یا لہر اٹھے گی۔ لیکن انہیں کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ یا تو وہ پانی کا کنواں تھا ہی نہیں یا وہ اتنا گہرا تھا کہ پتھر کے گرنے کی آواز وہ سن کر سکے۔ معاذ نے کہا۔ ”دیکھو یہاں دیوار کے ساتھ سیڑھی لگی ہوئی ہے۔ یہ ہے تو پرانی اور ٹوٹی ہوئی لیکن اس گڑھے کی گہرائی تک جاتی دکھائی دے رہی

ہے۔"

عزیق حیران ہو کر بولا۔ "یہ کوئی راز ہے۔ آؤ اسے قریب سے دیکھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے اس راز کا عقدہ کھلے۔ اتنے ویران جزیرے میں اتنی گہرائی تک ایک سیڑھی جا رہی ہے تو آخر اس کا مقصد کیا ہے۔"

صغیر کی ناراضگی

لڑکے حیرت سے ششدر رہ گئے۔ وہاں کتنے ہی ایسے تاریک کنویں تھے اور وہ سب ان عجیب و غریب پرانی عمارتوں کے قریب تھے۔ عزیق کہنے لگا۔ ”یہ کنویں تو نہیں ہو سکتے کیونکہ کوئی اتنے کنویں کھود کر کیا کرے گا؟ یہ ضرور پُلیاں ہیں جو زمین میں گہرائی تک کس خاص مقصد کے لیے بنائی گئی ہیں اور جنہیں انگریزی میں Shaft کہتے ہیں۔“

معاذ نے پوچھا۔ ”کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہاں کبھی کانیں ہوا کرتی تھیں؟“

یہ سوال معاذ نے اس لیے پوچھا تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ کوئلے کی کانوں میں ہمیشہ اس طرح کی شافٹیں یا پائپ لگے ہوتے ہیں جنہیں زمین میں بڑی گہرائی تک کھودا جاتا ہے تاکہ انسان ان کانوں میں اتر کر مشینوں کے ذریعے کوئلہ نکال سکیں۔ اس نے دوبارہ پوچھا۔ ”کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں پرانی کانیں موجود ہیں مثلاً کوئلے کی کانیں۔“

عزیق کہنے لگا۔ ”نہیں کوئلے کی نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس چیز کی کانیں ہو سکتی ہیں؟ ہمیں یہ گتھی سلجھانی ہو گی۔ میرا خیال ہے چچا اس بارے میں جانتے ہیں لیکن یہ معجزہ بھی ہو سکتا ہے کہ کانیں سونے کی ہوں۔ ابھی کیا کہا جا سکتا ہے۔“

معاذ نے کہا۔ ”اگر یہ کانیں ہیں تو ان میں سو سال پہلے ہی کام بند ہو چکا ہے۔ اب یہاں سونا کہاں۔ اگر ہوتا تو ابھی بھی یہاں کام جاری ہوتا۔ اب کیا ارادے ہیں؟ کیا ہم نیچے اتر کر دیکھیں کہ ان میں کیا ہے؟“

عنزیق نے مشکوک لہجے میں کہا۔ "میں نہیں جانتا۔ یہ سیڑھیاں بہت پرانی اور خستہ حال ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ ٹوٹ جائیں اور ہم ہزاروں فٹ نیچے جا گریں اور دوبارہ اوپر نہ آسکیں۔"

مٹھو نے تبصرہ کیا۔ "بہت افسوس کی بات ہے۔ بہت افسوس کی بات ہے۔"

معاذ بولا۔ "واقعی یہ افسوس کی بات ہو گی۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ ہم یہ ارادہ ہی ترک کر دیں۔ لیکن عنزیق ادھر دیکھو۔ یہ پہلی پُلی باقی پلیوں سے بڑی ہے۔"

لڑکوں نے اس بڑی پلی کے سوراخ میں جھانکا۔ اس سوراخ میں سیڑھی بھی دوسری سیڑھیوں سے مضبوط تھی وہ سیڑھی سے نیچے اترے۔ ان کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا اور وہ جلدی سے واپس اوپر چڑھ آئے۔ انہیں اتنی تاریکی اور گہرائی میں سانس بند ہوتی محسوس ہوئی۔ انہیں ایک اور ایسی چیز ملی جس سے انہیں جتنی حیرت ہوئی وہ پلیوں اور سیڑھیوں کو دیکھ کر بھی نہیں ہوئی تھی۔ کچھ ہی دور ایک چٹان نما ٹیلے کے قریب انہوں نے استعمال شدہ چیزوں کا ڈھیر دیکھا۔ وہ چیزیں چبائی ہوئی گوشت کی ہڈیاں اور کھائے ہوئے پھلوں کے چھلکے تھے۔ یہ بہت ہی

حیرت انگیز دریافت تھی۔ لڑکوں کو اپنی بینائی پر شبہ ہو رہا تھا۔ وہ آنکھیں مل مل کر دیکھ رہے تھے۔ مٹھو تو اڑ کر ان کے قریب پہنچ گیا کہ شاید کوئی کیلا یا سنگترہ بچ گیا ہو۔ آخر عزیق بولا۔ ”اب سوچو کہ یہ چیزیں کہاں سے آئی ہیں؟ عجیب بات یہ ہے کہ کچھ دھاتی ڈبّے تو بہت زنگ آلود ہیں لیکن باقی بالکل نئے ہیں۔ یہ اس ویران جزیرے پر کیسے آ سکتے ہیں؟ اور جو بھی انہیں لے کر آیا ہے وہ کہاں ہے؟“

معاذ نے کہا۔ ”یہی تو راز کی بات ہے۔ آؤ ذرا وہاں جا کر غور سے دیکھیں۔ شاید کوئی نظر آ جائے۔ لیکن ہمیں ذرا احتیاط کرنی ہو گی کیونکہ یہ بالکل واضح ہے کہ جو بھی یہاں رہتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ کسی کو اس کا پتا چلے۔“

لڑکوں نے احتیاط سے جزیرے کا چکر لگایا لیکن انہیں نہ تو کوئی انسان نظر آیا اور نہ ہی کوئی ایسی چیز نظر آئی جس سے ان استعمال شدہ چیزوں کا راز کھل سکے۔ وہ پہلے ہی سمندر کے قریب چٹانوں کے سرخ رنگ کے بارے میں حیران تھے اور اس سے بڑھ کر بھی اس ندی کے پانی کی سرخ رنگت کے بارے میں بھی جو

جزیرے کے بچوں بیچ گزرتی تھی۔

سمندر کے قریب ہزاروں کی تعداد میں پرندے تھے اور عنزیق ایک مشاق تجزیہ نگار کی طرح ان میں سے عظیم آک کو ڈھونڈتا رہا لیکن وہ ایک بھی آک نہ ڈھونڈ سکا۔ یہ اس کے لیے بہت مایوس کن بات تھی۔ معاذ نے پوچھا۔ ”تم نے کوئی تصویر نہیں کھینچی۔ جلدی کرو۔ ہم زیادہ دیر اس جزیرے پر نہیں ٹھہر سکتے۔“

عنزیق کہنے لگا۔ ”میں نے چند تصویریں کھینچی ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ ایک ٹیلے کے پیچھے چھپ کر پرندوں کے ننھے مُنّے بچوں کی تصویریں کھینچنے لگا اور جب فلم تقریباً مکمل ہو گئی تو اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ وہ کہنے لگا۔ ”میں ان استعمال شدہ چیزوں کی تصویریں بھی کھینچ لوں تا کہ لڑکیاں بھی اسے دیکھ کر ہماری باتوں کا یقین کر لیں وگرنہ ہو سکتا ہے وہ ان عجیب و غریب باتوں پر یقین ہی نہ کریں۔ بہتر ہے کہ انہیں دکھانے کے لیے اس اشیا کی تصاویر لے لیں جائیں۔“

اس نے تصویریں لیں اور آخری بار بڑی پلی کی طرف دیکھا۔ پھر دونوں لڑکے کشتی کی طرف روانہ ہوگئے جو پانی کی دسترس سے تھوڑی ہی دور ریت پر موجود تھی۔ عزیق نے کہا۔ "اب دعا کرو کہ ہم بخیر گھر پہنچ جائیں۔ پتا نہیں صغیر واپس آیا ہوگا ہے یا نہیں۔ میں تو دعا ہی کر سکتا ہوں کہ اگر لڑکیوں کا اس سے پالا پڑ گیا ہو تو وہ اس سے نمٹ لیں۔"

انہوں نے کشتی کو پانی میں دھکیلا اور پھر پرسکون پانیوں سے ہوتے ہوئے چٹانوں سے نکلنے والے راستے پر لے آئے جہاں پانی کی لہروں کی بوچھاڑ دور دور تک پانی کی بوچھاڑ برسا رہی تھیں۔ انہوں نے کسی نہ کسی طرح چٹانوں سے خود کو بچایا۔ ایک دفعہ پھر کشتی کا پیندا پتھروں سے چھوتے ہوئے گزرا۔ اس کے علاوہ وہ بآسانی اس راستے سے نکل گئے۔ پھر سمندر میں انہیں کچھ مشکل در پیش آئی کیونکہ آج سمندر اتنا پرسکون نہیں تھا۔ ہوا اپنا رُخ بدل چکی تھی اور سمندر کی لہریں بے رحم ہو رہی تھیں۔ انہوں نے بادبان کھول دیے اور نہایت مہارت سے کشتی کھیتے ہوئے گھر پہنچے۔ انہوں نے سمندری ہواؤں کی درشتگی اپنے گالوں

پر برداشت کی اور پانی کی ساری بوچھاڑ اپنے چہروں پر۔

کچھ دیر بعد جب وہ گھر کے قریب ساحل پر پہنچے تو انہوں نے دونوں لڑکیوں کو اپنا منتظر پایا۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا رہی تھیں۔ عنزیق اور معاذ نے بھی انہیں دیکھ کر جوابی ہاتھ ہلائے۔ پھر انہوں نے کھینچ کر کشتی محفوظ جگہ پر کھڑی کی اور اسے باندھ دیا۔

نایاب چلا کر بولی۔ ”کیا تم عظیم آک کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے عنزیق؟“

معاذ نے پوچھا۔ ”کیا صغیر واپس آگیا ہے؟“

تزئین نے جواب دیا۔ ”وہ تو کب کا آچکا ہے۔“

وہ لڑکوں کی کہانی سننے کے لیے بے چین تھیں۔ معاذ نے بتایا ”ہماری مہم بہت کامیاب رہی ہے۔“

یہ سارے سوالات ایک ہی وقت میں پوچھے جا رہے تھے لیکن ان میں سے سب

سے اہم سوال صغیر کے متعلق تھا۔ تزئین ہنستے ہوئے بولی۔ ”وہ کوئی ایک گھنٹہ پہلے آیا تھا اور ہم اسی کی راہ تک رہی تھیں۔ خوش قسمتی سے وہ سیدھا تہہ خانے میں چلا گیا اس کے ہاتھ میں بازار سے لائے ہوئے کچھ ڈبے تھے۔ ہم نے اس کا تعاقب کیا۔ اس نے اندرونی تہہ خانے کا دروازہ کھولا اور تہہ خانے میں چلا گیا۔ اس تہہ خانہ میں ہمیں چابی رکھنے والی جگہ یاد تھی۔ ہم نے وہ نکالی اور اسے قید کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ اب وہاں وہ قید زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ لڑکے یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ ”اس کا مطلب ہے کہ اسے معلوم نہیں ہو سکا کہ ہم اس کی کشتی اُڑا کر لے گئے تھے۔ لیکن اب نیا مسئلہ یہ ہے کہ اسے قید سے آزاد کیسے کروائیں کہ اسے علم بھی نہ ہو سکے کہ اسے کس نے قید کیا تھا اور آزاد کس نے کیا ہے؟“

تزئین کہنے لگی۔ ”اس کا کوئی نہ کوئی حل تو سوچنا پڑے گا۔“

لڑکے پھر گھر کی طرف روانہ ہو گئے لیکن ان کے ذہن سوچنے میں مصروف تھے۔

آخر معاذ بولا۔ ”ہم میں سے کوئی چھپ کر جائے اور دروازے کا قفل کھول دے۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب صغیر چپکا بیٹھا ہوا ہو۔ آخر وہ مسلسل دروازہ تو نہیں کھٹکھٹا سکتا۔ جیسے ہی وہ دروازہ کھٹکھٹانا بند کرے میں تالے میں چپکے سے چابی ڈالوں گا اور دروازہ کھول دوں گا اور پھر دوڑ کر سیڑھیاں چڑھ جاؤں گا۔ جب صغیر اگلی دفعہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرے گا تو وہ کھل جائے گا۔ لیکن وہ یہ سمجھ نہیں پائے گا کہ دروازہ کیسے کھل گیا؟“

دوسروں نے اس ترکیب خوشی اتفاق کیا۔ انہیں یقین تھا کہ صغیر کو رہا کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے۔ اس سے اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکے گا کہ چاروں بچوں کا اس معاملہ سے کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں؟“

معاذ نے چابی لی اور پھر دبے پاؤں نیچے تہہ خانے میں گیا۔ وہ نیچے پہنچا جہاں صغیر اپنے ہاتھوں کو ہتھوڑوں کی طرح استعمال کر کے دروازے کو کھٹکھٹا رہا تھا۔ معاذ نے انتظار کیا۔ کچھ دیر بعد صغیر سانس لینے کے لئے رکا تو معاذ نے چابی تالے میں لگا دی اس نے صغیر کے کھانسنے کی آواز سنی تو اس نے آہستگی سے تالا کھول کر

چابی نکال لی دروازہ کھل چکا تھا اور صغیر جب چاہتا باہر آسکتا تھا۔ معاذ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکا اور باورچی خانے میں دوڑ کر پہنچا اور پھر ساتھیوں سے آن ملا۔

وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ "وہ کچھ لمحوں میں ہی باہر آجائے گا آؤ چٹانوں کی طرف چلیں اور جب صغیر آتا دکھائی دے تو ہم گھر کی طرف چل پڑیں گے اور یہ ظاہر کریں گے جیسا کہ ہم سیر کرتے ہوئے واپس آرہے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر وہ بالکل ہی پاگل ہو جائے گا۔ پھر وہ سب دوڑتے ہوئے چٹانوں پر پہنچے کچھ دیر وہاں رُک کر انہوں نے دکھ والے جزیرے کی تمام تفصیل بیان کی اور وہاں انہوں نے کیا دیکھا۔ لڑکیاں دم بخود تمام واقعات سنتی رہیں۔ کیا واقعی زمین میں اتنے گہرے گڑھے تھے؟ ایک ندی جس میں سرخ رنگ کا پانی بہتا ہے۔ خوراک کے استعمال شدہ دھاتی ڈبے۔ یہ سب بہت حیرت انگیز تھا۔

عنزیق کہنے لگا۔ "سادہ سی بات یہ ہے کہ ہمیں ویران جزیرے میں دوبارہ جانا پڑے گا۔ ہمیں جاننا ہے کہ یہ پُلیاں زمین میں کہاں تک جاتی ہیں اور یہ بھی

جائیں گے کہ کیا اب بھی وہاں کسی قسم کی کانیں بقایا ہیں۔ تزئین! مجھے امید ہے کہ چچا آصف اس بارے میں ضرور جانتے ہوں گے۔"

تزئین بولی۔ "ہاں ضرور جانتے ہوں گے۔ کاش وہ جس نقشے کا ذکر اس دن کر رہے تھے وہ ہمیں مل جاتا تو ہمیں اس سے ہر قسم کی معلومات مل سکتی تھیں۔"

تبھی مٹھو نے اپنی ریل گاڑی چلنے کی آواز نکالنی شروع کر دی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنے اور سب کے دشمن صغیر کو دیکھ لیا ہے۔ بچوں نے اسے نیچے سے آتے دیکھا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ انہی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور گپیں ہانکتے ہوئے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔ صغیر نے انہیں دیکھا اور پھر ان کی طرف آنے لگا۔ اس کا چہرہ غصّے سے تاریک ہو رہا تھا۔ اس نے کہا "تم لوگوں نے مجھے قید کیا تھا۔ میں اس بارے میں چچی کو بتاتا ہوں۔ تمہاری بہت اچھی طرح پٹائی ہونی چاہیئے۔

معاذ کہنے لگا۔ "ہم نے تمہیں قید کر دیا تھا؟ ذرا خود ہی بتاؤ کہ ہم نے تمہیں کہاں قید کیا تھا کیا تمہارے کمرے میں؟"

”تہہ خانے میں۔ چلو اچھا ہوا چچی بھی آ ہی گئیں۔ میں تمہاری حرکت انہیں بتاتا ہوں۔ چچی جان! ان بچوں نے مجھے تہہ خانے میں قید کر دیا تھا۔“

چچی غصے سے بولیں۔ ”تم تو ہو ہی بے وقوف! تمہیں خود بھی پتا ہے کہ تہہ خانے کے دروازے میں تالا نہیں لگتا۔ بچے سیر سے آ رہے ہیں۔ تم اندھے ہو کیا؟ دیکھو وہ کس سمت سے گھر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ انہوں نے تمہیں قید کیا تھا؟ میرا خیال ہے کہ تم پاگل ہو گئے ہو۔“

صغیر روہانسا ہو گیا اور بولا۔ ”انہوں نے ہی مجھے قید کیا تھا“

لیکن یہ کہتے ہوئے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ اندر والا تہہ خانہ تو اس نے ہمیشہ سب سے راز میں رکھا ہوا تھا۔ لہٰذا یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ زیادہ وضاحتوں میں نہ جائے ورنہ چچی جان باورچی خانے سے نیچے جائیں گی اور بڑی آسانی سے خفیہ تہہ خانہ ڈھونڈ لیں گی جو اتنے سالوں سے اس نے سب سے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔

معاذ نے بڑی برجستگی سے کہا۔ ”چچی میں نے اسے قید نہیں کیا۔ میں تو صبح سے گھر

کی طرف گیا ہی نہیں؟"

عنزیق نے تو ویسے ہی سچ بولا۔ "چچی میں بھی نہیں گیا۔"

چچی نے ان کی بات کا یقین کیا اور پھر جب دیکھا کہ چاروں بچے اکٹھے ہیں تو انہوں نے لڑکیوں کے بارے میں خود بخود اخذ کر لیا کہ وہ بھی لڑکوں کے ساتھ ہی رہی ہوں گی۔ تو پھر یہ بچے آخر صغیر کے ساتھ ایسی حرکت کیسے کر سکتے ہیں؟ ویسے بھی چچی کو پورا یقین تھا کہ تہہ خانے کے کمرے کو تالا تو لگا ہی نہیں ہوا، پھر صغیر کا قید کی بات کرنے کا کیا مطلب تھا؟ وہ سختی سے بولیں۔ "جاؤ صغیر اور جا کر اپنا کام کرو۔ تم ہمیشہ بچّوں پر چاقو تانے رہتے ہو۔ کبھی ان پر کوئی الزام دھرتے ہو۔ کبھی تو ان کا پیچھا چھوڑ بھی دیا کرو۔ وہ اچھے بچے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔"

مگر صغیر چچی کے خیالات سے قطعی متفق نہیں تھا۔ صغیر نے اپنے مخصوص انداز سے غصّے کا اظہار کیا اور ناراضگی سے بھرپور آواز نکالی جس کی بھرپور نقل مٹھو نے فوراً کر دی۔ وہ اسی حالت میں باورچی خانے کی طرف چلا گیا چچی کہنے لگیں۔ "تم اس کو زیادہ اہمیت نہ دیا کرو۔ وہ ذرا کھسکا ہوا ہے۔ اگرچہ وہ بہت غصّیل ہے

لیکن اس سے نقصان کی توقع نہ کرنا۔"

بچے آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کرتے گھر لوٹے۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ چچی نے ان کا ساتھ دیا۔ صغیر کے ساتھ ان کی دشمنی بڑھتی جارہی تھی جس کا انہیں مستقبل میں خیال رکھنا تھا۔ عزیق بولا۔ "چچی کہتی ہیں کہ صغیر بے ضرر آدمی ہے اور پرویز صاحب کا خیال ہے کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اللہ جانے اب ان دونوں میں سے کون صحیح کہہ رہا ہے؟"

دوبارہ جزیرے پر

سب سوچ رہے تھے کہ اب آگے کیا کیا جائے؟ کیا انہیں پرویز صاحب کو اپنی تمام مہم کے بارے میں بتانا چاہیئے؟ کیا وہ بہت ناراض ہوں گے جب انہیں پتا چلے گا کہ وہ جزیرے پر گئے تھے۔ بے شک انہوں نے وعدہ نہیں توڑا لیکن ان کا کہا بھی نہیں مانا۔ اور کسی دوسری کشتی میں سوار ہو کر جزیرے پر چلے گئے تھے۔ بچوں کو یقین تھا کہ وہ بہت ناراض ہوں گے۔ وہ اپنے وعدے اور وقت کے بہت پکے تھے۔ عنزیق کہنے لگا۔ ”کیا واقعی میں نے وعدہ توڑا ہے؟ میرا خیال ہے کہ

میں نے وعدہ بالکل نہیں توڑا بلکہ ایک کام کو مختلف انداز میں کر لیا ہے۔"

تزئین بولی۔ "تمہیں پتا ہے کہ بڑے ذرا مختلف انداز میں سوچتے ہیں۔ وہ بچوں کی طرح نہیں سوچتے۔ میں چاہتی ہوں کہ جب میں بڑی ہوں تو انہی کی طرح سوچنے لگوں۔ لیکن امید ہی کی جا سکتی ہے کہ بڑے ہو کر ہمیں بچپن کی یہ باتیں یاد رہ جائیں اور یہ بات کہ بچوں کی سوچ کی بھی عزّت کرنی چاہیے۔"

معاذ اس کی باتوں سے اکتا کر بولا "تم اب بھی بڑوں کی طرح ہی باتیں کر رہی ہو اب چپ کر جاؤ" تزئین کو غصہ چڑھ گیا وہ کہنے لگی "میں کیوں کہ عقل مندی کی باتیں کر رہی ہوں تو ظاہر ہے تم نے بے وقوفی کی باتیں کرنی ہی تھیں معاذ نے اس سے کہا۔ "بکواس بند کرو۔"

تزئین نے اس کے کان پر مکّہ دے مارا۔ جواب میں معاذ نے تزئین کو چانٹا مارا جس کی آواز ایسے آئی جیسے پستول میں سے گولی نکلنے کی آواز ہو۔ وہ چِلاّئی۔ "تم انسان نہیں ہو۔ تم جانتے ہو کہ لڑکے لڑکیوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔"

معاذ بولا۔ "میں عام مہذّب لڑکیوں جیسے کہ نایاب پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ لیکن

تم توسوچ سے بھی زیادہ بدتمیز ہو۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں سمجھ آگئی ہو گی کہ اگر تم کسی کو مکّہ مارو گی تو وہ تمہیں آگے سے تھپڑ ہی رسید کرے گا۔"

تزئین بولی۔ "عنزیق اسے تم سمجھاؤ کہ یہ جانور ہے۔"

لیکن عنزیق جس نے خود کبھی کسی لڑکی پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا سمجھتا تھا کہ تزئین اس سلوک کی مستحق ہے۔ وہ تزئین سے کہنے لگا۔ "تمہیں ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے۔ تزئین تم مکّے برسانے سے پہلے سوچتیں نہیں اور اب تمہیں سمجھ آجانی چاہیے کہ معاذ اس بات کو برداشت نہیں کرتا۔"

معاذ کے کان میں سائیں سائیں ہو رہی تھی اور اس کا کان سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بولا "اب سمجھ آگئی۔ اپنی بدمزاجی پر قابو پانے کی کوشش کرو۔"

نایاب کو اس صورتحال میں کچھ سمجھ نہیں آرہی تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسے ان بہن بھائیوں کی لڑائیوں سے سخت نفرت تھی۔ معاذ نے تزئین کو کہا۔ "اب تم مہربانی فرما کر اپنا کوئی کام کرو لیکن یہاں سے چلی جاؤ۔"

پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سی ڈبّی نکالی جس میں اس نے کئی دنوں سے ایک جھینگر رکھا ہوا تھا۔ تزئین کو سمجھ آگئی تھی کہ وہ ڈبّی کھولنے والا ہے اور پھر ظاہر ہے جھینگر کو پکڑ کر اس پر پھینکے گا۔ اس نے ڈر کر چیخ ماری اور کمرے سے نکل گئی۔ معاذ نے ڈبّی جیب میں رکھ لی لیکن جھینگر کو دوڑنے بھاگنے کے لیے میز پر چھوڑ دیا۔ وہ جب بھی میز پر انگلی رکھتا سدھائے ہوئے جانور کی طرح جھینگر آکر اس کی انگلی پر چڑھ جاتا۔ یہ بہت حیران کن بات تھی کہ سارے جانور معاذ کو پسند کرتے تھے۔ نایاب کہنے لگی "تم اسے ڈبّی میں نہ رکھا کرو مجھے لگتا ہے کہ یہ قید اسے بہت بری لگتی ہو گی۔"

معاذ بولا۔ "واقعی۔ لو اب تماشہ دیکھو۔" یہ کہہ کر اس نے ڈبّی کر کھول کر میز کے ایک سرے پر رکھ دیا۔ جھینگر پورے میز پر دوڑ رہا تھا۔ جب اس نے ڈبّی کا منہ کھلا دیکھا تو فوراً آکر ڈبّی میں گھس گیا۔ معاذ نے کہا۔ "دیکھ لیا۔ اگر یہ قید ہوتی تو جھینگر خوشی سے ڈبّی میں نہ جاتا۔"

اس نے یہ کہہ کر ڈبی کا منہ بند کر لیا اور اسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ نایاب کہنے

لگی۔ ”ڈبی میں اس کے گھسنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے ورنہ دوسرے جھینگروں کو تو اس بات سے نفرت ہو گی۔“

عنزیق ہنس کر کہنے لگا۔ ”معاذ سب جانوروں کا دوست ہے۔ معاذ چاہے تو مکھیوں کو سدھا کر ان کی ایک سرکس بنا لے۔“

نایاب نے یہ سن کر نفرت سے ناک چڑھایا اور کہنے لگی۔ ”مجھے یہ بالکل پسند نہیں آئے گا۔ اب پتا نہیں تزئین کدھر چلی گئی ہے۔ میری خواہش ہے کہ کاش تم آپس میں نہ لڑا کرو۔ تمہاری کتنی اچھی گفتگو ہو رہی تھی کہ مستقبل میں کیا کرنا چاہیے۔“

ادھر تزئین غصّے میں کمرے سے باہر نکلی۔ اس کا بازو چانٹے کی وجہ سے درد کر رہا تھا۔ وہ اس برآمدے میں چہل قدمی کرنے لگی جو چچا کے کمرے کی طرف جاتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے بھائی کے خلاف منصوبے بنا رہی تھی۔ اچانک چچا کا کمرہ کھلا اور انھوں نے باہر جھانکا۔ وہ بولے ”تزئین یہ تم ہو۔ میری سیاہی کی دوات خالی ہے کیا تم اسے بھر دو گی؟“

تزئین نے کہا ”میں آپ کو سیاہی کی بوتل یہیں لا دیتی ہوں۔“

پھر وہ چچی کے کمرے میں بنی الماری کے پاس گئی، وہاں سے بوتل لے کر آئی اور چچا کے کمرے میں ان کی دوات بھر دی۔ وہ جیسے ہی واپسی کے لیے مڑی تو اس نے قریب کرسی پر ایک نقشہ پڑا ہوا دیکھا۔ یہ وہی نقشہ تھا وہ بچوں کو دکھانا چاہتے تھے لیکن انہیں نہیں ملا تھا۔ یہ دکھ کے والے جزیرے کا مفصّل نقشہ تھا۔ تزئین نے اسے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ وہ بولی ”چچا یہ تو وہی نقشہ ہے جس کا آپ نے ذکر کیا تھا۔ چچا یہ تو بتائیں کیا جزیرے پر کبھی کانیں ہوا کرتی تھیں؟“

یہ سنتے ہی چچا حیرانی سے بولے۔ ”تم نے کانوں کا ذکر کس سے سنا ہے؟ یہ تو بہت پرانی تاریخ ہے۔ ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ وہاں کئی سو سال پہلے تانبے کی کانیں ہوا کرتی تھیں جہاں سے تانبے کی بڑی مقدار نکلتی تھی۔ لیکن مدّت ہوئی وہاں سے سارا تانبا نکال لیا گیا تھا۔ اب تانبے نام کی کوئی چیز ان کانوں میں موجود نہیں ہے۔“

تزئین نقشے کے اوپر پوری جھک گئی۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اس نے

دیکھا کہ نقشے میں پُلیاں دکھائی گئی ہیں جو زمین میں گہرائی تک جارہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ لڑکے یہ نقشہ دیکھ کر کتنے خوش ہوں گے۔ چچا تزئین کی موجودگی کو بھول کر اپنے کام میں محو ہو چکے تھے۔ اس نے نقشہ اٹھایا اور اسے لے کر جلدی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ معاذ نقشے کو پا کر کتنا خوش ہو گا۔ اب وہ اپنی تمام ناراضگی بھول چکی تھی۔

یہ تزئین کی بڑائی تھی کہ وہ بات کو دل میں کبھی نہیں رکھتی تھی۔ اس کا غصّہ جلد ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ وہ برآمدے سے بھاگتی ہوئی بچوں کے پاس پہنچی۔ اس نے زور سے دروازہ کھولا اور دھم سے اندر آن ٹپکی۔ سب اس کے ہنستے مسکراتے پُرجوش چہرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ نایاب پوری کوشش کرنے کے باوجود آج تک تزئین کے بدلتے رویّوں کو نہیں سمجھ سکی تھی۔ معاذ سنجیدہ چہرے کے ساتھ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تزئین کو بھی اپنی لڑائی یاد آگئی۔ اس نے کہا "معاذ مجھے افسوس ہے میں نے تمہارے کان پر مکّہ مارا تھا۔ میں اس کے لیے معافی مانگتی ہوں۔ دیکھو تو میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ یہ اس ویران

جزیرے کا نقشہ ہے۔ چچا آصف نے مجھے بتایا ہے کہ جزیرے پر کبھی کانیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ وہ تانبے سے بھری ہوئی تھیں لیکن مدّت پہلے بند ہو گئی۔ یہ وہی پلیاں ہیں جو اُن کانوں تک جاتی تھیں۔"

معاذ نے تزئین کے ہاتھ سے نقشہ لیا اور اسے پھیلاتے ہوئے بولا۔ "شاباش میری بہن! کیا نقشہ ہے۔ تزئین تم بہت ہی عقل مند لڑکی ہو۔" اس نے بہن کو گلے لگا لیا۔ تزئین خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔ وہ ہمہ وقت بھائی سے لڑتی رہتی تھی لیکن وہ بھائی کے منہ سے اپنے لیے تعریف کا ایک لفظ بھی اعزاز سمجھتی تھی۔ پھر چاروں بچے مکمل توجہ سے نقشے پر جھک گئے۔ تزئین انہیں بتانے لگی "یہ دیکھو اس میں جزیرے پر جانے کے لیے راستہ صاف صاف دکھایا گیا ہے۔" لڑکوں نے یہ سن کر اثبات میں سر ہلایا۔ عنزیق نے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ اس جزیرے تک پہنچنے کا واحد راستہ ہے۔ یہیں سے کانوں میں کام کرنے والے کان کُن آیا جایا کرتے تھے۔ وہ یہاں خوراک لے کر آتے ہوں گے اور تانبا لے کر واپس جاتے ہوں گے۔ اب میرا بہت للچا رہا ہے کہ میں نیچے اتر کر دیکھوں کہ یہ

سب کانیں کیسے کام کرتی ہیں۔"

معاذ کہنے لگا۔ "دیکھو ساری پُلیوں پر نشان لگے ہوئے ہیں۔" وہ انگلیاں نشانوں پر رکھتے ہوئے بولا۔ "دیکھو عنزیق۔ یہ سرخ ندی بہہ رہی ہے اور اب مجھے سمجھ آ گئی ہے کہ یہ سرخ کیوں ہے۔ میرے خیال میں ابھی ان پہاڑیوں میں تانبے کی اچھی خاصی مقدار موجود ہے۔"

تزئین پورے جوش سے بولی۔ "میرا خیال بھی یہی ہے۔ وہاں اب بھی اچھا خاصا تانبا موجود ہے۔ اگر وہ تانبے کے بسکٹوں کی صورت میں ہوا اور مجھے مل گیا تو شاید میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو گی۔"

معاذ نے کہا۔ "تانبا وہاں ہر جگہ موجود ہے لیکن میرا خیال ہے وہ اپنی اصلی ہئیت میں ہو گا۔ ہو سکتا ہے ٹکڑوں میں بھی ہو اور ہو سکتا ہے قیمتی بھی ہو۔ کیا ہمیں دوبارہ جزیرے پر جا کر ان کانوں کو دیکھنا چاہیئے اور تانبے کی تلاش کرنی چاہیئے۔ کیا معلوم ہمیں تانبے کے بنے ہوئے بسکٹ مل جائیں۔"

عنزیق نے کہا۔ "وہاں کوئی بسکٹ پڑے تمہارا انتظار نہیں کر رہے۔ اگر اب بھی

تانبا وہاں موجود ہوتا تو کیا کان کن ان کانوں کو چھوڑ کے جاتے۔ کئی سو سال پہلے تمام تانبا وہاں سے نکالا جا چکا ہے۔"

اچانک نایاب بولی۔ "دیکھو نقشے کے پیچھے بھی کچھ جڑا ہوا ہے۔"

بچوں نے نقشے کو الٹا کیا ایک اور چھوٹا نقشہ بڑے نقشے کے نیچے جڑا ہوا ملا۔ انہوں نے احتیاط سے اسے کھولا۔ پہلے تو وہ اس نقشے کی درست سمت کا تعین ہی نہیں کر سکے۔ پھر معاذ نے وضاحت کی۔ "یہ جزیرے کا زیرِ زمین نقشہ ہے۔ یعنی کانوں کا نقشہ۔ خدا کی پناہ ان میں سے تو کچھ کانیں بالکل سمندر کے نیچے ہیں۔"

ایسا نقشہ کچھ زیادہ دلچسپ نہ تھا جس میں سرنگیں بنی ہوئی ہوں اور وہ بھی ایک ویران جزیرے کی تہہ میں۔ لیکن نقشے سے یہ ظاہر تھا کہ کانوں کا یہ نظام بہت وسیع و عریض رقبے میں پھیلا ہوا تھا اور اس میں سے کچھ رقبہ عین سمندر کے نیچے بھی تھا۔ عنزیق نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے انہیں بتایا۔ "دیکھو کانوں کا یہ حصہ سمندر کے نیچے ہے۔ یہاں کان کنی کرنا کتنا خوفناک ہوتا ہو گا۔ ہر وقت کان کُنوں کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ وہ سمندر کے عین نیچے کام کر رہے

ہیں۔“

نایاب خوف سے باقاعدہ کانپتے ہوئے بولی۔ ”میں تو کبھی ایسی جگہ کام نہ کروں۔ سمندر کا کیا اعتبار کسی وقت بھی سب کو بہا کر لے جائے۔“

معاذ یہ بات سن کر جوش سے بولا۔ ”ہمیں ہر صورت جزیرے پر واپس جانا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ ابھی بھی ان کانوں میں کام کر رہے آتے ہیں۔“

تزئین بولی۔ ”تمہیں یہ خیال کیسے آیا۔“

معاذ بولا۔ ”وہ کھانے کے ڈبے۔ کوئی تو ہے جس نے ان دھاتی ڈبوں میں محفوظ کیا ہوا کھانا کھایا تھا۔ ہمیں پورے جزیرے کوئی چلتا پھرتا نہیں دکھا۔ اس کو صاف مطلب یہ کہ اگر وہ زمین کی سطح کے اوپر نظر نہیں آیا تو زیرِ زمین کام کر رہا ہو گا۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ راز ہے جو ہم جاننا چاہتے ہیں یہی ہے۔“

تزئین اس کے بات سے متاثر ہو کر بولی۔ ”آؤ! پرویز صاحب کے پاس چلتے ہیں

اور انہیں یہ نقشہ دکھاتے ہیں۔ وہ ہمیں بتائیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ ہمیں اکیلے ان کانوں میں چھان بین کے لیے نہیں جانا چاہیے۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ ہمیں پرویز صاحب کے ساتھ وہاں جانا چاہیے۔"

عنزیق نے اچانک کہا۔ "ہرگز نہیں۔ ہمیں یہ باتیں پرویز صاحب کو نہیں بتانی چاہئیں۔"

باقی بچے حیرانگی سے منہ کھولے اسے دیکھنے لگے۔ تزئین بولی۔ "اس بات کا کیا مطلب ہے؟ ہمیں پرویز صاحب کو کیوں نہیں بتانا چاہیے؟"

عنزیق نے کہا۔ "کیونکہ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے دوست بھی ہو سکتے ہیں جو کانوں میں کام کر رہے ہوں۔ میرے خیال میں پرویز صاحب یہاں صرف ان لوگوں کے نزدیک رہنے کے لیے آئے ہیں تاکہ ان تک کھانا اور ضرورت کی دوسری اشیا پہنچاتے رہیں۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اسی لیے وہ اپنی کشتی استعمال کرتے ہیں۔ یہ کوئی راز ہے اور وہ یہ جان کر کبھی بھی خوش نہیں ہوں گے اگر ان کا یہ راز ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اور وہ

دوبارہ ہمیں کبھی بھی اپنی کشتی نہیں دیں گے۔"

معاذ بولا۔ "لیکن عنزیق تم شاید بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہو۔ پرویز صاحب صرف چھٹی گزارنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ وہ پرندوں سے محبت کرنے والے ہیں۔"

عنزیق نے کہا۔ "لیکن وہ پرندوں کو دیکھنے یا ان کے بارے میں بات کرنے میں کچھ دلچسپی نہیں رکھتے۔ اگرچہ پرندوں کے متعلق وہ میری باتیں سنتے ہیں لیکن خود کبھی ان کے متعلق بات نہیں کرتے۔ اور ہم ان کے کاروبار کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتے اور نہ کبھی وہ ہمیں اس کے متعلق بتاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اور ان کے دوست ہی ہیں جو جزیرے میں تانبے کی کانوں میں کام کر رہے ہیں۔ مجھے یہ تو نہیں پتا کہ کانیں کس کی ملکیت ہیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ کانوں میں ابھی بھی تانبا باقی ہے اور جن لوگوں کو اس بات کا پتا ہے وہ اسے راز ہی رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ سارا تانبا خود ہتھیا سکیں۔"

عنزیق اتنی لمبی بات کر کے چپ ہوا تو اس کی جوش سے سانس پھولی ہوئی تھی۔

ادھر مٹھو کے ہاتھ ایک نیا لفظ لگ گیا تھا "تانبا۔۔۔ تانبا۔۔۔۔ تانبا۔"

نایاب کہنے لگی۔ "کتنا چالاک توتا ہے۔"

لیکن کسی نے توتے کی بات پر توجہ نہیں دی کیونکہ جس موضوع پر وہ گفتگو کر رہے تھے وہ اتنا اہم تھا کہ وہ کسی اور بات کے متعلق فی الحال سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

تزئین نے پھر تجویز دی "آؤ جا کر پرویز صاحب سے پوچھتے ہیں۔" اسے راز داری پسند نہیں تھی اور وہ سیدھی بات کرنے کی عادی تھی۔

معاذ کہنے لگا۔ "بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ عنزیق پہلے ہی اس بات کی وضاحت کر چکا ہے کہ ہمیں یہ راز پرویز صاحب کو نہیں بتانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کبھی وہ خود ہی اس راز کو ہمارے سامنے کھول دیں تو پھر حیران رہ جائیں کہ ہمیں بہت پہلے ان چیزوں کا علم تھا۔"

عنزیق نے کہا۔ "ہم جلد ہی صغیر کی کشتی دوبارہ لے کر نکلیں گے۔ ہم بڑی پلی

کے قریب جائیں گے اور اسے نیچے جا کر دیکھیں گے۔ ہمیں فوراً معلوم ہو جائے گا کہ نیچے کوئی کام کر رہا ہے یا نہیں۔ ہم یہ نقشہ ساتھ لے جائیں گے تا کہ راستہ نہ بھول جائیں۔ اس نقشے میں رستوں اور راہداریوں کو بڑی وضاحت سے دکھایا گیا ہے۔"

انہیں یہ رازدارانہ باتیں کرتے ہوئے بڑا لطف آ رہا تھا۔ وہ کب دوبارہ جزیرے پر جاسکیں گے؟ کیا اس دفعہ وہ لڑکیوں کو ساتھ لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

معاذ بولا۔ "میں سمجھتا ہوں اس دفعہ ہم کشتی کو بہتر طریقے سے سنبھال سکیں گے۔ پچھلی دفعہ جب ہم ایک بار جزیرے کے راستے سے نکل گئے تھے تو پھر کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہم آسانی سے جزیرے پر پہنچ جائیں گے اور لڑکیوں کو ساتھ لے جانے میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔"

یہ بات سن کر تزئین اور نایاب بہت خوش ہوئیں۔ وہ تو فوراً جانا چاہتی تھیں لیکن جب تک صغیر قصبے کو نہ جاتا وہ اس کی کشتی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ صغیر دو تین بار کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں جا چکا تھا۔ معاذ نے اسے پوچھا کہ اگر وہ

مچھلیاں پکڑنے جارہا ہے تو انہیں بھی ساتھ لے لے۔ وہ غصّے سے بولا۔ ”تاکہ تم مجھے تنگ کرتے رہو اور میں بعد میں پچھتاتا رہوں۔“

اور پھر دوبارہ کشتی لے کر سمندر میں چلا گیا۔ وہ کشتی کو اتنا دور لے گیا کہ وہ دھند میں غائب ہو گئی۔ عنزیق بولا۔ ”جہاں تک ہم دیکھ سکتے ہیں، وہ ضرور جزیرے پر گیا ہے۔ وہ اچانک ہی غائب ہو گیا۔ مجھے لگتا ہے کہ مچھلیاں پکڑنے کا بہانہ کرنے کے لیے وہ کچھ مچھلیاں پکڑ کر لائے گا۔“

عنزیق کی بات درست ثابت ہوئی۔ وہ کشتی لے کر چائے کے وقت واپس آیا۔ بچوں نے کشتی سے مچھلیاں اتارنے میں اس کی مدد کی۔ تزئین نے اسے کہا۔ ”تم اگر ہمیں بھی ساتھ لیتے تو ہم ڈوری پھینکنے میں تمہاری مدد کرتے۔“

اگلے دن بچوں کی خوشی کی انتہا نہیں رہی جب انہیں معلوم ہوا کہ صغیر قصبے جانے کے لیے روانہ ہو گیا ہے۔ چچی بولیں۔ ”وہ ایک دن کی چھٹی لے کر گیا ہے۔ تمہیں اس کے حصّے کے کچھ کام کرنا ہوں گے۔ لڑکو تم کنویں سے پانی بھر دو۔“

لڑکے فوراً کنویں کے پاس گئے اور زنجیر کے ساتھ بندھی ہوئی بھاری بھرکم بالٹی پانی کی تہہ تک پہنچائی۔ عنزیق نے کنویں کی منڈیر سے جھانکا اور بولا۔ ”یہ بالکل جزیرے کی پُلیوں جیسا ہی کام ہے۔ چلو معاذ زور لگاؤ اور اسے اوپر کھینچو۔“

بچّوں نے جلدی جلدی وہ تمام کام نمٹائے جو چچی نے ان کے ذمے لگائے تھے۔ اور پھر اس یقین دہانی کے بعد کہ کار گیراج سے جا چکی ہے وہ چچی کی منّت کرنے لگے کہ اب انہیں پکنک کی اجازت دی جائے اور پکنک کے لیے کھانا بھی۔ پھر وہ برق رفتاری سے صغیر کی کشتی کے قریب پہنچے۔ انہوں نے اس کی رسی کھولی اور اسے دھکا دی کر پانی میں اتار دیا۔ لڑکوں نے زور سے شور سے چپّو چلانے شروع کر دیے۔ جب وہ سمندر میں پہنچ گئے تو انہوں نے کشتی کے بادبان کھول دیے۔ تزئین خوشی سے بولی۔ ”لو جی ہم آخر کار جزیرے پر جا رہے ہیں۔ شکر ہے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ گھر میں رہ کر انتظار کرنا بہت مشکل تھا۔“

معاذ نے نایاب سے کہا۔ ”کیا ہمارے پاس ٹارچیں ہیں؟“

نایاب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں وہ کھانے کے ساتھ پڑی ہوئی

ہیں۔"

معاذ نے کہا۔ "ہمیں کانوں میں اُن کی ضرورت پڑے گی۔"

وہ خود بھی اس مہم سے متاثر تھے کہ اتنی پرانی کانوں میں اتریں گے اور ہو سکتا ہے وہاں خفیہ طور پر لوگ کام کر رہے ہوں۔ معاذ نے جوش سے ایک جھرجھری سی لی۔ چاروں بچوں نے بڑی مہارت سے کشتی کو سنبھالا اور مزے سے سفر کیا۔ جزیرہ بھی ارد گرد پھیلی دھند کے درمیان دکھائی دینے لگا۔ عنزیق نے بتایا۔ "لہریں ان چٹانوں سے زور سے ٹکراتی ہیں۔"

لڑکیوں نے سر ہلا دیا۔ یہ سفر کا سب سے خطرناک حصّہ تھا۔ لڑکیاں دُعا کر رہی تھیں کہ لڑکوں کو راستہ آسانی سے مل جائے اور وہ بخیر و عافیت پہنچ جائیں۔ پھر عنزیق اچانک بولا۔ "وہ دیکھو۔ اونچی پہاڑی۔ لڑکیو اب بادبان اتار لو۔ نایاب تم رسّی دیکھو۔ نہیں وہ نہیں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

بادبان نیچے کر لیے گئے اور لڑکوں نے چپّو سنبھال لیے اور احتیاط سے کشتی کو اس جانب کھینا شروع کر دیا جہاں چٹانوں کے درمیان سے ہو کر جزیرے کا راستہ تھا۔

اب وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ راستہ کہاں ہے۔ وہ احتیاط سے چلتے رہے تاکہ اس جگہ سے بچ کر گزریں جہاں کشتی کا پیندا پتھروں سے ٹکراتا تھا۔ پیندا اس دفعہ بھی تھوڑا سا ٹکرایا۔ نایاب بڑی فکر مند دکھائی دے رہی تھی لیکن جلد ہی وہ اس راستے سے گزر کر پُر سکون پانیوں میں پہنچ گئے جو ساحل اور چٹانوں کے دائرے کے درمیان بہتے تھے۔ نایاب نے سکھ کا سانس لیا۔ کچھ تو سمندر کا اثر اور کچھ راستے کا خوف، اس کی رنگت پیلی پڑ چکی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ صحیح سلامت جزیرے کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں تو بہتر محسوس کرنے لگی۔ کشتی کو انہوں نے ساحل پر کھینچ لیا۔

عزیق کہنے لگا۔ ”آؤ اب چٹانوں کی طرف چلتے ہیں۔ یا خدا! ذرا دیکھنا۔ میرے خیال میں یہاں لاکھوں پرندے تو ضرور ہوں گے۔ میں نے زندگی بھر اتنے پرندے اکٹھے کبھی نہیں دیکھے۔ کاش میں عظیم آک بھی دیکھ سکتا۔“

نایاب نے دل سے بھائی کو کہا۔ ”ہو سکتا ہے بھیّا! میں آپ کو عظیم آک تلاش کر کے دے دوں اور معاذ بھیا! وہ سرخ رنگ والی پانی کی ندی کہاں ہے؟ اور وہ

کھانے کے خالی دھاتے ڈبے کدھر گئے؟ کیا وہ یہیں قریب ہی تھے؟"

معاذ سیدھا آگے کو بڑھا اور بولا۔ "تم جلد ہی انہیں دیکھ لو گی جب ہم چٹانوں کے درمیان ایک تنگ راستہ سے گزریں گے۔"

جلد ہی وہ سرخ پانی کی ندی کو دیکھ رہے تھے جو وادی سے گزرتی تھی۔ عنزیق تھوڑی دیر چپ رہ کر بولا۔ "بھلا وہ سب سے بڑی پُلی کدھر تھی؟"

لڑکیاں پہلے ہی بڑے بڑے گہرے سوراخ اور دراڑیں دیکھ کر دم بخود رہ گئیں تھیں۔

عنزیق بولا "کہیں نہ کہیں تو ان پُلیوں کا کوئی سرا بھی ہو گا اور وہ خوراک کے ڈبوں کا ڈھیر کدھر چلا گیا۔ وہ یہیں کہیں تھا۔ ارے وہ رہی پُلی۔ لڑکیو دیکھو!"

سب بھاگ کر بڑے گول سوراخ کے قریب پہنچے اور اس میں جھانکنے لگے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس پلی کے ساتھ لٹکنے والی سیڑھی بہت مضبوط اور اچھی حالت میں تھی۔ معاذ کہنے لگا "یہی وہ پلی ہے جسے مشینوں کے لیے لوگ

استعمال کر رہے ہیں۔ صرف اس کے ساتھ سیڑھی بالکل صحیح حالت میں موجود ہے۔"

عزیق سرگوشی کے انداز میں معاذ کو کہنے لگا۔ "اونچی آواز میں نہ بولو۔ ہمیں معلوم نہیں ہماری آواز کی گونج کہاں تک چلی جائے۔"

نایاب نے پوچھا۔ "وہاں چٹان کے ساتھ۔ تم خود وہاں جا کر دیکھ لو۔"

اس نے ٹارچ جلا کر پلی کے ساتھ گہرائی میں دیکھا لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔ دور تک اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ نیچے اندھیرے کے علاوہ کیا تھا؟ کیا وہاں لوگ کام کر رہے تھے؟ بچے ان آدمیوں کی نظروں سے دور رہنا چاہتے تھے۔ بڑوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر بچے ان کے کاموں میں دخل اندازی کریں تو وہ بچوں سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

نایاب بولی۔ "عزیق۔ مجھے تو کھانے کے ڈبّے کہیں نظر نہیں آ رہے۔"

معاذ نے ایک افسوس بھری سانس لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکیاں کتنی بے

وقوف ہوتی ہیں۔ یہ کوئی چیز خود سے نہیں ڈھونڈ سکتیں۔ وہ آگے بڑھا تاکہ نایاب کو وہ ڈبے خود دکھائے۔

معاذ بولا۔ ”خوراک کے ڈبّے تو واقعی غائب ہو چکے ہیں۔ انہیں کون اٹھا کر لے گیا؟ اس سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ واقعی اس جزیرے پر لوگ موجود ہیں۔ لوگ تب بھی یہاں موجود تھے جب ہم پہلی دفعہ جزیرے پر آئے تھے۔ میرے تو روئیں روئیں میں سنسنی سی پھیل رہی ہے۔ کیا یہ سب کچھ بہت مزے کا نہیں ہے؟“

تانبے کی کانوں میں

نایاب کو اس ماحول سے ڈر لگ رہا تھا۔ اسے ہر چٹان کے پیچھے کان کن چھپے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بولی ”مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ہماری مڈ بھیڑ ایسے لوگوں سے نہ ہو جائے جنہیں ہم جانتے نہیں۔“

عنزیق بولا۔ ”بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ وہ لوگ نیچے کانوں میں کام کر رہے ہوں گے۔ اب سب مشورہ دو کیا ہمیں پلی کے ساتھ نیچے اتر کر دیکھنا چاہئے کہ

نیچے کیا ہو رہا ہے یا نہیں؟"

لڑکیاں ہر گز نیچے اُترنا نہیں چاہتی تھیں لیکن نایاب سوچ رہی تھی کہ تزئین کے ساتھ جزیرے پر تنہا کھڑا ہونا کہیں زیادہ خطرناک ہو۔ گا اس سے بہتر تو یہی ہے کہ لڑکوں کے ساتھ نیچے اترا جائے۔ لہٰذا نایاب نے فیصلہ کیا کہ وہ بھائیوں کے ساتھ ہی نیچے جائے گی۔ تزئین اب بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ بھی خاموشی سے سب کے ساتھ نیچے اترنے پر رضامند ہو گئی۔ معاذ ایک دفعہ پھر کانوں کا نقشہ زمین پر بچھا کر اس پر جھک گیا اور بولا۔ "دیکھو یہ پلی کا راستہ سیدھا اس جگہ اترتا ہے جہاں سے نیچے راستے اور راہداریاں شروع ہوتی ہیں۔ ہمیں یہی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ ایک مرکزی شاہراہ کی طرح ہے جو کانوں تک جاتا ہے جو زیر زمین بکھری ہوئی ہیں حتیٰ کہ کچھ تو سمندر کے عین نیچے بھی واقع ہیں۔"

نایاب ناراضگی سے بولی۔ "مہربانی فرما کر ان کانوں تک نہ جانا۔" لیکن باقی سب جانا چاہتے تھے اس لیے فیصلہ زیادہ لوگوں کے حق میں ہوا۔ عنزیق نے مٹھو کو

خبر دار کرتے ہوئے کہا۔ ”مٹھو اگر تم ہمارے ساتھ آ رہے ہو تو شور بالکل نہ مچانا کیونکہ اگر ہم اس وقت کانوں کے قریب ہوئے تو وہ تمہاری آواز سن لیں گے اور ہم سب پکڑے جائیں گے۔“

مٹھو نے یہ نصیحت سن کر یوں سر کھجایا جیسے اس درخواست پر غور کر رہا ہو۔ عنزیق پھر مٹھو سے مخاطب ہوا۔ ”تم ایک بے وقوف پرندے ہو۔ اب یاد رکھنا میں نے تمہیں کیا نصیحت کی ہے۔ اب شور مچانے اور چیخیں مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

پھر وہ پلی کے سرے تک پہنچے۔ ڈرتے ڈرتے نیچے جھانکا۔ مہم بہت جان جوکھوں کی تھی۔ کہیں نہ کہیں دل میں وہ خوفزدہ تھے کیونکہ آخر بچے ہی تو تھے۔ معاذ سیڑھیاں اترتے ہوئے بولا۔ ”آؤ خدا ہماری حفاظت کرے گا اور اگر ہم پکڑے بھی گئے تو ہمیں کچھ نہیں ہو گا۔ ہم تو جزیرے پر صرف عنزیق کے ناپید پرندے عظیم آک کو ہی دیکھنے آئے ہیں۔ اگر ہم پکڑے بھی گئے تو اپنا منہ بند رکھیں گے۔ اگر پرویز صاحب کے دوست ہوئے تو وہ ان کی طرح ہی مہذب ہوں

گے۔ ہم سب کو بتا سکتے ہیں کہ ہم پرویز صاحب کے دوست ہیں۔"

وہ سب سیڑھیوں اترنے لگے لیکن ابھی آدھا راستہ ہی طے ہوا تھا کہ سب تھک گئے اور سوچنے لگے کہ بہتر ہوتا اگر وہ نیچے نہ اترتے۔ انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ انہیں اتنی گہرائی تک نیچے اترنا پڑے گا۔ یہ کان اتنی گہری تھی کہ انہیں لگنے لگا تھا کہ شاید وہ زمین کے وسط میں جا رہے ہوں۔ نیچے ہی نیچے۔ اندھیرے ہی اندھیرے میں۔ معاذ نے فکر مند ہو کر پوچھا۔ "لڑکیو! تم ٹھیک ہو؟ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہم زمین تک پہنچنے والے ہیں۔"

بیچاری نایاب جو دوسروں کی طرح اتنی طاقتور نہیں تھی کہنے لگی۔ "میرے بازو شل ہو گئے ہیں۔"

تزئین لڑکوں جتنی ہی مضبوط تھی لیکن نایاب اس سے کہیں کمزور تھی۔ عنزیق بولا۔ "یہیں تھوڑا سا ستا لو کیونکہ مجھے تو شانے پر بیٹھا ہوا مٹھو بھی بھاری لگ رہا ہے۔ میرے بازو بھی لوہے کی سیڑھیاں اتر کر شل ہو چکے ہیں۔ وہ کچھ دیر ٹھہرے اور پھر نیچے اترنے لگے۔"

آخر معاذ نے آہستگی سے سب کو کہا۔ ”میں نیچے پہنچ گیا ہوں۔“

چند لمحوں میں وہ سب زمین کی تہہ میں اکٹھے ہو گئے۔ نایاب تو پہنچ کر زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی کیونکہ اس کے گھٹنے درد کر رہے تھے۔ معاذ نے ٹارچ جلا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ واقعی وہاں سے کئی راستے اور راہداریاں نکل رہی تھیں اور جہاں وہ کھڑے تھے وہ بھی خاصا وسیع راستہ تھا۔ اس کی چھت چٹانوں سے بنی ہوئی تھی۔ ٹارچ کی روشنی جب چھت پر پڑی تو اس کا تانبے جیسا سرخ رنگ جگمگا اٹھا۔ معاذ بولا۔ ”ہم نے جو فیصلہ کیا تھا کہ مرکزی راستے پر ہی چلیں گے اسی پر عمل کیا جائے گا ویسے بھی یہ راستہ سیدھا ہے۔“

عنزیق نے ٹارچ جلا کر ایک چھوٹے راستے کو دیکھا اور کہا۔ ”دیکھو۔ اس راستے کی چھت گری ہوئی ہے۔ ہم اس راستے سے نیچے نہیں جا سکتے۔“

نایاب نے گھبراتے ہوئے چھت کی طرف دیکھا جہاں کئی جگہ لکڑی بھی لگی ہوئی تھی لیکن زیادہ تر چھت چٹانوں کو نیچے سے کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ وہ بولی۔ ”اللہ نہ کرے یہ چھت ہمارے سروں پر آن گرے۔“

عنزیق بے صبری سے بولا۔ ”ادھر آ جاؤ۔ ہم یہاں خاصے محفوظ ہیں۔ کیا تمہیں حیرت نہیں ہو رہی کہ ہم زمین کی تہہ میں ہزاروں فٹ نیچے گھوم پھر رہے ہیں اور وہ بھی چٹانوں کے نیچے بنی ہوئی تانبے کی کانوں میں۔“

تزئین بولی۔ ”مجھے تو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ یہاں تازہ ہوا اور آکسیجن کیسے موجود ہے۔“

اسے اس راستے کی یاد آ رہی تھی جو چٹانوں کے درمیان ان کا خفیہ راستہ تھا اور وہاں کتنی گھٹن تھی اور بو کے بھبھکے اڑتے تھے۔ معاذ بولا۔ ”لازمی بات ہے ان کانوں میں ہوا کے گزرنے کا کوئی ذریعہ بنایا گیا ہو گا۔“ وہ اس بارے میں پڑھ چکا تھا کہ کانوں میں کام کرنے کے لیے ہوا گزرنے کے راستے اور ذرائع بنائے جاتے ہیں۔ اس نے کہا۔ ”لوگ جب بھی کانوں میں کام کرنے کا سوچتے ہیں تو سب سے پہلے تازہ ہوا کے حصول کے طریقے سوچتے ہیں۔ ان زیرِ زمین سرنگوں میں سے ہوا کیسے گزرے گی اور اگر پانی کا اخراج کہیں سے ہو جاتا ہے تو اس کی نکاسی کے کیا طریقے ہوں گے ان سب باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔“

نایاب ڈر کے مارے بدستور کانپتے ہوئے بولی۔ ”مجھے تو کانوں میں کام کرنے سے نفرت ہے۔ معاذ کیا ہم ابھی سمندر کے نیچے نیچے ہیں یا نہیں؟“

معاذ نے بتایا۔ ”ابھی نہیں۔ ابھی ہم آدھے راستے میں ہیں۔ اچھا اب یہ دیکھو یہ غار کتنی صاف ستھری ہے۔“

راستہ اچانک ایک بہت بڑی اور صاف ستھری غار میں داخل ہو گیا تھا جس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ واقعی یہاں لوگ کام کر رہے ہیں۔ غار کی چٹانی دیواروں پر جا بجا اوزاروں کے نشانات تھے اور پھر عنزیق ایک کونے میں گیا اور وہاں سے ایک کانسی کے ہتھوڑے نما اوزار اٹھا لایا۔ اس نے فخریہ انداز میں دوسروں کو بتایا۔ ”دیکھو۔ یہ ایسا اوزار ہے جو پرانے زمانے میں کان کن استعمال کرتے ہوں گے۔ اب یہ ٹوٹا چکا ہے۔ کانسی ایسی دھات ہوتی ہے جو تانبے اور جست کو ملا کر بنائی جاتی ہے۔ میرے سکول کے ہم جماعت تو اسے دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔“

عنزیق کی دیکھا دیکھی دوسرے بچے بھی سراغ رسانوں کی طرح اِدھر اُدھر چھان بین کرنے لگے اور پھر نایاب کے ہاتھ ایک ایسی چیز لگ گئی جس میں سبھی

نے بہت دلچسپی لی۔ وہ کوئی قدیم ہتھوڑا نہیں تھا بلکہ پنسل کا ایک ٹکڑا تھا جو چمکدار پیلے رنگ کا تھا۔ نایاب کی آنکھیں ٹارچ کی روشنی میں کسی بلّی کے بچّے کی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ شوخی سے بولی۔ ”پتا ہے یہ پنسل کس کی ہے؟ یہ پرویز صاحب کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پرویز صاحب کی ہی ہے کیونکہ میں نے خود انہیں اس پنسل سے لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔“

معاذ اس انکشاف سے متاثر ہو کر بولا۔ ”اس سے ایک بات تو بالکل واضح ہے کہ پرویز صاحب یہاں آئے تھے اور اچانک ان کے ہاتھ سے یہ پنسل چھوٹ کر یہاں گر گئی۔ اس کا مطلب ہے ہمارا اندازہ بالکل درست تھا۔ وہ کوئی پرندوں میں دلچسپی لینے والے انسان نہیں ہیں۔ وہ سمندر کی چٹان کے نیچے ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی میں رہ رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ذاتی کشتی اور ایک نئی خوبصورت کار بھی ہے۔ یہاں صرف اس لیے رہتے ہیں تاکہ ان کے دوست اور کارکن کان کنی میں مصروف ہیں اور یہ انہیں خوراک اور دوسری ضروری استعمال کی چیزیں پہنچاتے رہیں۔ پرویز صاحب کتنے چالاک ہیں۔ انہوں نے ہمیں اس بارے میں

ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔"

تزئین کہنے لگی۔ "کون ہے جو اپنے راز بچوں کو بتاتا پھرتا ہے۔ لیکن وہ کتنے حیران ہوں گے جب انہیں معلوم ہو گا کہ ہم ان کے سارے راز جانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی یہیں نیچے ہی ہوں۔"

معاذ کہنے لگا۔ "ہرگز نہیں بے وقوف! ان کی کشتی ساحل پر نہیں تھی۔ اور ظاہر ہے کشتی کا جزیرے تک پہنچنے کا کوئی دوسرا راستہ تو ہے نہیں۔"

تزئین بولی۔ "ہاں! میں تو بھول ہی گئی تھی۔ اب میں کانوں میں کام کرنے والوں سے نہیں ڈروں گی کیونکہ اب میں جانتی ہوں کہ وہ سب پرویز صاحب کے دوست ہیں اور ہم پوری کوشش بھی کریں گے کہ انہیں پتا نہ چلے کہ ہم یہاں ہیں۔ ورنہ وہ سمجھیں گے کہ بچوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے بلکہ وہ ہم سے ناراض بھی ہوں گے۔"

انہوں نے بڑی غار کا بغور جائزہ لیا۔ اس کی چھت لکڑی کے بہت بڑے ٹکڑوں سے بنی ہوئی تھی جن میں سے کچھ ٹوٹے ہوئے بھی تھے۔ کچھ جگہوں سے چھت

مُنہدم ہو رہی تھی۔ کچھ ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں اس غار کے اوپر بنے ایک غار میں بھی جا رہی تھیں لیکن اوپری غار کی چھت گرنے کی وجہ سے وہاں جانا ممکن نہ تھا۔ اچانک عنزیق چلتے ہوئے رکا اور مڑ کر دوسروں سے کہنے لگا۔ ”کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟ جو روشنی میں نے کچھ دن پہلے سمندر میں جلتی دیکھی تھی وہ کسی جہاز کی روشنی نہیں تھی بلکہ اس جزیرے پر جل رہی تھی۔ کان کن یہاں سے روشنی جلا کر اشارہ کر رہے تھے کہ ان کی خوراک ختم ہو گئی ہے اور انہیں مزید خوراک پہنچائی جائے۔ جو روشنی ساحل پر گھر کے نزدیک چٹانوں سے جل رہی تھی وہ پرویز صاحب جلا کر کان کُنوں کو اشارہ دے رہے تھے کہ وہ مزید کھانا لے کر آ رہے ہیں۔“

معاذ نے اعتراض کیا۔ ”لیکن روشنی تو ہماری چٹان سے جل رہی تھی۔ پرویز صاحب کی چٹان سے تو نہیں۔“

عنزیق نے وضاحت کی۔ ”میں جانتا ہوں لیکن جب روشنی سے اشارہ کرنا ہو تو سب سے اونچے مقام سے کیا جاتا ہے تاکہ دور جزیرے سے وہ دکھائی دے

سکے۔ اگر کوئی جزیرے کے عین وسط میں پہاڑی پر کھڑا ہو جائے اور وہاں آگ جلائے یا کوئی طاقتور لالٹین جلائے تو وہ صرف ہماری چٹان سے ہی دیکھا جا سکے گا، پرویز صاحب والی چٹان سے نہیں۔ یہی وجہ ہے جس کے لیے پرویز صاحب کو اشارے کا جواب دینے کے لیے ہماری چٹان پر آنا پڑا ہو گا۔"

معاذ کہنے لگا۔ "تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔ بے چارے بوڑھے پرویز صاحب کو ہمارے گھر کے پیچھے چٹانوں پر خاصی آوارہ گردی کرنی پڑی ہو گی۔ تم نے ان کا اشارہ دیکھ لیا اور ساتھ ہی صغیر نے بھی۔ اب مجھے صغیر کی 'چیزوں' کے بارے میں بھی حیرت نہیں رہی۔ وہ صحیح ڈرتا رہا اور ہمیں بھی ڈراتا رہا۔ اس نے اکثر پرویز صاحب کو بولتے سنا ہو گا اور روشنیاں دیکھی ہوں گی اور ان کے متعلق جانتا نہیں ہو گا کہ آخر وہ ہیں کیا؟"

عنزیق کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے پرویز صاحب جلد ہی جزیرے پر تازہ خوراک لے کر آئیں گے اور خوراک کے خالی ڈبے واپس بھی لے جائیں گے۔ اس بات سے ہماری وہ پریشانی بھی ختم ہو گئی ہے کہ خوراک کے خالی ڈبّے کہاں گئے ہیں۔

چالاک پرویز صاحب! کتنی ہوشیاری سے انہوں نے یہ راز چھپایا ہوا ہے اور ہمیں اس راز کا پتا ہے۔“

نایاب کہنے لگی۔ ”میرا خیال ہے ہمیں انہیں بتا دینا چاہیے کہ ہم یہ سب جانتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ بات ان سے چھُپانی نہیں چاہئے۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے ہی جانتے ہوں کہ ہم ساری حقیقت جان گئے ہیں۔“

معاذ کہنے لگا۔ ”ہمیں بات گھما پھرا کر اس طرح کرنی چاہیے کہ وہ خود ہی سمجھ جائیں کہ ہمیں سب پتا ہے۔ اگر انہیں اندازہ ہو گیا تو بات کھل جائے گی اور کانوں کے متعلق کھل کر گفتگو بھی ہو جائے گی اور پرویز صاحب ہمیں چھپائی ساری حیرت انگیز باتیں بتا دیں گے۔“

عنزیق کہنے لگا۔ ”بالکل ٹھیک ہے۔ ہم ایسا ہی کریں گے۔ اب آؤ ہم آگے بڑھتے ہیں۔ میں اس غار کو اچھی طرح سے دیکھ چکا ہوں۔“

راستہ تھوڑا سا بائیں جانب کو مڑ گیا اور معاذ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ مرکزی راستہ بائیں طرف کو مڑ کر چٹان کی چھت کے نیچے جاتا ہے

جہاں اس کے اوپر سمندر موجزن ہے۔ اس سے بڑا تجربہ شاید انہیں زندگی میں نہیں ہونے والا تھا جس میں وہ سمندر کے نیچے پھر رہے ہوں۔

تزئین بولی۔ ”یہ کیسی عجیب و غریب آواز ہے۔“ وہ سب سننے لگے۔ دور سے بہت عجیب اور شوریدہ آواز مسلسل ان کے کانوں میں آ رہی تھی۔ معاذ کہنے لگا۔ ”کان کُنوں کی مشینوں کی آواز!“ لیکن پھر اچانک وہ سمجھ گیا کہ یہ آواز کس چیز کی ہے۔“

وہ بولا۔ ”یہ آواز اس سمندر کی ہے جو ہمارے سروں کے عین اوپر موجزن ہے۔“

واقعی ان کے سروں کے اوپر سمندر کی آواز ہی تھی۔ بچے سہم کر کھڑے ہو گئے اور گھن گرج جیسی آواز سننے لگے۔ یہ سمندر تھا جو مسلسل ان چٹانوں کے اوپر بہہ رہا تھا جن کے نیچے وہ اس وقت کھڑے تھے۔ اس آواز کے شور میں ایک ترتیب تھی جو شاید صدیوں سے تبدیل نہیں ہوئی تھی۔

نایاب ڈرتے ہوئے کہنے لگی۔ ”یہ خیال کتنا خوف ناک ہے کہ ہم سمندر کے بالکل

نیچے ہیں۔“

وہ کانپ رہی تھی۔ آواز بہت ڈرا دینے والی تھی اور وہاں انتہائی تاریکی تھی۔
تزئین کہنے لگی۔ ”یہاں کتنے مزے کی گرم جگہ ہے۔“

اس بات سے سبھی نے اتفاق کیا۔ واقعی تانبے کی ان پرانی کانوں میں گرمی تھی۔
وہ راستے پر آگے بڑھتے رہے لیکن یہ دھیان میں رکھتے ہوئے کہ وہ مرکزی
راستے سے نہ ہٹیں۔

وہ راہداریوں میں جانے سے گریز کرتے رہے جو ہر سمت بکھری ہوئی تھیں اور
دوسرے راستوں اور کانوں میں میں کھلتی تھیں۔

معاذ کہنے لگا۔ ”اگر ہم مرکزی راستے پر نہ چلتے تو اب تک کھو چکے ہوتے۔“

نایاب نے یہ بات سن کر سکھ کا سانس لیا کہ وہ واقعی ابھی تک کھوئے نہیں ہیں۔
وہ حیران تھے کہ اب تک وہ اتنا پیدل سفر کر چکے ہیں لیکن انہیں کوئی پلی یا پائپ
ایسا نظر نہیں آیا جو اوپر کی طرف کچھ لے کر جاتا ہو۔ پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچے

جہاں انہوں نے اچانک ایک بہت چمکدار روشنی دیکھی۔ اس وقت تک وہ ایک موڑ مڑ چکے تھے اور وہ ایک ایسی غار میں پہنچے جس میں ایک بہت طاقتور روشنی والا لیمپ جل رہا تھا۔ وہ حواس باختہ ہو کر وہیں رُک گئے۔ پھر ایک عجیب اور حیرت انگیز آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ یہ آواز ایسی نہیں تھی جیسی سمندر کی وہ سن چکے تھے بلکہ یہ مشینی آواز تھی۔ یہ ایسی آواز تھی جو وہ پہلے بھی سن چکے تھے اور آسانی سے پہچان سکتے تھے۔ عنزیق سرگوشی سے بولا لیکن اس سرگوشی میں بھی جوش تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ”ہمیں علم ہو گیا ہے کان کن کہاں کام کر رہے ہیں۔ تھوڑا سا پیچھے رہو۔ وہ ہمیں دیکھ نہ لیں۔ صرف ہم ہی انہیں دیکھ سکیں۔“

زیرِ زمین قید

سبھی بچے دیوار کے ساتھ جڑ کر کھڑے ہو گئے اور اگلے غار میں جھانکنے لگے کہ اس میں کیا ہے۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ وہ بار بار آنکھیں جھپک رہے تھے۔ غار میں صرف ڈبے اور لکڑی کی پیٹیاں پڑی ہوئی تھیں اور وہاں کوئی کان کن موجود نہیں تھا لیکن کچھ فاصلے پر کوئی کام کر رہا تھا اور اس کے کام کرنے ہی سے وہ آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ نایاب ڈرتے ڈرتے بولی۔ ”آؤ واپس چلیں۔“

معاذ نے ٹارچ جلا کر قریب ہی ایک راستہ دیکھا جو غار سے باہر کو جا رہا تھا۔ وہ سرگوشی میں بولا۔ ”دیکھو یہ ایک راستہ باہر کی طرف جا رہا ہے۔ ہم رینگتے ہوئے اس میں چلے جاتے ہیں اور وہاں سے چھپ کر دیکھتے ہیں کہ کہیں قریب کوئی کان کن کام کر رہا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ رینگتے ہوئے سرنگ نما راستے میں چلے گئے اور چٹان کے ایک کونے میں ایک دوسرے میں ٹھس کر بیٹھ گئے لیکن تبھی چٹان کا کچھ حصہ ٹوٹ کر گرا جس سے بے چارہ مٹھو اتنا خوفزدہ ہوا کہ اس نے زور سے چیخ ماری اور عزیق کے کندھے سے اڑ گیا۔ عزیق بولا۔ ”مٹھو واپس آؤ۔“

عزیق صرف اس لیے بولا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ وہ کہیں مٹھو کو کھو نہ دے لیکن مٹھو اس کے کندھے پر واپس نہیں آیا۔ عزیق کو اس کی تلاش میں اٹھ کر جانا پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ سیٹی بجا رہا تھا جو وہ اس وقت بجایا کرتا تھا جب اس نے مٹھو کو بلانا ہوتا تھا۔ باقی بچوں کو ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ عزیق ان کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ آہستہ آہستہ سرنگ میں آگے کو چلنے لگے۔ کوئی تیزی سے سرنگ میں آیا اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی لالٹین تھی جس کی روشنی سے اسے تینوں بچے فوراً نظر

آ گئے۔ وہ ایک چٹان کے پیچھے خود کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ لالٹین والا آدمی اُنہیں دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ وہ اپنی کھر دری آواز میں بولا۔ ”یہ میرے لیے بہت حیرت انگیز بات ہے۔“

اس نے بچوں کو دیکھنے کے لیے لالٹین اونچی کی اور پھر کسی کو آواز دیتے ہوئے چلّایا۔ ”اوئے ثناء اللہ! ادھر آ کر دیکھو۔ تم حیران ہو جاؤ گے۔ میرے پاس ایک ایسا تماشا ہے جسے دیکھ کر تمہاری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔“

اس کی آواز سن کر ایک اور شخص وہاں آ گیا اور بوکھلا کر ہونّقوں کی طرح تینوں بچوں کی طرف دیکھنے لگا۔ پہلا شخص بولا۔ ”سناؤ اس بارے میں تمہارا خیال ہے؟“

ثناء اللہ بولا۔ ”بچے! یہ کہاں سے آ ٹپکے ہیں؟ کیا یہ اصلی بچے ہیں یا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں؟“

پہلا شخص بولا۔ ”یقین کر لو۔ یہ اصل بچے ہی ہیں۔“

پھر وہ تینوں بچوں سے پوچھنے لگا۔ ”تم یہاں کیا کر رہے ہو اور تمہارے ساتھ اور کون ہے؟“ اس کی آواز میں درشتگی نمایاں تھی۔

معاذ کہنے لگا۔ ”ہم خود ہی آئے ہیں۔“

یہ سن کر وہ شخص قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا۔ ”نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی کہانی بنانے کی ضرورت نہیں۔ خود ہی بتادو تمہیں یہاں کون لایا ہے اور کیوں؟“

نایاب معصومیت سے بولی۔ ”ہم خود ہی کشتی لے کر ادھر آئے ہیں۔ ہمیں پتا ہے کہ وہاں چٹانوں کے درمیان راستہ ہے ہم صرف جزیرے کو دیکھنے آئے ہیں۔“

ثناء اللہ نزدیک آکر پوچھنے لگا۔ ”تمہارے یہاں آنے کا کیا مقصد تھا؟“

جب وہ قریب آیا تو لڑکوں نے ثناء اللہ کو غور سے دیکھا اور انہیں کوئی شریف آدمی محسوس نہیں ہوا۔ اس کی دائیں آنکھ کے نیچے بڑا سا زخم کا نشان تھا اور وہ بڑی کمینگی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا منہ اتنی سختی سے بھینچا ہوا تھا کہ اس کے ہونٹ نظر ہی نہیں آرہے تھے۔ نایاب تو ڈر کر پیچھے ہو گئی۔

ثناء اللہ نے پھر اپنا سوال دہراتے ہوئے پوچھا۔ ”تم نیچے یہاں کیوں آئے ہو؟“

معاذ بولا۔ ”ہم نے سوراخوں میں لگی پلیاں دیکھی تھیں تو ہم نیچے اُتر آئے تاکہ پرانی کانیں دیکھ سکیں۔ ہم تمہارا کوئی راز فاش نہیں کریں گے، تم فکر نہ کرو۔“

یہ سن کر ثناء اللہ سختی سے بولا۔ ”ہمارا راز؟ تم ہمارے کون سے راز جانتے ہو؟“

معاذ کچھ نہ بولا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کہنا چاہیے۔ ثناء اللہ نے پہلے شخص کی طرف دیکھ کر سر کو ہلا کر اشارہ کیا جو کہ گھوم کر بچوں کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ اب بچے نہ آگے جا سکتے تھے اور نہ ہی پیچھے۔ نایاب رونے لگی۔ معاذ نے اسے بازو بڑھا کر اپنے پاس کھڑا کر لیا اور پہلی دفعہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ آخر عزیق کدھر ہے؟ نایاب بھی اسے اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگی۔ وہ اور زور سے رونے لگی۔ جب وہ اسے کہیں دکھائی نہ دیا معاذ نے آہستہ سے اسے کہا۔ ”نایاب ابھی انہیں عزیق کے متعلق نہ بتانا۔ عزیق بھاگنے میں کامیاب ہو جائے تو مدد لا سکے گا۔ لہٰذا اس کے متعلق بات نہ کرنا۔“

ثناء اللہ نے کہا۔ ”تم کیا کانا پھوسیاں کر رہے ہو لڑکے؟ اب میری طرف دیکھو۔

تم نہیں چاہو گے کہ ہم تمہاری بہنوں پر سختی کریں۔ جو بھی تم جانتے ہو ہمیں بتا دو۔ ہو سکتا ہے ہم تمہیں چھوڑ دیں۔"

معاذ ثناء اللہ کی باتوں کے انداز سے ہی خطرہ بھانپ چکا تھا۔ پہلی دفعہ اُسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ لوگ بہت ظالم ہیں اور وہ تینوں کے پاس موجود راز ان تک کبھی نہیں رہنے دیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ انہیں زیر زمین قیدی رکھیں، بھوکا رکھیں، انہیں ماریں۔ معاذ نے فوراً اپنا ذہن تیار کیا کہ کون سی باتیں ہیں جو وہ انہیں بتا سکتا تھا۔

وہ ثناء اللہ سے بولا۔ "ادھر دیکھو۔ ہمیں پتا ہے کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو اور وہ ہمارا دوست ہے۔ اگر تم نے ہمیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ تم سے بہت ناراض ہو گا۔"

ثناء اللہ حیران ہو کر پوچھنے لگا۔ "تو پھر اب خود ہی بتا دو کہ ہم کس کے لیے کام کرتے ہیں؟" معاذ کہنے لگا۔ "پرویز صاحب!"

اسے یقین تھا کہ وہ سو فیصد درست بات کر رہا ہے۔ پہلے شخص نے کہا۔ "پرویز

صاحب! یہ کس چڑیا کا نام ہے۔ میں نے تو زندگی میں کبھی اس شخص کا نام نہیں سنا۔"

معاذ بڑی بے صبری سے بولا۔ "تم نے ضرور سنا ہو گا۔ جب تم اسے روشنی سے اشارہ کرتے ہو تو وہ تمہارے لیے کھانا لے کر آتا ہے۔ اب تم بن رہے ہو۔ تم ضرور پرویز صاحب کو بھی جانتے ہو اور ان کی کشتی کو بھی جس کا نام بحری عقاب ہے۔"

وہ دونوں شخص حیرانی سے دونوں بچوں کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے آپس میں کسی ایسی زبان میں بات کی جسے بچّے نہیں جانتے تھے۔ کچھ خاموشی کے بعد ثناء اللہ بولا۔ "ہم کسی پرویز کو نہیں جانتے۔ تم بتاؤ کیا کبھی اس نے ہمارا ذکر تمہارے سامنے کیا ہے؟"

معاذ کہنے لگا۔ "نہیں نہیں۔ ہم نے صرف اندازہ ہی لگایا ہے۔"

پہلا آدمی کہنے لگا۔ "تمہارا اندازہ غلط ہے۔ اب ہمارے ساتھ آؤ ہم تمہیں کسی جگہ پر رکھتے ہیں جب تک کہ ہم یہ فیصلہ نہ کرلیں کہ تم جیسے بچوں کے ساتھ کیا

سلوک کرنا ہے جو دوسروں کے کاموں میں ٹانگ اڑاتے پھرتے ہیں۔" معاذ تب تک اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ لوگ انہیں کہیں زیر زمین قید میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اب وہ خطرے کی بو سونگھ چکا تھا۔ لڑکیاں تو پہلے سے ہی خوفزدہ تھیں۔ تزئین روئی تو نہیں لیکن پریشان ضرور تھی۔ البتہ نایاب مسلسل رو رہی تھی۔ وہ اس لئے بھی کہ عنزیق اس کے ساتھ نہیں تھا۔

ثناء اللہ جان بوجھ کر معاذ کے پیچھے چل رہا تھا اس نے بچوں کو دھکا دے کر ایک غار نما تنگ راستے میں دھکیل دیا جس کے آگے ایک دروازہ تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور بچے ایک ایسے غار میں داخل ہوئے جس کے اندر کا ماحول بالکل ایک کمرے کی طرح تھا جس میں بیٹھنے کے لیے بنچ پڑے تھے اور ایک چھوٹا میز بھی بچھا ہوا تھا۔ اس نے دانت پیستے ہوئے بڑے خوفناک انداز میں کہا۔ "تم یہاں بالکل محفوظ رہو گے۔ ڈرنے کی ضرورت قطعی نہیں ہے۔ میں تمہیں بھوکا نہیں ماروں گا۔"

پھر بچے تنہا رہ گئے۔ انہوں نے دروازے کو باہر سے بند ہوتے ہوئے سنا اور پھر

دور جاتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ نایاب ابھی تک رو رہی تھی معاذ کہنے لگا۔ ”کیا بد قسمتی ہے۔نایاب تم تو چپ کرو۔“

تزئین حیرانی سے پوچھنے لگی، ”آخر یہ پرویز صاحب کو کیوں نہیں جانتے حالانکہ ہمیں اچھی طرح علم ہے کہ وہ ان کے لیے کھانا لاتے ہیں اور شاید یہاں سے نکالا ہوا تانبا بھی لے کر جاتے ہیں،“

معاذ افسردگی سے بولا۔ ”اس کا اندازہ بہت آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پرویز صاحب نے ان کو اپنا غلط نام بتایا ہو گا۔ ویسے بھی پرویز صاحب کا نام ان کی شخصیت کے مطابق بہت عام سا لگتا ہے۔“

تزئین بولی۔ ”تم سمجھتے ہو کہ پرویز ان کا اصل نام نہیں ہے۔“

”کاش ہم ان کا اصل نام جانتے۔“ نایاب بولی۔ ”اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ مجھے تو تانبے کی کان کا قیدی بن کر رہنا ذرا اچھا نہیں لگ رہا اور وہ بھی سمندر کے نیچے۔ بلکہ یہ بہت ہی خوفناک ہے۔“

معاذ اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”لیکن یہ اتنی دلچسپ مہم بھی تو ہے۔“

وہ ایسی باتیں کر کے دراصل نایاب کو تسلّی دینا چاہتا تھا لیکن نایاب روتے ہوئے بولی۔ ”مجھے اس قسم کی مہم جوئی بالکل پسند نہیں جس میں مجھے قید سہنا پڑے۔“

ان میں سے کوئی بھی قید میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ معاذ عنزیق کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ بولا ”پتا نہیں عنزیق کا کیا بنا ہے؟ خدا کرے کہ وہ محفوظ ہو۔ وہ جلد ہی آکر ہمیں آزادی دِلوائے گا؟“

عنزیق واقعی محفوظ ہی تھا۔ وہ مٹھو کو تلاش کرتا ہوا سرنگ میں کافی آگے نکل گیا تھا۔ وہ سرنگ اب ایک اور راستے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہاں اسے مٹھو تو مل گیا لیکن اب وہ واپسی کا راستہ بھول گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے دوسرے ساتھی پکڑے جا چکے ہیں۔ البتہ مٹھو دوبارہ اس کے کندھے پر بیٹھا آہستہ آہستہ باتیں کر رہا تھا۔

بچے قید ہونے کے کچھ دیر بعد ہی خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔ وہاں کرنے کو کچھ نہیں تھا اور نہ کہنے کو۔ نایاب گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی اور شاید اسی حالت

میں تھک کر سو گئی تھی، تزئین اور معاذ بنچوں پر لیٹ کر سستا رہے تھے لیکن انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ پھر تزئین بھائی سے فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "معاذ ہمیں ہر صورت میں یہاں سے فرار ہونا ہو گا۔"

معاذ کہنے لگا۔ "ہم ایک ویران جزیرے پر دنیا کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ فرار ہونے میں کامیاب کیسے ہوں۔ سب سے پہلے تو ہمارے سامنے ایک مقفّل لکڑی کا دروازہ ہے جسے کھولنا بھی شاید ممکن نہیں۔"

آخر تزئین بولی۔ "معاذ میرے پاس ایک ترکیب ہے۔"

معاذ نے اس کے جواب میں طنزاً اس کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنی بہن کے خیالات کو کبھی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ زیادہ تر خیالی پلاؤ پکاتی ہے۔ تزئین نے زبردستی معاذ سے دوبارہ بات کرتے ہوئے کہا۔ "سن لو۔ معاذ یہ بہت اچھی ترکیب ہے۔"

معاذ نے پوچھا۔ "بتاؤ کیا ترکیب ہے؟"

وہ بولی۔ ”جلد یا بدیر ثناء اللہ یا دوسری آدمی ہمیں کھانا دینے آئے گا تو ہم اپنے سر اور گلے پکڑ کر چیخنے چلانے لگ جائیں گے۔“

حیران ہو کر معاذ نے پوچھا۔ ”مگر وہ کس لیے؟“

تزئین بولی۔ ”اسے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہاں ہوا بہت کثیف ہے اور ہمیں سانس لینے میں بہت مشکل ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ہماری حالت دیکھ کر ہمیں تازہ ہوا دلوانے کے لیے کھلے راستے تک لے جائیں۔ اس وقت تم اس پر ٹوٹ پڑنا۔ ٹانگ مار کر اس کی لالٹین گرا دینا اور ہم یہاں سے اتنی تیز بھاگیں گے جتنی تیز بھاگ سکتے ہیں۔“

معاذ اٹھ کر بیٹھ گیا اور معترف انداز میں اپنی بہن کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ”تزئین مجھے تمہاری یہ ترکیب بہت پسند آئی ہے۔ تم بہت ذہین ہو۔“

تزئین تعریف سن کر بہت خوش ہوئی۔ معاذ بولا۔ ”واقعی اچھی ترکیب ہے۔ آؤ اب نایاب کو جگائیں اور اسے یہ ترکیب بتائیں۔ اسے بھی تو اس ڈرامے میں اپنا کردار نبھانا ہو گا۔“

نایاب کو جگایا گیا اور اسے سارا منصوبہ سمجھایا گیا۔ اس کا بھی یہی خیال تھا کہ نہایت عمدہ منصوبہ ہے۔ وہ فوراً سانس بند ہونے کی اداکاری کرنے لگی اور اس کی اداکاری اتنی حقیقی تھی کہ تزئین اور معاذ کو اس کی تعریف کرنی پڑی۔ وہ بولا۔ ”بالکل ٹھیک ہے۔ جب ثناء اللہ یا کوئی اور شخص آئے گا ہم سب اسی طرح کی اداکاری کریں گے۔“

اُس نے زیرِ زمین کانوں کا نقشہ میز پر بچھا دیا اور اسے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ مجھے سمجھ آگئی ہے کہ ہم کہاں ہیں؟ یہاں ایک بہت بڑی غار ہے جس میں روشنی کی گئی تھی۔ وہ نقشے میں یہاں ہے اور یہ وہ راستہ ہے جہاں ہمیں دھکیلا گیا ہے۔ یہ وہ چھوٹی غار جس میں ہم بند ہیں۔ اب غور سے سنو۔ میں جیسے ہی ٹانگ مار کر اس شخص کے ہاتھ میں پکڑی لالٹین بجھا دوں، تم دونوں میرے ہاتھ پکڑ لینا اور میرے نزدیک رہنا۔ میں تمہیں سیدھے راستے پر لے جاؤں گا جو پُلی والے سوراخ کو جاتا ہے۔ پھر ہم اوپر چڑھیں گے۔ راستے میں عنزیق کو ملیں گے اور پھر کشتی پر سوار ہو جائیں گے۔“

تزئین خوش ہو کر بولی۔ ”بالکل ٹھیک ہے۔“

اور اسی لمحے انہیں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

قید سے فرار

باہر سے کنڈی کھولی گئی۔ دروازہ کھلا اور ثناء اللہ اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کھانا اور پانی سے بھرا ہوا جگ تھا۔ اس نے جگ میز پر رکھا۔ پھر وہ حیرت سے تینوں بچوں کو دیکھنے لگا۔ معاذ ہچکیاں لے رہا تھا اور بنچ سے گر کر زمین پر لوٹنیاں لینے لگا۔ تزئین اپنے حلق سے ایسی عجیب آوازیں نکال رہی تھی جو آج تک کسی نے نہیں سنی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑے زور سے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو بھی دبا رہی تھی۔ نایاب کے چہرے سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مدّت

سے بیمار ہو اور بڑے زور سے کراہ بھی رہی تھی۔ ثناء اللہ بولا۔ ”کیا ہوا ہے؟“

معاذ نے گہرے سانس لیتے ہوئے اسے بڑی مشکل سے بتایا۔ ”ہوا! ہمیں ہوا چاہیے ہمارا سانس گھٹا جارہا ہے۔ ہوا۔ آکسیجن“

پھر تزئین بھی فرش پر گر کر لوٹنیاں لینے لگی۔ ثناء اللہ نے اس کی مدد کرتے ہوئے اسے اٹھایا اور دوبارہ معاذ کے پاس لے گیا۔ اس نے دوسروں کی بھی مدد کی اور انہیں کھلے بڑے راستے میں لے گیا۔ وہ یقین ہو گیا تھا کہ بچّے سانس لینے میں تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے واقعی قید خانے میں آکسیجن کی کمی ہو گئی ہو۔

معاذ نے موقعہ تاڑا اور لڑکھڑاتا ہوا ثناء اللہ کی طرف بڑھا۔ وہ ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے سیدھا کھڑا نہ ہو سکتا ہو۔ جیسے ہی وہ ثناء اللہ کے نزدیک پہنچا اس نے اپنی دائیں ٹانگ اٹھائی اور ثناء اللہ کے ہاتھ میں جلتی ہوئی لالٹین کا نشانہ لیتے ہوئے اسے دے ماری۔ لالٹین اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور گرتے ہی اس کا شیشہ چور چور ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی لالٹین بجھ گئی۔ شیشے کے ٹوٹنے اور ثناء اللہ کے

چلّانے کی آوازیں ایک ساتھ ہی آئیں۔ تبھی معاذ نے ہاتھ بڑھا کر دونوں لڑکیوں کے ہاتھ تھامے۔ اس نے انہیں بائیں جانب کھلے رستے میں دھکیل دیا۔ ثناء اللہ اب مکمل اندھیرے میں کھڑا تھا۔ وہ ہاتھوں سے اِدھر اُدھر ٹٹول رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینی شروع کر دیں۔ ”عباس اوئے عباس! جلدی سے لالٹین لے کر آؤ۔ جلدی کرو۔ یہ کل کے بچّے مجھے بے وقوف بنا گئے ہیں۔ اوئے عباس۔“

معاذ پوری کوشش کر رہا تھا کہ وہ کسی طرح لڑکیوں سمیت سیدھے راستے پر ہی چلے۔ ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے اور نایاب کو محسوس ہو رہا تھا جیسے واقعی اس کا سانس رک رہا ہو۔ جلد ہی ثناء اللہ کی چیخ و پکار بہت پیچھے رہ گئی۔ اب وہ چوڑے مرکزی راستے میں داخل ہو گئے تھے جہاں سے وہ کچھ ہی دیر پہلے اندر آئے تھے۔ معاذ اب ٹارچ کا استعمال کر رہا تھا اور اس کی ننھی لیکن تیز روشنی کی شعاع انہیں بہت بھلی لگ رہی تھی۔ معاذ کہنے لگا ”شکر ہے ہم بالکل درست سرنگ میں ہیں۔“

پھر وہ کان لگا کر آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا لیکن انہیں اپنے سروں کے اوپر ماسوائے سمندر کے بہنے کی آواز کے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس نے ٹارچ گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ واقعی وہ بالکل صحیح راستے پر تھے۔ نایاب ہانپتے ہوئی بولی۔ ''کیا ہم کچھ آرام کر سکتے ہیں؟''

معاذ کہنے لگا۔ '' بالکل نہیں۔ وہ لوگ فوراً ہمارے پیچھے آئیں گے۔ انہیں صرف لالٹین کی روشنی کا انتظار ہو گا۔ انہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہم پُلی کی طرف جا رہے ہیں۔ آؤ۔ ہمت کرو۔ ہمارے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔''

بچے دوبارہ تیزی سے آگے بڑھنے لگے لیکن کچھ دیر میں ان کی مایوسی کی انتہا نہیں رہی جب انہوں نے اپنے پیچھے آتے لوگوں کا شور سنا۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کا تعاقب جاری ہے اور پریشانی اس بات سے تھی کہ وہ ان کے قریب پہنچ رہے تھے۔ نایاب اس صورتحال سے اتنا گھبرائی کہ وہ قدم بھی نہیں اٹھا پا رہی تھی۔ آخرکار وہ پُلی والے سوراخ پر پہنچ گئے۔ گہرائی اتنی تھی کہ انہیں اوپر سے کنویں کا سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔

معاذ نے سخت بے چینی سے کہا۔ ”جلدی اوپر چڑھو۔ نایاب پہلے تم اوپر جاؤ اور جتنی تیزی سے چڑھ سکتی ہو اوپر چڑھو۔“ نایاب اوپر چڑھنے لگی۔ تزئین اس کے پیچھے تھی اور معاذ سب سے آخر میں تھا۔ پیچھے آتے آدمیوں کی آوازیں پہلے سے زیادہ صاف سنائی دینے لگیں۔ پھر اچانک وہ رک گئے اور معاذ کو ان کی آوازیں سنائی دینا بند ہو گئیں۔ معلوم نہیں کیا ہوا تھا؟ واقعی بہت غیر معمولی چیز رونما ہوئی تھی۔

مٹھو کچھ فاصلے سے شور کو سن رہا تھا۔ اچانک اس نے جوش میں آکر چلانا شروع کر دیا۔ عنزیق اور مٹھو ابھی تک راستے سے بھٹکے ہوئے تھے اور انہیں راستوں اور راہداریوں کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ مٹھو کے تیز کانوں نے آدمیوں کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا اور اس نے چیخنا چلّانا شروع کر دیا۔ ”اپنے پاؤں صاف کرو۔ دروازہ بند کر دو۔ ارے چچی۔ چائے کی کیتلی چولہے پر رکھ دو۔“

آدمیوں نے یہ آواز سنیں تو وہ یہ سمجھے کہ شاید بچے بول رہے ہیں۔ ثناء اللہ کہنے لگا۔ ”وہ راستہ کھو بیٹھے ہیں۔ اب انہیں پلی والی کنویں کا راستہ نہیں مل رہا۔ وہ گم

گئے ہیں۔ اسی لیے مدد کے لیے شور مچا رہے ہیں۔"

عباس رُکھائی سے بولا۔ "اب وہ کبھی پلی والے کنویں کا راستہ نہیں ڈھونڈ پائیں گے۔ اس لیے انہیں شور مچانے دو۔ اب خود ہی راستہ ڈھونڈتے بھوک سے مر جائیں گے۔"

ثناء اللہ بولا" ہر گز نہیں ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ ان بچوں کو ڈھونڈنے کے لیے لوگوں کو اِدھر متوجہ کر لیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم انہیں پکڑ لیں۔ وہ اسی سمت میں جا سکتے ہیں۔" پھر وہ مرکزی راستے پر آ گئے تا کہ جدھر سے بچوں کی آوازیں آ رہی ہیں ادھر تیزی سے جا کر ان پر قابو پا لیں۔

مٹھو کی آواز ایک دفعہ پھر ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ "بے وقوف اپنے پیر صاف کرو۔ اپنے پیر صاف کرو۔"

دونوں آدمی یہ سن کر حیران رہ گئے۔ وہ آواز کی طرف بڑھنے لگے۔ عزیق مٹھو کے ساتھ پھر ایک نامعلوم راستے میں مڑ گیا تھا جس کا ان دونوں آدمیوں کو بھی علم نہیں تھا۔ مٹھو خاموش ہو گیا اور کچھ دیر کے لیے دونوں آدمی بھی۔

پھر ثناء اللہ بولا۔ ”مجھے اب بچّوں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہیں۔ بہتر ہے کہ ہم کنویں کی طرف چلیں۔ آخر کار آنا تو انہیں وہیں ہے۔ ہم انہیں فرار نہیں ہونے دے سکتے۔ ایک دفعہ ان پر قابو پالیں پھر دیکھیں گے کہ ان کا کیا کرنا ہے۔“ انہوں نے ایک دفعہ پھر کوشش سے پلی کے ساتھ لگی سیڑھیاں تلاش کیں اور اوپر دیکھا تو اوپر سے چھوٹے چھوٹے پتھروں کی بارش ہونے لگی۔

ثناء اللہ چلایا۔ ”بہت برا ہوا۔ بچے اوپر ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی سیڑھی پر چڑھنے لگا۔ تب تک بچے تقریباً اوپر تک پہنچ چکے تھے۔ نایاب کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے بازو اور ٹانگیں شل ہو چکی ہوں اور وہ مزید اوپر نہیں جا سکتی۔ کسی نہ کسی طرح وہ اوپر پہنچ ہی گئی اور پھر زمین پر لیٹ گئی. تزئین اس کے بعد اوپر پہنچی اور نایاب کے پاس بیٹھ کر سانس درست کرنے لگی۔ آخر میں معاذ پہنچا۔ وہ خود بھی بہت تھک چکا تھا لیکن اس نے آرام نہ کرنے کا تہیّہ کیا۔ وہ بولا۔ ”مجھے یقین ہے ہمارا پیچھا کرنے والے بھی اسی راستے سے اوپر آ رہے ہیں۔ ہمارے پاس ضائع کرنے کو ایک لمحہ بھی نہیں ہے۔

اٹھ جاؤ لڑکیو! ہمیں ہر صورت کشتی تک پہنچنا ہے اور اس سے پہلے کہ کوئی ہمیں روکنے آئے ہمیں اس جزیرے سے نکل جانا چاہیے۔"

اب اندھیرا چھانے لگا تھا۔ وہ کافی دیر تک زیر زمین رہے تھے۔ معاذ لڑکیوں کو گھسیٹتے ہوئے ساحل کی طرف لے کر چلا۔ کشتی وہیں موجود تھی۔ نایاب بڑے مصمّم ارادے سے کہنے لگی۔ "میں عنزیق کے بغیر یہاں سے نہیں ہلوں گی۔"

اس کا دل اپنے بھائی کے بغیر بہت بے چین تھا لیکن معاذ اسے اٹھا کر کشتی میں لے گیا۔ وہ بولا "ہم وقت ضائع نہیں کر سکتے۔ آؤ ہم جیسے ہی گھر پہنچیں گے عنزیق کی مدد کے لیے کسی کو بھیج سکیں گے۔ میں بھی اس کے بغیر جانا نہیں چاہتا لیکن پہلے مجھے تمہیں محفوظ مقام پر پہنچانا ہے۔"

معاذ نے ایک چپو چلانا شروع کیا تو تزئین نے دوسرا سنبھال لیا۔ جلد ہی وہ دونوں کشتی کو تیزی سے کھیتے پر سکون پانی سے گزر رہے تھے۔ یہاں سے کچھ ہی دور سمندر کی لہریں چٹانوں سے ٹکراتی شور مچا رہی تھیں۔ معاذ کو بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔ دن کے اجالے میں اس راستے کو بہت احتیاط سے پار کیا جاتا تھا تو

رات کے اندھیرے میں یہ کام بہت ہی خطرناک تھا۔ اس نے لہروں کی گھن گرج سنی لیکن اب وہ ساحل سے اتنی دور تھے کہ وہاں سے آدمیوں کو دیکھنا بہت مشکل تھا۔

ثناء اللہ اور عباس پُلی کی سیڑھیوں سے اوپر چڑھے۔ جزیرے کے ساحل پر بھاگم بھاگ پہنچا اور وہاں کشتی تلاش کی۔ لیکن وہاں کوئی کشتی ہوتی تو انہیں ملتی۔ سمندر کی لہریں ریت پر اس کے نشان بھی مٹا چکی تھیں۔ بچوں کی یہ خوش قسمتی تھی کہ جب وہ کشتی تک پہنچے تو وہ کم گہرے پانی میں ہچکولے لے رہی تھی۔ ذرا دیر ہوتی تو شاید کشتی پانی بہا کر لے جاتا۔ عباس کہنے لگا۔ ”یہاں تو کوئی کشتی نہیں ہے۔ تو پھر وہ بچے یہاں تک کیسے پہنچے تھے؟ حیران کُن بات ہے لیکن بچے ضرور کشتی پر سوار ہو کر ہی فرار ہوئے ہیں۔ وہ ابھی تک زیرِ زمین نہیں ہو سکتے۔ بہتر ہے ہم رات روشنی سے اشارہ کریں تاکہ کوئی یہاں آئے اور ہم اسے خبردار کر سکیں کہ بچوں کو زیرِ زمین کارروائی کا علم ہو چکا ہے۔“

پھر وہ دوبارہ پلی والے کنویں تک پہنچے اور نیچے اترنے لگے۔ انہیں اس بات کا

قطعی اندازہ نہیں تھا کہ ایک بچہ اپنا توتا کندھے پر بٹھائے نیچے ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ بے چارہ عنزیق ابھی بھی راہداریوں میں پھنسا راستہ تلاش کر رہا تھا۔ ساری راہداریاں اور راستے اسے ایک ہی جیسے دیکھ رہے تھے۔ اسی اثنا میں معاذ، تزئین اور نایاب چٹانوں میں سے راستہ ڈھونڈ چکے تھے۔ لیکن یہ نایاب کے تیز کانوں کی مرہونِ منّت تھا۔ وہ دوسروں سے زیادہ لہروں کے سر پٹخنے کی آواز سن رہی تھی اور ایک جگہ پر شور تھوڑا کم تھا۔ وہ بولی ”یہاں راستہ ہونا چاہیے۔ یہاں آواز کچھ کم ہے۔“

وہ ایک طرف بیٹھ کر ہدایات دینے لگی اور کشتی کو اُدھر ہی لے جانے لگی جہاں اس کے خیال کے مطابق راستہ ہونا تھا۔ اتفاق سے وہ کامیاب ہو گئی۔ کشتی راستے سے نکل گئی۔ ایک دفعہ پھر اس کا پیندا پتھروں سے ٹکرایا لیکن پھر اس کے بعد ان کے سامنے کھلا سمندر تھا۔ شام کے جھٹپٹے میں معاذ نے بادبان چڑھائے اور کشتی کو بہاتا ہوا گھر لے آیا جس کا راستہ شاید وہ اندھیرے کی وجہ سے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔

اس کے لیے یہ سب کچھ زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ وہ ہر صورت لڑکیوں کو حفاظت سے گھر لانا چاہتا تھا۔ مشکل کے وقت اُس نے ہمّت سے کام لیا اور کامیاب بھی ہو گیا۔ وہ چٹان کے نیچے جب اس مقام پر پہنچ گیا جہاں کشتی رکھی جاتی تھی تو وہ کشتی سے باہر کود نہ سکا۔ اس کے گھٹنے گویا جواب دے گئے اور وہ چلنا جیسے بھول ہی گیا تھا۔

وہ بولا۔ ”مجھے ایک دو منٹ خود کو ٹھیک کرنے میں لگیں گے۔ میری ٹانگیں پھول گئی ہیں۔ لیکن میں جلد ہی ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

تزئین کہنے لگی۔ ”بھیا۔ تم بہت بہادر ہو۔“

وہ دل سے اپنے بھائی کی تعریف کر رہی تھی۔ آخر کار انہوں نے کشتی باندھی اور گھر پہنچ گئے۔ چچی انہیں دروازے پر ہی مل گئیں لیکن وہ بہت پریشان تھیں۔ وہ سوال پر سوال کرنے لگیں۔ ”تم اتنی دیر کہاں تھے؟ میں تمہارے بارے میں بہت فکر مند تھی۔ میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے اور مجھے چکر آ رہے ہیں؟“

وہ بہت کمزور لگ رہی تھیں۔ ان کا رنگ سفید پڑ چکا تھا۔ وہ بولتی رہیں۔ معاذ

سرعت کے ساتھ آگے بڑھا اور بڑھ کر چچی کو تھام لیا کہ مبادا وہ گر نہ پڑیں۔ وہ بولا۔ ”چچی! ہمیں بہت افسوس ہے ہم نے آپ کو پریشان کیا۔ میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔“

”نہیں تزئین تم لے کر آؤ۔“ وہ چچی کو ایک کرسی پر بٹھا چکا تھا۔ کچھ دیر بعد چچی کی طبیعت کچھ بہتر ہو گئی لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ بیمار تھیں۔ تزئین نایاب سے کہنے لگی ”اب چچی کسی طرح کا ذہنی بوجھ نہیں اٹھا سکتیں۔“

ایک دفعہ معاذ پہاڑی سے گرنے لگا تھا چچی اس غم سے بھی کئی دن بیمار رہیں تھیں۔ میں انہیں بستر پر لٹاتی ہوں۔“

معاذ نے تزئین کو متنبی کرتے ہوئے کہا۔ ”عزیق کے گُم ہونے کے بارے میں انہیں ایک لفظ نہ کہنا۔ یہ نہ ہو بے چاری چچی کو دل کا دورہ پڑ جائے۔“

تزئین اپنی چچی کے ہمراہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئی۔ وہ انہیں مضبوطی سے پکڑے ہوئی تھی۔ معاذ صغیر کو دیکھنے چلا گیا جو ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ معاذ کو خوشی تھی کہ صغیر کو اپنی کشتی کے بارے میں معلوم نہیں ہو اسکا۔

پھر اس نے نایاب کے چہرے کا رنگ فق دیکھا۔ اس نے آنکھوں میں آنسو اور چہرے کے تاثرات پریشان دیکھے۔ اسے بہت افسوس تھا۔ پھر نایاب گلہ کرتے ہوئے بولی۔ ''ہم عنزیق کو ڈھونڈنے کب جارہے ہیں؟ ہمیں ہر حال میں اسے آزاد کروانا چاہیے۔''

معاذ نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں۔ لیکن ہم چچی کو نہیں بتاسکتے اور چچا کو بتانے کا فائدہ نہیں۔ اگر صغیر کو بتائیں گے تو ہم بہت بڑی بے وقوفی کریں گے۔ اب ایک ہی شخص ایسا بچتا ہے اور وہ ہیں پرویز صاحب۔''

نایاب نے کہا۔ ''تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ ہم پرویز صاحب کو نہیں بتائیں گے۔''

معاذ کہنے لگا۔ ''میں جانتا ہوں لیکن ہمیں ان سے بات کرنی ہی ہو گی۔ عنزیق دکھ والے جزیرے پر اکیلا ہے۔ پرویز صاحب کو ہم مجبور کریں گے کہ وہ جزیرے پر جائیں اور اپنے ظالم دوستوں سے بات کریں کہ عنزیق ان کا دوست ہے۔ اس طرح وہ عنزیق کو تلاش کریں اور حفاظت سے گھر واپس پہنچائیں گے۔ اس لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

لیکن نایاب روتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کیا تم ابھی پرویز صاحب کو ملنے جارہے ہو۔" معاذ نے کہا۔ "میں ابھی نکل جاتا ہوں۔ لیکن پہلے کچھ کھالوں۔ میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ تم بھی کچھ کھالو۔ تم کورے کاغذ کی طرح سفید نظر آتی ہو۔ اب فکر نہ کرو۔ عنزیق وہاں محفوظ ہو گا اور اس کے آتے ہی ہم دوبارہ گپیں ہانکیں گے۔"

معاذ کو یکایک بھوک کا احساس ہوا تھا۔ پھر تزئین نیچے اتر آئی۔ وہ ان کے لیے کھانا لے کر آئی۔ سبھی بچوں کو بھوک لگ رہی تھی۔ حتیٰ کہ نایاب بھی بھوک محسوس کر رہی تھی۔ تزئین اس بات پر معاذ کی تائید کر رہی تھی کہ واقعی انہیں پرویز صاحب کے پاس جانا چاہیے اور انہیں جزیرے پر عنزیق کو لانے کے لیے بھیجنا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ وہ ان ظالم لوگوں کے ہاتھ لگ جائے۔

تزئین کہنے لگی۔ "ویسے بھی وہ ہمارے فرار سے غصّے سے پاگل ہو رہے ہوں گے۔ یہ نہ ہو وہ ہمارا سارا غصّہ بے چارے عنزیق پر نکال دیں۔" یہ کہہ کر وہ پچھتانے لگی کہ اسے نایاب کی موجودگی میں عنزیق کے بارے میں ایسی بات منہ

سے نہیں نکالنی چاہیے تھی۔ اب نایاب انتہائی خوفزدہ لگ رہی تھی۔ نایاب نے التجا کرتے ہوئے کہا۔ ”معاذ ضرور پرویز صاحب کے پاس جاؤ۔ ابھی جاؤ۔ اگر تم نہیں جاتے تو پھر میں جاتی ہوں۔“ معاذ کہنے لگا۔ ”بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ تم اتنی اندھیری رات میں چٹان والے راستے پر نہیں چل سکتیں۔ تم گگر سے نیچے گِر جاؤ گی۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔“

وہ اٹھا اور روانہ ہو گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ چٹانوں کا عمودی راستہ عبور کر رہا تھا۔ پھر وہ پرویز صاحب کو ڈھونڈنے لگا۔ اس نے کچھ فاصلے پر صغیر کی گاڑی کی روشنیاں دیکھیں جو گھر واپس آ رہا تھا۔ وہ اور تیز چلنے لگا تا کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ اس نے سوچا پرویز صاحب مجھے دیکھ کر حیران ہوں گے۔ لیکن افسوس پرویز صاحب وہاں موجود نہیں تھے۔ معاذ آخر پرویز صاحب کی جھونپڑی میں پہنچ گیا اور اب سوچ رہا تھا کہ کیا کرے؟

پرویز صاحب سے ملاقات

معاذ سخت اداس تھا۔ اس کے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ پرویز صاحب اسے جھونپڑی میں نہ ملے ہوں۔ وہ ایک کرسی میں بیٹھ گیا۔ وہ اتنا تھک چکا تھا کہ اس کا ذہن بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرے لیکن اسے کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔ جھونپڑی میں بہت اندھیرا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ جھونپڑی کے پیچھے کچھ ہے۔ وہ واپس مڑ کر دیکھنے لگا کہ یہ کیا ہے؟ وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایک سرخ بتّی سی جل رہی ہے۔ پھر وہ بجھ گئی۔ وہ کچھ لمحوں کے بعد پھر جل گئی

اور پھر دوبارہ بجھ گئی۔ یہ تماشہ کئی منٹوں تک مسلسل ہوتا رہا اور معاذ سوچتا رہا کہ آخر یہ کیا چیز ہے اور یہ سگنل کیوں دے رہی ہے۔ آخر وہ اُٹھا اور بتّی کے پاس چلا گیا۔ یہ ایک وائر لیس سیٹ تھا جس پر وہ چھوٹا سا بلب لگا ہوا تھا۔ معاذ اسے بغور دیکھنے لگا اور پھر اس نے وائر لیس سیٹ پر لگے ہوئے ایک دو گول بٹن گھمائے۔ ایک بٹن گھمایا تو وائر لیس سیٹ سے موسیقی سی بجنے لگی۔ جب دوسرا بٹن گھمایا تو کوڈ ورڈ میں باتیں شروع ہو گئیں۔ پھر اچانک اس کی نظر وائر لیس سیٹ کے پیچھے لگے ہوئے ٹیلیفون کے چونگے پر پڑی۔ وہ جیبی سائز کا تھا۔ اس نے پہلے اتنا چھوٹا ٹیلی فون کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے ٹیلی فون کا چونگا اٹھایا تو فوراً اس سے برقی آواز نکلنے لگی۔

پھر کوئی بولا۔ "وائی ٹو بول رہا ہوں۔"

معاذ نے حیرانی سے یہ الفاظ سنے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جواب دے گا وہ بولا۔ "ہیلو! آپ کون ہیں؟"

دوسری طرف سے ایک لمحے کی خاموشی رہی۔ لازمی امر تھا کہ وائی ٹو جو بھی تھا

پریشان ہو گیا تھا۔ پھر ایک بہت محتاط پیغام دیا گیا۔ "تم کون ہو؟"

معاذ کہنے لگا۔ "میں ایک لڑکا ہوں اور میرا نام معاذ ہے۔ میں پرویز صاحب کو ملنے آیا تھا لیکن وہ یہاں نہیں ہیں۔"

آواز آئی۔ "دوبارہ بتاؤ تم کس سے ملنے آئے تھے؟"

معاذ نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا۔ "پرویز صاحب کو۔ لیکن وہ یہاں نہیں ہیں۔ آپ کون ہیں؟ کیا آپ پرویز صاحب کے لیے کوئی پیغام چھوڑنا چاہتے ہیں؟ میرا خیال ہے وہ تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔"

وائی ٹو نے پوچھا۔ "انہیں گئے ہوئے کتنی دیر ہو گئی ہے؟"

معاذ نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں۔ لیکن ذرا انتظار کریں۔ مجھے لگتا ہے وہ آ گئے ہیں۔" خوشی خوشی اس نے چونگا ٹیلی فون سیٹ کے نزدیک رکھ دیا۔ اس نے باہر کسی کے سیٹی بجانے کی آواز سنی تھی اور قدموں کی چاپ بھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ پرویز صاحب ہی ہوں گے اور واقعی وہ پرویز صاحب ہی تھے۔ وہ جھونپڑی میں

داخل ہوئے۔ اُن کی ٹارچ جل رہی تھی۔ وہ معاذ کو دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ کئی لمحے ان کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا۔ معاذ خوشی سے بولا۔ ”شکر ہے پرویز صاحب آپ مل گئے۔ آپ سوچ نہیں سکتے مجھے آپ کو دیکھ کر کتنی خوشی ہوئی ہے۔ اچھا جلدی سے ٹیلی فون پر جواب دیں کوئی وائی ٹو آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔“

پرویز صاحب حیران ہو کر پوچھنے لگے۔ ”کیا تم نے اس سے بات کی ہے؟“

پھر انہوں نے چونگا اٹھایا اور بات شروع کی۔ ”کیا وائی ٹو بول رہے ہیں؟ ایل فور بول رہا ہوں۔“

وائی ٹو نے پرویز صاحب سے معاذ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ ”معاذ یہاں نزدیک ہی رہتا ہے۔ کیا خبر ہے؟ بتایئے۔“

اس کے بعد پرویز صاحب کی مزید جو بھی گفتگو ہوئی اس میں پرویز صاحب ”جی ہاں، میں آپ کو بتاؤں گا، شکریہ، نہیں ابھی نہیں، خدا حافظ، جیسے الفاظ دہراتے رہے۔ جب ان کی گفتگو ختم ہوئی تو وہ معاذ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے کہا

”بیٹا! دیکھو اگر میں موجود نہ ہوں تو کسی صورت میں میری کسی چیز یا میرے معاملات کے بارے میں کسی سے بات نہیں کرنی۔“

پرویز صاحب نے پہلے کبھی ان سے اتنے سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ معاذ کا تو جیسے دل ہی بیٹھ گیا۔ پرویز صاحب کیا کہیں گے اگر انہیں یہ معلوم ہوا کہ بچے ان کا راز جانتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ سوچیں گے کہ ہم ان کی توقع سے بھی زیادہ ان کے معاملات میں دخل دے رہے ہیں۔

اس نے شرمندگی سے پرویز صاحب کو کہا۔ ”پرویز صاحب! مجھے افسوس ہے لیکن میں کسی معاملے میں دخل نہیں دینا چاہتا تھا۔“

پرویز صاحب نے پوچھا۔ ”تم آخر اتنی رات گئے یہاں کیوں آئے ہو؟“

معاذ نے پوچھا۔ ”پرویز صاحب! کیا یہ آپ کی پنسل ہے؟“ اس نے جیب سے پنسل نکال کر دکھائی۔ اسے امید تھی کہ پرویز صاحب جب پنسل دیکھیں گے تو انہیں یاد آ جائے گا کہ وہ ان سے تانبے کی کانوں میں گری تھی۔ اور پھر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ اندازہ لگا لیں گے کہ بچے انکا راز جانتے ہیں۔ پرویز

صاحب نے پیلی پنسل کو گھور کر دیکھا اور کہنے لگے۔ ”ہاں! یہ میری پنسل ہے۔ لیکن کیا تم اتنی رات گئے میری پنسل واپس کرنے آئے ہو؟ ظاہر ہے تم کسی اور کام سے آئے ہو بتاؤ۔“

بے چارہ معاذ بولا۔ ”پرویز صاحب! ناراض مت ہویئے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ جزیرے پر کیا کرنے جاتے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں۔“

پرویز صاحب اس کی باتیں یوں سن رہے تھے جیسے انہیں اپنے کانوں کی سماعت پر یقین نہ آ رہا ہو۔ وہ حیرانی سے معاذ کو بس گھورتے جا رہے تھے۔ انہوں نے تقریباً اپنی آنکھیں سکیڑ رکھی تھیں اور ہونٹ اتنے زور سے بھینچے ہوئے تھے کہ نظر نہیں آ رہے تھے اس لمحے وہ بہت خوفناک لگ رہے تھے۔

پرویز صاحب نے بڑے سخت لہجے میں اس سے پوچھا۔ ”اب تم مجھے ان باتوں کی تفصیل بتاؤ گے اور ان باتوں کا مطلب بھی۔ میرا کونسا راز ہے؟ اور تم میری ساری باتیں جانتے ہو۔ وہ ساری باتیں کیا ہیں؟“

مجبور ہو کر معاذ بولا۔ ”ہم جانتے ہیں کہ آپ اور آپ کے ساتھی تانبے کی کانوں میں کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ اپنی کشتی اور کار کے ساتھ یہاں اس لیے موجود ہیں کہ ان کو خوراک پہنچا سکیں۔ ہمیں پتا ہے کہ آپ کانوں میں کام کرنے والوں سے ملنے جزیرے پر جاتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے یہاں سب کو غلط نام بتا رکھا ہے لیکن پرویز صاحب ہم آپ کے خلاف نہیں ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ یہاں سے زیادہ سے زیادہ تانبا نکال کر لے جائیں۔“

پرویز صاحب دستور آنکھیں سکیڑ کر ہنستے رہے لیکن گفتگو کے دوران اب وہ آنکھیں جھپک رہے تھے اور ان کا چہرہ بھی پرانے پرویز صاحب کی طرح دکھ رہا تھا۔ پرویز صاحب بولے۔

”اچھا تو تم یہ سب باتیں جانتے ہو اور اس کے علاوہ تم اور کیا جانتے ہو؟ تم جزیرے پر کیسے پہنچ گئے۔ تم نے میری کشتی تو استعمال ہی نہیں کی۔“ معاذ نے جب پرویز صاحب کو دوست کے روپ میں دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ وہ

بولا۔ ''نہیں نہیں۔ ہم صغیر کی کشتی پر گئے تھے جب وہ قصبے کو گیا ہوا تھا۔ ہم زیرِ زمین تانبے کی کانوں تک پہنچ گئے تھے۔ وہیں سے ہمیں آپ کی پنسل ملی تھی لیکن ہمیں آپ کے دوست بہت ہی برے لگے۔ انہوں نے ہمیں قید کر لیا تھا اور جب ہم نے انہیں آپ کا نام بتایا اور کہا کہ ہم آپ کے دوست ہیں تو وہ بولے کہ وہ آپ کو نہیں جانتے۔ اور ہمیں پھر بھی آزاد نہیں کیا۔''

پرویز صاحب نے پوچھا۔ ''کیا تم نے انہیں بتایا تھا کہ تم پرویز کو جانتے ہو؟'' معاذ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پرویز صاحب نے پوچھا۔ ''تم نے وہاں کس آدمی کو دیکھا تھا؟''

یہ پوچھتے ہوئے ان کی آواز میں دوبارہ سختی آ گئی اور ایک طرح سے بڑے خوفناک انداز سے انہوں نے یہ سوال پوچھا تھا۔ معاذ نے حیران ہوتے ہوئے جواب دیا۔ ''آپ انہیں ضرور جانتے ہوں گے۔ پھر بھی میں انہیں غور سے نہیں دیکھ سکا۔ وہاں بہت اندھیرا تھا اور جہاں روشنی تھی بھی تو اس قدر زیادہ کہ میری آنکھیں چندھیائی رہیں۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ ثناء اللہ سیاہ رنگ کا اور لمبا آدمی تھا

اور اس کی آنکھ کے نیچے زخم کا نشان تھا۔ میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ لیکن آپ تو انہیں اچھی طرح جانتے ہوں گے۔“

پرویز صاحب نے پوچھا۔ ”تم نے کسی اور شخص یا کسی چیز کو تو نہیں دیکھا؟“

معاذ نے انکار کرتے ہوئے سر کو ہلایا اور کہا۔ ”نہیں لیکن ہم نے دوسرے کان کُنوں کو کام کرتے ضرور سنا تھا۔ ایک بہت تیز ٹکاٹک قسم کی آواز آرہی تھی۔ میرا خیال ہے آپ نے کانوں کا وہ حصّہ تلاش کر لیا ہے جو ابھی بھی تانبے سے بھرا ہوا ہے۔ پرویز صاحب! کیا آپ کو وہاں سے بہت تانبا مل رہا ہے؟“ اچانک پرویز صاحب اُس کی بات ٹوک کر بولے۔ ”دیکھو تم مجھے یہ سب بتانے کے لیے اتنی رات گئے یہاں نہیں آئے۔ سچ بتاؤ تم یہاں اس وقت کس لیے آئے ہو؟“

”معاذ بولا۔ ”میں بتانے آیا ہوں کہ کسی نہ کسی طرح میں تزئین اور نایاب ثناء اللہ کو بے وقوف بنا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن عنزیق وہیں جزیرے پر رہ گیا۔ ہم اسے ساتھ نہیں لا سکے اور مٹھو بھی اس کے ساتھ ہے۔ اب ہمیں اس کی فکر لگی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کبھی واپس نہ آ سکے اور ہمیشہ سمندر کے

نیچے بھول بھلیوں میں گم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے آپ کے دوست اسے پکڑ لیں اور اس پر تشدد کریں کیونکہ وہ ہمارے فرار سے غصّے میں ہوں گے۔"

اب پرویز صاحب بے چین اور ناراض دکھائی دے رہے تھے۔ وہ فوراً اپنے وائرلیس سیٹ کے قریب گئے۔ کچھ بٹنوں کو گھمایا اور پھر معاذ حیران رہ گیا۔ انہوں نے ایسی زبان میں بات شروع کر دی جو معاذ نہیں سمجھتا تھا۔ معاذ سوچ رہا تھا یہ پیغام وصول کرنے اور پیغام بھجوانے جیسے دونوں کام کر سکتا ہے۔"

ادھر پرویز صاحب بڑبڑا رہے تھے عنزیق ابھی بھی جزیرے پر ہے اور کانوں میں ہے۔ خدا خیر کرے۔ یہ بہت اہم ہے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ مجھے لگتا ہے کہ تم بچے ہر شے کو تباہ کر دو گے۔ ادھر معاذ سوچ رہا تھا کہ سب کچھ کتنا عجیب و غریب ہے۔ پرویز صاحب آخر کس سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ کیا سب کا ایک ہی باس ہے جو تانبے والی کانوں سے متعلق لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ لگتا ہے بہت پیسوں کا معاملہ ہے اور پرویز صاحب نے جو یہ بات کہی کہ بچے سب کچھ تباہ کر دیں گے تو اس بات سے آخر ان کا کیا مطلب ہے؟ آخر ہم سب کچھ

کیسے تباہ کر سکتے ہیں؟

انہیں تو صرف یہ کرنا چاہیے کہ جزیرے پر جائیں، اپنے دوستوں سے بات کریں کہ وہ عنزیق کو آزاد کر دیں۔ بس اتنا ہی تو ہے۔ اس سے ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کسی بھی طور ان کا راز افشا نہیں کریں گے۔
پرویز صاحب مُڑے اور کہنے لگے۔

"ہمیں ابھی کشتی پر چلنا چاہیے۔ آؤ چلیں۔"

پھر اپنی اپنی جلتی ہوئی ٹارچیں لیے ہوئے وہ وہاں پہنچے جہاں کشتی موجود تھی۔ پرویز صاحب نے کشتی کو دھکا لگانا چاہا لیکن پھر وہ اچانک اس انداز سے چیخے کہ معاذ کو لگا کہ شاید اس کا دل حرکت کرنا بند کر دے گا۔ وہ کہہ رہے تھے "یہ کس نے کیا ہے؟"

پرویز صاحب نے ٹارچ کی روشنی کشتی پر ڈالی تو معاذ نے دیکھا کہ کوئی پرویز صاحب کی کشتی کے پیندے کو بری طرح ٹکڑے ٹکڑے کر گیا ہے۔ کشتی کے پیندے میں سوراخ اتنے بڑے تھے کہ کھڑی کشتی میں ابھی سے پانی آ رہا تھا۔

پرویز صاحب اسے کھینچ کر ساحل پر لے کر آئے انہوں نے معاذ سے پوچھا۔
"کیا تمہیں اس بارے میں کچھ علم ہے؟"

معاذ بولا۔ "ہرگز نہیں۔ پرویز صاحب یہ کون کر سکتا ہے؟ یہ تو بہت بری حرکت ہے۔"

پرویز صاحب بولے۔ "جب تک اس کشتی کی مرمت مکمل نہ ہو جائے یہ استعمال کے قابل نہیں۔ لیکن پھر بھی ہمیں دکھ والے جزیرے پر تو پہنچنا ہی ہے۔ ہمیں صغیر کی کشتی لے کر جانا چاہیے۔ آؤ لیکن اسے ان باتوں کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔ پہلے ہی ساری باتیں سب کو معلوم ہو چکی ہیں اور کئی لوگ اس میں ٹانگ اڑا رہے ہیں۔"

وہ چٹانوں کے اوپر چلنے لگے۔ معاذ بے چارہ پہلے ہی سے اتنا تھکا ہوا تھا کہ وہ بمشکل پرویز صاحب کا ساتھ نبھا رہا تھا۔ وہ اس کے گھر کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں سے وہ چٹانی راستے سے نیچے اترنے لگے اور اس جگہ پر پہنچے جہاں صغیر اپنی کشتی کھڑی کرتا تھا۔ لیکن وہ حیرت سے دنگ رہ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ وہاں صغیر کی

کشتی موجود نہیں تھی۔ کشتی غائب تھی۔

ایک اور خفیہ راستہ

جیسے ہی معاذ رخصت ہوا تزئین اور نایاب اِدھر اُدھر کے کام میں لگ گئیں۔ یہ ایک دکھاوا تھا۔ نایاب کا دل جزیرے پر کہیں بھٹک رہا تھا۔ تزئین کہنے لگی۔ ''بہتر ہو گا کہ میں چچا آصف جا کر بتاؤں کہ چچی کی طبیعت ناساز ہے۔ آؤ نایاب۔ تم میرے ساتھ چلو۔''

دونوں لڑکیاں چچا کے کمرے میں گئیں اور باہر سے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر

وہ اندر چلی گئیں۔ تزئین نے اپنے چچا کو چچی کی طبیعت کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے سر ہلایا لیکن ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے کچھ نہیں سنا۔ تزئین بولی۔ ”چچا جان! کیا آپ کے پاس دکھوں والے جزیرے کے اور بھی نقشے ہیں یا ان کے متعلق کوئی کتابیں وغیرہ؟“

چچا نے کہا۔ ”نہیں۔ لیکن ذرا صبر کرو۔ ہمارے گھر کے متعلق ایک کتاب موجود ہے۔ تم جانتی ہو کہ یہ غیر قانونی کاموں کی جنّت رہا ہے اور دو تین سو سال پہلے یہاں چھپائے جانے والے سارے کام کیے جاتے تھے۔ میرا خیال ہے یہاں سے ساحل سمندر تک پہنچنے کا کوئی خفیہ راستہ بھی ہوتا تھا۔“

تزئین کہنے لگی وہ تو اب بھی ہے اور ہم اسے جانتے ہیں۔“ یہ سن کر چچا بہت حیران اور خوش ہوئے۔

انہوں نے تزئین سے کہا کہ وہ اس خفیہ راستے کے بارے میں جو کچھ بھی جانتی ہے انہیں بتائے۔ پھر وہ بولے۔ ”میرے خدا! میں سمجھتا رہا کہ وہ راستہ مدّتوں پہلے تباہ ہو چکا ہے لیکن یہ خفیہ راستے چٹانوں کو کاٹ کر بڑی محنت سے بنائے گئے

تھے تا کہ صدیوں تک استعمال ہوتے رہیں۔ اور ابھی بھی میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایسا خفیہ راستہ بھی تھا جو سمندر کے نیچے سے گزرتا ہوا ویران جزیرے تک جاتا تھا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ وہ مدّتوں پہلے سمندر کا پانی بھر جانے سے ڈوب گیا تھا۔" دونوں لڑکیاں حیرت سے منہ کھولے بوڑھے چچا کی باتیں سن رہی تھیں۔ آخر تزئین نے زبان کھولی۔ "کیا آپ یہ بتا رہے ہیں کہ یہاں ایک خفیہ راستہ بھی تھا جو سمندر کے نیچے سے جزیرے کو جاتا تھا۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ جزیرہ تو بہت دور ہے۔"

تو چچا بولے۔ "سمجھا یہی جاتا ہے۔ لیکن اس کے متعلق اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اب پتا نہیں یہ کتاب کہاں چلی گئی۔"

لڑکیاں بے صبری سے کھڑی انتظار کرتی رہیں تا کہ کتاب چچا کو مل جائے۔ آخر وہ ان کے ہاتھ لگ ہی گئی اور تزئین نے کتاب لینے کی بجائے تقریباً ان سے چھین ہی لی۔ وہ بولی "چچا جان بہت شکریہ"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے کہ کتاب کو کمرے سے باہر لے کر نہیں جانا۔ وہ

دونوں وہاں سے کتاب لے کر بھاگ نکلیں۔ وہ سوچ رہی تھیں ایک اور خفیہ راستہ اور وہ بھی سمندر کے نیچے سے جزیرے تک۔ یہ تو بہت حیرت انگیز ہے۔ لیکن ایسا ہو نہیں سکتا۔ ضرور چچا کو کوئی غلطی فہمی ہوئی ہے۔ پھر تزئین جوش سے بولی۔ "ہو سکتا ہے یہ صحیح ہو۔ میں جانتی ہوں یہ سارا ساحل شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح ہے اور غاروں اور خفیہ راستوں سے اٹا ہوا ہے۔ یہ راستہ کانوں میں جانے کے لیے بنایا گیا ہو گا جو چٹانوں کے نیچے سے کھودا گیا ہو گا اور یہ چٹانیں عین سمندر کے نیچے قدرتی طور پر ہوں گی۔ ہمیں پتا ہے کہ یہ کانیں میلوں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔"

پھر لڑکیوں نے وہ عجیب کتاب کھولی لیکن وہ اس میں موجود تحریر نہیں پڑھ سکیں۔ اس کی ایک وجہ تو تحریر کا پرانا ہونا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ کسی ایسی زبان میں تھی جسے لڑکیاں نہیں جانتی تھیں۔ وہ ورق پر ورق الٹتی رہیں تاکہ نقشے اور تصویریں دیکھتی رہیں۔ کتاب ظاہری طور پر تو ان کے گھر اور قرب و جوار کی تاریخ کے متعلق تھی جو کئی سو سال پرانی تھی۔ ان دنوں میں ان کا یہ گھر

ضرور ایک قلعہ رہا ہو گا اور حفاظت کی غرض سے چٹانوں پر بنایا گیا ہو گا۔ سامنے سے سمندر کی وجہ سے کوئی حملہ آور یہاں تک نہیں آ سکتا تھا اور پیچھے سے اس کی حفاظت چٹانیں کرتی ہوں گی۔ آدھا تو اب تباہ ہو چکا تھا اور جو خاندان یہاں رہتا ہے وہ صرف چند کمرے استعمال کرتا تھا۔ اس لئے یہ اب بھی رہائش کے قابل تھا۔

تزئین بولی۔ ”دیکھو۔“ اس نے ایک پرانے نقشے کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔

”پرانے زمانے میں یہ گھر اس طرح دکھائی دیتا ہو گا۔ کیا شاندار جگہ تھی اور ذرا یہ مینار دیکھو۔ کیا شان اور کروفر سے سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ پھر انہوں نے مزید ورق الٹے تو ایک صفحے پر آڑی ترچھی لکیروں سے ایک خاکہ بنا ہوا تھا۔ لڑکیوں نے اس کا بغور مطالعہ کیا۔ نایاب چلائی۔ ”میں جانتی ہوں یہ کیا ہے۔ یہ وہ خفیہ راستہ ہے جو تہہ خانوں سے ساحل تک جاتا ہے۔ یہ وہی ہے نا۔“ واقعی یہ وہی خفیہ راستہ تھا۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ”ہو سکتا ہے ہم کوشش کریں تو دوسرے خفیہ راستے کو ڈھونڈ نکالیں۔“ وہ بولی۔

نقشوں سے ملتے جلتے دو تین خاکے اور بھی تھے۔ ان میں سے کئی تو وقت گزرنے کے ساتھ مٹ چکے تھے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا تقریباً ناممکن تھا کہ یہ کس چیز کے نقشے تھے اور کیا ظاہر کرتے تھے؟ تزئین ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ”کاش ہم اس لکھی ہوئی زبان کو پڑھ سکتے۔ اگر میں پڑھ سکتی تو بآسانی ہمیں اس بات کا علم ہو جاتا کہ یہ آڑے ترچھے خاکے کسی خفیہ راستے کو ظاہر کرتے ہیں جو جزیرے کو جاتا ہے۔ اگر ہم اسے دریافت کر لیں تو کتنی اچھی بات ہو گی۔ جب ہم لڑکوں کو بتائیں گی کہ ساحل سے لے کر جزیرے تک سمندر کے نیچے سے کوئی خفیہ راستہ بھی موجود ہے تو وہ دم بخود رہ جائیں گے۔“

ان باتوں سے نایاب کو پھر عنزیق یاد آ گیا اور وہ منہ بسورنے لگی۔ ”عنزیق کہاں ہو گا؟ کیا معاذ اور پرویز صاحب کشتی لے کر جزیرے پر گئے ہیں تاکہ عنزیق کو چھڑوائیں؟ اور وہ کب عنزیق کو واپس لائیں گے۔“

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھیں کہ اس نے باہر برآمدے میں معاذ کی آواز سنی۔ وہ خوشی سے چھلانگ لگا کر اٹھی۔ کیا واقعی معاذ اور پرویز صاحب عنزیق کو واپس

لے بھی آئے ہیں؟ زبردست۔ وہ اتنی جلدی واپس آ گئے۔ وہ دروازے کی طرف دوڑیں لیکن باہر صرف پرویز صاحب اور معاذ کھڑے تھے۔ عنزیق ان کے ساتھ نہیں تھا۔ اس نے پوچھا "عنزیق کدھر ہے؟ کیا آپ اسے چھڑا کر نہیں لائے؟"

معاذ کمرے میں آتے ہوئے بولا۔ "پرویز صاحب کی کشتی کسی نے تباہ کر دی ہے۔ لہٰذا ہم صغیر کی کشتی لینے کے لیے گئے تھے۔ لیکن وہ بھی موجود نہیں تھی۔ میرا خیال ہے صغیر اپنے معمول کے مطابق سمندر میں مچھلیاں پکڑنے گیا ہوا ہے لہٰذا ہم مجبور تھے۔ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔"

وہ دونوں لڑکیاں مایوسی سے آنے والوں کا منہ دیکھ رہی تھیں۔ "کیا بے چارے عنزیق تک پہنچا نہیں جا سکتا؟" نایاب کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اتنے اندھیرے اور گہرے غاروں میں اس کا بھائی تنہا کیا کر رہا ہو گا۔ اتنے ظالم لوگ اسے پکڑنے کے درپے ہوں گے۔ اسے صرف اس بات کی تسلّی تھی کہ مٹھو اس کے ساتھ تھا۔ تزئین کو اچانک کچھ یاد آیا اور وہ بولی۔ "کیا

تمہیں پتا ہے کہ چچا آصف نے ہمیں بتایا ہے کہ سمندر کے نیچے ساحل سے جزیرے تک ایک خفیہ راستہ جاتا ہے۔ وہ اگرچہ اس خفیہ راستے کو جانتے نہیں لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ راستہ استعمال کے قابل نہیں رہا ہو گا۔ معاذ کیا تم سمجھتے ہو کہ جزیرے تک جانے والا خفیہ راستہ ابھی بھی استعمال ہو سکتا ہے یا وہ سمندر کے پانی میں ڈوب گیا ہو گا؟ کیا ہم اسے ڈھونڈ نہیں سکتے؟"

پرویز صاحب یہ باتیں سن کر اچانک چوکس ہو گئے۔ انہوں نے وہ کتاب اٹھالی جو تزئین کے پاس تھی۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا یہ وہی کتاب ہے۔"

تزئین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بولی "پہلا خفیہ راستہ جسے ہم نے خود ہی تلاش کیا تھا، وہ بھی اس نقشے میں موجود ہے۔ یہ لازمی بات ہے کہ اس میں دوسرا راستہ بھی ہو گا لیکن ہم پرانے نقشوں اور اس تحریر کو نہیں پڑھ سکے۔"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ "لیکن میں پڑھ سکتا ہوں۔" اور پھر کتاب پڑھنے میں گم ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ صفحے پلٹ رہے تھے اور جزیرے تک راستے کا سراغ لگا رہے تھے۔ وہ اچانک پُرجوش نظر آنے لگے اور دو تین صفحے تیزی سے الٹ پلٹ

گئے۔ وہ بڑے غور سے ایک عجیب و غریب نقشے کو دیکھتے رہے۔ اور پھر دوسرے کو۔ پھر انہوں نے ایک عجیب سوال پوچھا۔ "آپ کے گھر کا کنواں کتنا گہرا ہے؟"

معاذ بولا۔ "کنواں۔ یہ تو بہت گہرا ہے۔ وہ اتنا ہی گہرا ہو گا جتنا جزیرے پر پُلی والا کوئی کنواں۔ یہ تو سطح سمندر کے نیچے جاتا ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس پانی میں کبھی نمک کی آمیزش نہیں ہوتی۔"

پرویز صاحب نے کچھ الفاظ کا مطلب بچوں کو سمجھایا اور پھر نقشے کو پلٹا۔ نقشے میں ایک بہت لمبی پُلی کو زمین کے اندر تک جاتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ وہ بولے۔

"دیکھو! جزیرے تک جانے کا راستہ تمہارے گھر کے کنویں سے شروع ہوتا ہے۔ اب یہ بالکل واضح ہے کہ وہاں ہی کوئی جگہ ہو گی۔ میں نے خاصی سوچ بچار کی ہے۔ راستے کا سمندر کے نیچے سے گزرنا ظاہر کرتا ہے کہ اس کا آغاز بھی کسی ایسی جگہ سے ہو گا جو سمندر کی سطح سے نیچے ہو۔"

بچے حیران رہ گئے۔ کنواں ان کے گھر کا کنواں۔ انہوں نے اس بارے میں کبھی

سوچا بھی نہیں تھا۔ کیا حیران کن بات تھی۔ معاذ کہنے لگا۔ ”لیکن کنویں کی تہہ میں تو پانی ہو گا۔ ہم پانی کے راستے تو نہیں جاسکتے۔“

پرویز صاحب بولے۔ ”دیکھو“ انہوں نے نقشے پر ایک نقطے کی طرف اشارہ کیا اور بولے ”اس راستے کے داخلے کا مقام پانی کی سطح سے اوپر نقشے میں دکھایا گیا ہے۔ یہ سیڑھیاں ضرور ہیں۔ مجھے سوچنے دو۔ یہ پلی کو ادھر سے کاٹا ہوا ہے پھر یہ پُلی والا پائپ تھوڑا سا اوپر جا رہا ہے اور پھر یہ راستہ جو چٹان میں سے گزرتا ہے اور ایک قدرتی دراڑ سے بنا ہوا ہے۔ اس جیسی دراڑیں اس پورے ساحل میں کئی جگہ موجود ہیں جن میں سے کئی ایک تو دریافت ہو چکی ہیں اور کئی جگہ ان دراڑوں کو وسیع کرنے کے لیے ہتھوڑے چلا کر اور بارود پھوڑ کر ان میں سے راستے نکالے گئے ہیں۔“

معاذ جوش سے بولا۔ ”تو ہوا کچھ یوں ہو گا کہ جب کنویں کے لیے پلی والا سوراخ بنایا جا رہا ہو گا تو کسی نے بہت گہرائی میں دراڑ والا سوراخ ڈھونڈ لیا ہو گا اور سوچا ہو گا کہ یہ راستہ استعمال کرنے کا فائدہ ہو سکتا ہے اور اسی لیے یہ راستہ بنا ہو گا۔ پرویز

صاحب کیا ہمیں نیچے جا کر اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہئے؟"

پرویز صاحب فوراً بولے۔ "نہیں۔ ابھی نہیں۔ رات کے اس پہر نہیں۔ تم ویسے بھی سارا دن خاصی مہم جوئی کر چکے ہو۔ اب تمہیں آرام کرنا چاہیے۔"

نایاب بولی۔ "تو عزیق کا کیا ہو گا؟"

پرویز صاحب بہت نرم لیکن فیصلہ کن انداز میں بولے۔ "ہم آج رات اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی اگر وہ پکڑا گیا ہے تو ٹھیک ہے۔ اور اگر نہیں پکڑا گیا تو پھر ہم کل ہر صورت اس کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم ویسے بھی رات کے اس پہر کنویں میں بالٹیوں کے ذریعے نیچے نہیں اتر سکتے۔ معاذ آج رات میں تمہارے مینار والے کمرے میں سوؤں گا۔"

معاذ یہ سن کر خوش ہو گیا۔ وہ آج رات اکیلا سونا نہیں چاہتا تھا۔ لڑکیوں کو بھی ان کے کمرے میں سونے کے لیے بھیج دیا گیا حالانکہ وہ احتجاج کرتی رہیں کہ وہ تھکی ہوئی نہیں ہیں۔ پھر پرویز صاحب اور معاذ مینار والے کمرے تک جانے کے لیے گھومتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ معاذ نے پرویز صاحب کو وہ کھڑکی

دکھائی جہاں سے وہ دکھ والے جزیرے کو دیکھ سکتے تھے۔ وہ بستر پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا لیکن وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ جوتے کے تسمے بھی نہیں کھول سکا اور بستر پر لیٹ گیا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بند ہو گئیں اور وہ وہیں گہری نیند سو گیا۔ پرویز صاحب اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ انہوں نے اس کے اوپر کمبل اوڑھا دیا اور کھڑکی کے کنارے بیٹھ کر سوچنے لگے۔ انہوں نے سگریٹ سلگا لیا اور بڑی دیر تک وہیں بیٹھے رہے۔ کل صبح کا سورج ہی یہ نوید سنائے گا کہ کوئی راستہ سمندر کے نیچے سے جزیرے تک جاتا ہے یا نہیں۔

یہ صحیح تھا کہ بچوں کا دریافت کردہ راستہ ابھی بھی قابلِ استعمال تھا لیکن وہ جس راستے کے بارے میں سوچ رہے تھے وہ اس سے کہیں چھوٹا تھا اور دوسرے راستے کی چھت پر تو مدّتوں سے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس راستے کو ڈبونے کے لئے چھوٹی سی دراڑ یا پانی کا ٹپکنا ہی کافی تھا۔ پھر تو وہاں سے گزرنا ناممکن ہو گا۔ آخر پرویز صاحب بھی بستر پر دراز ہو گئے اور خود بھی نیند کی وادیوں میں پہنچ گئے۔ معاذ نے انہیں صبح سویرے جگا دیا۔ ”پرویز صاحب! اٹھیے۔ صبح ہو گئی

ہے۔ آئیں ناشتہ کریں۔ اور پھر کنویں کا راستہ ڈھونڈیں"

وہ جلد ہی سیڑھیوں سے نیچے آ گئے۔ لڑکیاں پہلے ہی ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔
معاذ نے پوچھا۔ "صغیر کہاں ہے؟"

تزئین نے انڈہ پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا" ابھی وہ مچھلیوں کے شکار سے واپس نہیں آیا اور پرویز صاحب یہ آپ کا ناشتہ۔ معاذ میں تمہارے لیے انڈہ بناتی ہوں۔ شکر ہے صغیر ابھی واپس نہیں آیا ورنہ وہ یہ پوچھ کر جان کھالیتا کہ پرویز صاحب یہاں کیا کر رہے ہیں۔ اور پرویز صاحب کو بڑی مشکوک نظروں سے دیکھتا۔"

نایاب بولی۔ "لیکن صغیر کبھی بھی واپس آسکتا ہے۔ اس لیے اس کے آنے سے پہلے ناشتہ مکمل کر لینا چاہیے۔ مجھے اس خیال سے ہی نفرت ہے کہ جب ہم کنویں میں نیچے اتر رہے ہوں تو وہ اوپر کھڑا ہمیں دیکھ کر کوس رہا ہو۔"

انہوں نے ناشتہ ختم کیا۔ تزئین پہلے ہی ناشتہ بنا کر چچی کو ان کے کمرے میں اور چچا کو ان کے مطالعے کے کمرے میں پہنچا آئی تھی۔ اس نے بتایا کہ چچی کی طبیعت

پہلے سے بہت بہتر ہے لیکن وہ کچھ دیر بعد نیچے اتریں گی۔ تزئین کا خیال تھا کہ چچا شاید ساری رات نہیں سوئے۔ تزئین بولی "مجھے یقین ہے کہ چچا ساری رات کام کرتے رہتے ہیں۔ میں برتن واپس آکر دھولوں گی۔"

وہ تمام پچھواڑے والے برآمدے میں گئے جو واقعی ایک چٹان کے اوپر بنا ہوا تھا۔ پرویز صاحب کنویں پر جھک گئے جو واقعی بہت زیادہ گہرا تھا۔ معاذ پوچھنے لگا۔ "کیا ہمیں بالٹی کے ذریعے ہی نیچے جانا پڑے گا؟"

تزئین کہنے لگی۔ "اگر بالٹی بہت بڑی ہے تو کیا مضائقہ ہے؟"

"لیکن اس بالٹی میں تو مَیں بالکل نیچے نہیں جا سکتا۔ اس میں تو نایاب بھی نہیں جا سکتی۔" پرویز صاحب نے اپنی ٹارچ جیب سے نکالی اور کہنے لگے۔ "تم جانتے ہو کہ اگر یہ پُلی خفیہ راستہ کے آغاز تک جانے کا واحد راستہ ہے تو پھر یہاں پلی کے ساتھ دوسرے کنوؤں کی طرح سیڑھی بھی لگی ہونی چاہیے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ پرانے زمانے میں بھی لوگ بالٹیوں کے ذریعے کنویں میں اوپر نیچے جاتے ہوں گے۔"

معاذ نے کہا۔ ”یہاں تو سیڑھی نہیں ہے ورنہ ہمیں نظر آ جاتی ہے۔“

پرویز صاحب نے دوبارہ ٹارچ کی روشنی کنویں میں پھینکی اور بڑے غور سے اس کا جائزہ لیا۔ پھر وہ معاذ سے بولے۔ ”دیکھو۔ یہ سچ ہے کہ یہاں کوئی سیڑھی نہیں ہے لیکن تم ان لوہے کے نعلوں کو دیکھ رہے ہو جو کنویں کی دیوار کے ساتھ باہر کو نکلے ہوئے ہیں۔ یہ وہی سہارے ہیں جن پر پاؤں رکھ کر لوگ کنویں میں اترتے ہوں گے۔ وہ انہیں پاؤں رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔“

معاذ جوش سے بولا۔ ”بالکل۔ ٹھیک ہے واقعی یہی وہ طریقہ ہو گا جسے استعمال کر کے پرانے زمانے میں لوگ یہاں سے نیچے اترتے ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ جب یہاں جنگیں ہوتی ہوں گی تو کئی لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے یہی راستہ استعمال کرتے ہوں گے۔ جو راستے کا علم نہیں رکھتے ہوں گے وہ کنویں میں چھپ جاتے ہوں گے۔ آئیں پرویز صاحب اب نیچے چلیں۔ میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔“

پرویز صاحب نے کہا۔ ”میں پہلے جاؤں گا۔ تزئین تم صغیر کا خیال رکھنا۔“

سمندر کے نیچے سفر

پرویز صاحب لوہے کے پہلے نعل تک نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ لہٰذا معاذ کو رسی لانی پڑی۔ اسے مضبوطی سے کنویں کی منڈیر پر لگے ایک لوہے کے نعل سے باندھنا پڑا اور اس کے سہارے پرویز صاحب کے پاؤں کنویں کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے لوہے کے پہلے نعل تک پہنچ سکے۔ انہوں نے بتایا۔ ”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ معاذ پہلے مجھے تھوڑا اور نیچے جانے دو جتنی جلدی ہو سکتا ہے نیچے آ جاؤ۔ اور خدا کا واسطہ احتیاط سے۔ پھسل نہ جانا۔“

لڑکیاں ساتھ نہیں جا رہی تھیں اور ویسے بھی ان کے لیے یہ غیر محفوظ لوہے کے سہاروں کو پکڑ کر اتنے گہرے اور تاریک کنویں میں اترنا بہت دشوار تھا۔ وہ ان دونوں کو تاریک کنویں کے اندھیرے میں گم ہوتا دیکھ رہی تھیں اور باہر کھڑی خوف سے کانپ رہی تھیں۔ تزئین کہنے لگی "ان دونوں کے ساتھ نہ جانا خود غرضی ہو گی لیکن ان دونوں کے ساتھ جانا خود کُشی کرنے کے مترادف تھا۔ اب ہمیں معاذ اور پرویز صاحب دکھائی نہیں دے رہے۔ بہتر یہی ہے کہ باورچی خانے میں واپس چلیں اور کچھ کام کر لیں۔ تمہارا کیا خیال ہے صغیر نے کچھ زیادہ ہی دیر نہیں کر دی۔"

ادھر وہ دونوں آہستگی سے نیچے اتر رہے تھے لیکن انہیں زیادہ مشکل نہیں ہو رہی تھی کیونکہ دیوار میں گڑھے ہوئے آہنی نعل آج بھی اتنی مضبوطی سے قائم دائم تھے جتنے پرانے زمانے میں تھے۔ یہ تھکا دینے والا کام تھا اور اگر یہ آہنی نعل پیروں کو رکھنے کے لیے کنویں کی دیوار میں نہ لگے ہوتے تو کنویں میں اترنا بالکل ناممکن ہوتا۔ ایک جگہ پرویز صاحب ٹھٹھکے اور اندازہ لگانے لگے کہ یہ کیا ہے۔

دیوار میں کچھ کھلی جگہ تھی جو دیوار میں کئی فٹ پیچھے تک چلی گئی تھی۔

پرویز صاحب سمجھے کہ شاید وہ خفیہ راستے تک پہنچ گئے ہیں۔ لیکن وہ حیران تھے کہ یہ اتنی جلدی کیسے ہو سکتا ہے۔ جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ یہ جگہ سانس لینے کے لیے ہے۔ معاذ نے کچھ لمحوں کے لیے وہاں آرام کیا جبکہ پرویز صاحب آہستہ سے ایک نعل کو محسوس کرتے ہوئے نیچے اترنے لگے۔ انہیں کنویں میں اترے تقریباً ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ انہوں نے ہر آرام کرنے والی جگہ پر تھوڑی دیر قیام کیا لیکن پھر بھی وہ بری طرح تھک چکے تھے۔ پھر یکایک پرویز صاحب کی ٹارچ تاریک پانی میں گر گئی۔ اس سے انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ کنویں کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں۔ پرویز صاحب نے خوشی سے معاذ کو بتایا "ہم پہنچ گئے ہیں۔ میں اب خفیہ راستے کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

راستہ تلاش کرنا اتنا مشکل کام نہیں تھا۔ کنویں کے گول ہونے کی وجہ سے راستے کا کھلا منہ ایسے دکھائی دے رہا تھا جیسے کسی سرنگ کا منہ ہو۔ پرویز صاحب اس سرنگ میں داخل ہو گئے۔ وہاں بہت زیادہ پھسلن، اندھیرا اور بدبُو تھی۔ پرویز

صاحب سوچ رہے تھے کہ حیرت ہے ایسی جگہ پر بھی تازہ ہوا موجود ہے لیکن کنویں میں اتنا نیچے اترنے کے باوجود دیواروں کے پاس ہوا کا بہاؤ محسوس ہو رہا تھا۔ ضرور یہاں ہوا کو صاف رکھنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔

انہوں نے معاذ کے آنے کا انتظار کیا۔ پھر وہ شاید روئے زمین پر پائے جانے والی سب سے حیرت انگیز سڑک پر روانہ ہو گئے۔ سڑک بھی ایسی جو سمندر کے بالکل نیچے بنی ہوئی تھی۔ پہلے پہل تو سرنگ بہت تنگ تھی اور بتدریج اوپر کی طرف جا رہی تھی۔ وہ تقریباً گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ لیکن آگے چل کر وہ سرنگ کھلی بھی ہو گئی اور اس کی چھت بھی اونچی ہوتی گئی۔ ابھی بھی وہاں بہت بو اور پھسلن تھی لیکن اب وہ اس کے عادی ہو چکے تھے۔ اچانک راستہ نیچے کو جانے لگا۔ کئی جگہ پر تو وہ پھسل رہے تھے۔ پھسلن والی جگہ پر کھردری سیڑھیاں بنائی گئی تھیں تاکہ مسافر پھسلنے سے بچ سکیں لیکن پھر بھی پھسلن اتنی تھی کہ ایک بکری بھی اپنے پاؤں وہاں ٹکا نہیں سکتی تھی۔

پرویز صاحب پھسلتے ہوئے کچھ آگے گرے اور ان کے بالکل پیچھے معاذ بھی۔

پرویز صاحب کہنے لگے ''اپنے پاؤں میری گردن سے ہٹاؤ۔'' وہ اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ میں تو کسی پرانی کچرا کنڈی میں پھنس گیا ہوں۔''

پھر وہ آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ کچھ دیر بعد راستہ نیچے جانے کی بجائے سیدھا ہو گیا۔ وہاں کوئی عام زمین نہیں تھی نہ ریت تھی بلکہ ہر طرف سیاہ رنگ چٹان تھی جس پر کبھی کبھار روشنی کی کوئی جھلک امنڈتی تھی۔ ایک دو دفعہ تو راستہ اتنا تنگ ہو گیا کہ اس میں سے گزرنا مشکل ہو گیا۔ معاذ کہنے لگا۔ ''شکر ہے ہم زیادہ موٹے نہیں۔'' وہ پیٹ کو پوری قوّت سے اندر کھینچتے ہوئے راستے سے گزرا اور بولا۔ ''یہاں تو جگہ بہت ہی تنگ تھی۔ پرویز صاحب کیا اتنے سال گزرنے کے بعد چٹانیں نزدیک تو نہیں آ گئیں یا ہمیشہ سے ہی یہ راستہ اتنا تنگ تھا۔''

پرویز صاحب کہنے لگے۔ ''میرا خیال ہے ہمیشہ ہی سے یہ راستہ تنگ تھا۔ یہ مکمل طور پر سمندر کے اندر شاید کسی آتش فشاں کی حرکات و سکنات کی وجہ سے بننے والے راستے ہیں اور بہت ہی محیّر العقل ہیں۔ میں دنیا میں کئی اور مقامات پر ایسی جگہوں اور راستوں کے بارے میں پڑھ چکا ہوں۔ اس ساحل پر اس طرح کی اور

جگہیں بھی ہوں گی۔"

راستے میں خاصی گرمی تھی اور کہیں صاف ہوا کا گزر تھا۔ وہ دونوں ہانپنے لگے۔

کئی ایسے مقام ایسے بھی تھے جہاں شاید ہوا کا گزر بالکل نہیں تھا لیکن وہ دونوں آگے بڑھتے رہے۔ ان کی ٹارچوں کی روشنی سیاہ دیواروں پر پڑتی رہی۔ اور کئی جگہوں پر ان دیواروں سے قدرتی روشنی بھی منعکس ہو رہی تھی۔ معاذ کو محسوس ہونے لگا کہ وہ خواب کی حالت میں ہے۔ اس نے یہ بات پرویز صاحب کو بتائی تو پرویز صاحب کی اس کی ہمّت بندھائی۔ "نہیں تم خواب کی حالت میں نہیں ہو۔ ہم ایک عجیب و غریب جگہ پر ضرور ہیں لیکن یہ حقیقت ہے۔ خواب نہیں ہے۔ اگر چاہو تو میں تمہیں چٹکی کاٹ کر یقین دلا سکتا ہوں۔"

معاذ بولا۔ "مجھے تو ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔"

وہ واقعی اتنی تنگ و تاریک جگہ میں رہ کر ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔ لہٰذا پرویز صاحب کو اسے چٹکی کاٹنی پڑی۔ یہ چٹکی اتنی تکلیف دہ تھی کہ معاذ کی چیخ نکل گئی۔ اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں جاگ گیا ہوں اور مزید خواب نہیں دیکھ رہا۔ کوئی

پاگل ہی ہوگا جو خواب میں اس چٹکی کی تکلیف برداشت کرے گا۔"

اچانک پرویز صاحب کو ایسا لگا جیسے ان کے پاؤں کے قریب کوئی چیز دوڑ رہی ہے۔ انہوں نے ٹارچ نیچے جھکا کر نیچے دیکھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک چھوٹا سا چوہا مونچھوں کو تاؤ دے کر انہیں گھور رہا ہے۔ پرویز صاحب رُک گئے۔ وہ بولے "ادھر دیکھو۔ ایک چوہا۔ یہ کس چیز کے بل پر جیتا ہے؟ میں حیران ہوں کہ کس طرح ایک جاندار چیز اتنے تنگ و تاریک راستہ میں زندہ ہے جو سمندر کے نیچے بنا ہوا ہے۔"

معاذ کی ہنسی نکل گئی۔ اس نے بتایا۔ "یہ کوئی حیرت ناک بات نہیں ہے کیونکہ یہ میرا پالتو چوہا نیمو ہے۔ یہ میری آستین سے نکل کر فرش پر پھدک رہا ہے۔ آپ صحیح کہتے ہیں۔ یہاں واقعی کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ "اگر یہ زندہ رہنا چاہتا ہے تو بہتر ہے کہ واپس تمہاری آستین ہی چڑھ جائے۔" راستہ اتنا تھکا دینے والا اور مشکل تھا کہ انہیں دو تین دفعہ رک کر سانس لینا پڑا۔

کئی دفعہ تو ناقابلِ یقین حد تک یہ راستہ سیدھا چلتا رہا اور کبھی کبھار خم کھاتا۔ کچھ فٹ دائیں بائیں مڑتا اور پھر سیدھا ہو جاتا۔ معاذ اب فکر مند تھا کہ اس کی ٹارچ اور کتنی دیر جلتی رہے گی۔ اچانک وہ خوفزدہ ہو گیا کہ کہیں وہ تنہا اندھیرے میں نہ رہ جائے۔ یہ نہ ہو کہ پرویز صاحب کی ٹارچ بھی بجھ جائے۔ لیکن پرویز صاحب نے اس کی ہمّت بندھائی۔ انہوں نے کہا۔ ''فکر نہ کرو۔ میرے پاس جیب میں ٹارچ کے لئے ایک اور بیٹری موجود ہے۔ اس کے علاوہ مجھے یاد آیا کہ میں نے سفر میں استعمال کرنے کے لئے ابلی ہوئی مٹھائی کی گولیاں رکھ لی تھیں۔ اگر ہم وہ چوستے رہیں گے تو ہمارا سفر آسانی سے گزر جائے گا۔'' پرویز صاحب اپنی جیبوں میں مٹھائی کی گولیاں ڈھونڈ رہے تھے۔ انہیں وہ مل گئیں اور وہ دونوں انہیں چوسنے لگے۔ ''اس سے مشکل آسان ہو گئی۔''

معاذ منہ میں ایک بڑی ابلی ہوئی مٹھائی کی گولی چوس رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''ہم کتنی دور آ چکے ہیں۔ کیا آدھا راستہ طے ہو چکا ہے؟''

پرویز صاحب بولے۔ ''میں نہیں جانتا۔ لیکن یہ کیا ہے؟'' اپنی ٹارچ جلا کر آگے

دیکھنے لگے۔ ”ایسا لگتا ہے کہ چھت گری ہوئی ہے۔ راستہ بند ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم آگے نہیں جا سکتے۔ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے ہم اس ڈھیر کو ہلا سکیں۔ اب صرف دیکھتے یہاں سے گزرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“

چھت گرنے سے جو پتھروں کا ڈھیر لگا وہ دونوں کی مشترکہ کاوش اور زور لگانے سے اس میں گزرنے کی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ معاذ بڑے غور سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ بولا۔ ”پرویز صاحب۔ آپ نے دیکھا کہ چٹانیں رنگ بدل رہی ہیں۔ اب یہ سیاہ نہیں رہی۔ اب یہ سرخی مائل ہو گئی ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم نزدیک پہنچ چکے ہیں۔“

پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”میرا خیال ہے کہ پہنچ گئے ہیں۔ مجھے تو اب یاد نہیں کہ ہمیں چلتے ہوئے کتنے گھنٹے گزر گئے ہیں؟ اب تو ہمیں ہر صورت میں اس منحوس جزیرے تک پہنچ جانا چاہئے تھا۔“

معاذ بولا۔ ”شکر ہے ہم نے پیٹ بھر کر ناشتہ کر لیا تھا۔ مجھے تو اب دوبارہ بھوک

لگ رہی ہے۔ ہمیں کھانے کا کچھ سامان ساتھ لے کر آنا چاہئے تھا۔"

پرویز صاحب بولے۔ "میرے پاس خاصی تعداد میں چاکلیٹ ہیں۔ یہاں اتنی گرمی ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ پگھل ہی نہ گئے ہوں۔ اگر وہ ٹھیک ہیں تو میں تمہیں کھانے کو دیتا ہوں۔"

چاکلیٹ پگھلے تو نہیں تھے البتہ نرم ہو گئے تھے۔ بہت مزے کے چاکلیٹ تھے۔ تھوڑے سے کڑوے تھے لیکن بھوک کے معاذ کے لیے وہ بہت لذیذ تھے۔ وہ پھر اس گیلے راستے پر بڑھنے لگے۔ دیواروں میں تانبے کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔ اچانک پرویز صاحب بولے۔ "کیا تم اتفاقاً نقشہ تو ساتھ نہیں لائے ہو۔ ہمیں جلد ہی اس کی ضرورت پڑے گی۔"

معاذ نے کہا۔ "جی ہاں۔ نقشہ میری جیب میں ہے۔ دیکھیں یہ راستہ یہاں سے کتنا وسیع ہو گیا۔" واقعی یہ حقیقت تھی راستہ ختم ہو گیا تھا اور ایک کھلی جگہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ معاذ نے سوچا یقیناً یہاں کانوں کا کام ختم ہو گیا ہے اور یہ وہ جگہ ہو گی جہاں تانبا نہیں ہو گا۔ یہ کتنی بڑی اور وسیع و عریض کانیں تھیں۔ ایک

وقت ایسی بھی ہو گا جب یہ تانبے سے بھری پڑی ہوں گی۔ پرویز صاحب آہستگی سے بولے۔ "آخر کار ہم پہنچ ہی گئے اور یاد رکھو، اب آگے بڑھتے ہوئے ہمیں اپنی آواز پر قابو رکھنا ہو گا۔ ہمیں عنزیق کو تلاش کرنا ہے۔ لیکن اس بات سے بچنا بھی ہے کہ دوسروں کو ہماری موجودگی کا علم نہ ہو۔"

معاذ یہ سن کر حیران رہ گیا۔ وہ بولا۔ "لیکن پرویز صاحب! آپ سیدھا اس کان میں کیوں نہیں جاتے جہاں آپ کے دوست کام کر رہے ہیں۔ ان سے پوچھئے کہ عنزیق کہاں ہے؟ یہ راز داری اور خاموشی کیسی؟ میں سمجھا نہیں۔"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ "میری اپنی کچھ مجبوریاں ہیں۔ اگر تم نہیں بھی جانتے کہ وہ مجبوریاں کیا ہیں، مہربانی فرما کر انہیں ملحوظِ خاطر رکھو۔ اب مجھے بتاؤ کہ وہ نقشہ کہاں ہے؟"

معاذ نے جیب سے نقشہ نکال کر انہیں دیا۔ انہوں نے ایک ہموار چٹان کی سطح پر نقشہ پھیلا دیا اور اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور احتیاط سے پڑھنا شروع کیا۔ آخر کار انہوں نے اپنی انگلی ایک مخصوص جگہ پر رکھی۔ وہ بولے "دیکھو یہ وہ جگہ ہے

جہاں ہم کھڑے ہیں۔ یہیں کانوں کا کام ختم ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے یہ جگہ وہ ہے جہاں سے سمندر کے نیچے راستہ شروع ہوتا ہے۔ لیکن میں پورے یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ اب ان تمام راستوں میں سے تم مجھے بتاؤ کہ آتے وقت تم نے کون سا راستہ اختیار کیا تھا؟"

معاذ بولا۔ "یہاں یہی راستہ ہے جس پر ہم چلتے رہے تھے۔ یہ وہی غار ہے جہاں چندھیا دینے والی روشنی ہے اور غالباً یہ وہ جگہ ہے جہاں ٹکاٹک کی آوازیں آتی تھیں اور لوگ کام کر رہے تھے۔"

پرویز صاحب خوش ہو کر بولے۔ "شاباش! اب مجھے صحیح اندازہ ہو گیا ہے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔ اب جلدی چلو۔ ہم مرکزی راستے کی طرف جا رہے ہیں۔ وہاں ہم عنزیق کو تلاش کریں گے یا اس کی آواز سننے کی کوشش کریں گے۔"

وہ بڑے محتاط طریقے سے چلتے ہوئے مرکزی راستے پر پہنچے جہاں سے بہت سی راہداریاں نکلتی تھیں۔ پرویز صاحب نے ٹارچ کی روشنی کے آگے ہاتھ رکھ لیا تھا تاکہ اس سے زیادہ روشنی خارج نہ ہو۔ ابھی وہ غار کے بہت نزدیک نہیں پہنچے

تھے۔ معاذ یہ بات جانتا تھا۔ اچانک پرویز صاحب شش کی آواز نکال کر جلدی سے رُک گئے۔ معاذ ان سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ وہ بولے ”میں کوئی آواز سن رہاہوں۔ کسی کے قدموں کی آواز آرہی ہے۔“

وہ کھڑے ہو کر غور سے سننے لگے۔ اندھیرے میں یہ سب کچھ بہت ڈراؤنا تھا اور سمندر کی آواز اس ماحول کی وحشت کو بڑھا رہی تھی۔ معاذ کو ایسا لگا کہ وہ کوئی آواز سن سکتا ہے۔ کوئی نرم پتھروں کو دوسری جانب سے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ پھر مکمل خاموشی چھاگئی لہٰذا وہ پھر آگے بڑھنے لگے۔ انہیں دوبارہ ایسا لگا جیسے انہوں نے وہ آواز سنی ہو۔ یہ آواز اس وقت بالکل نزدیک سے آئی تھی۔ پرویز صاحب کو یقین تھا کہ وہ کسی انسان کی آواز ہے۔ وہ اسے نزدیک سے سن سکتے تھے۔ یہ بہت خوفناک تھا۔ وہ بالکل خاموشی سے معاذ کے ساتھ آگے بڑھے۔ پھر وہ ایک موڑ پر پہنچے اور موڑ مڑا۔ جیسے ہی ان کے کانوں میں آوازیں آئین انہوں نے اپنی اپنی ٹارچیں بجھادیں۔ پھر جیسے پرویز صاحب دیوار کے موڑ پر پہنچے وہاں کوئی اور بھی اس موڑ پر پہنچ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ معاذ سمجھ پائے کہ کیا ہو رہا ہے

ایک اونچا نعرہ سا کسی کے منہ سے نکلا۔ معاذ کو لگا جیسے پرویز صاحب کسی کے ساتھ اس کے سامنے الجھ رہے ہیں۔ معلوم نہیں کیا ہو رہا تھا؟

حیرت انگیز دریافت

اب ہم عنزیق اور مٹھو کی کہانی سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان پر کیا بیتی؟ ان کی آپ بیتی بھی حیران کر دینے والی تھی۔

عنزیق کو معلوم نہیں تھا کہ اس کے باقی ساتھی فرار ہو چکے ہیں۔ اس بے چارے کو تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے باقی ساتھیوں کو قید بھی کیا گیا تھا۔ وہ توتے کو ڈھونڈتے ہوئے راستہ بھول گیا تھا۔ کچھ گھنٹے پہلے ان لوگوں نے مٹھو کے

بولنے اور چیخنے کی آوازیں سنی تھیں۔ اس وقت وہ آدمی معاذ اور لڑکیوں کا پیچھا کر رہے تھے لیکن غلط راستے پر چلے جانے کی وجہ سے انہیں ڈھونڈ نہیں سکے تھے۔ اب بے چارہ عنزیق سخت ڈرا ہوا تھا اور اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔ اس سے بھی زیادہ خوفزدہ ایک توتا اپنے پنجے اس کے کندھے پر گاڑے بیٹھا تھا۔ عنزیق بھٹکنے کی وجہ سے ابھی تک کئی راہداریوں میں داخل ہو چکا تھا۔ اس کی ٹارچ بجھ چکی تھی۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں کوئی کمزور چھت اس کے سر پر نہ آن گرے۔

وہ کئی اَن دیکھی چیزوں سے خوفزدہ تھا۔ اس نے سوچا۔ ”میں راستہ ضرور بھول گیا ہوں لیکن ایسا لگتا ہے کہ میں مرکزی راستے سے میلوں پرے جا چکا ہوں۔“

اچانک اسے اپنے سر پر چھت میں ایک بہت بڑا سوراخ نظر آیا۔ اس نے سوچا کہ وہ ایک اور پُلی والے سوراخ کے قریب آن پہنچا ہے۔ یہ پلی والے راستے یہاں کتنے ہی ہیں۔ میں اس پر چڑھ کر باہر جزیرے کی کھلی فضا میں جا سکتا ہوں۔ لیکن عنزیق کی مایوسی بڑھ گئی جب اس نے دیکھا کہ اوپر چڑھنے والی سیڑھی بوسیدہ ہو

چکی تھی۔ اب اوپر چڑھنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس کے لیے یہ بڑی سوہانِ روح بات تھی کہ آزادی کی کھلی فضا اس کے سر پر تھی مگر اس تک پہنچنے کا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔

عنزیق کی آنکھوں میں بے بسی سے آنسو جھلک پڑے۔ وہ زور سے بولا۔ ''اگر میں لڑکی ہوتا تو کھل کر رو تو لیتا'' لیکن پھر اس نے اپنی ہمّت جتانے کے لیے کچھ الفاظ بڑبڑائے۔ مٹھو نے بڑے غور سے یہ الفاظ سنے۔ پھر وہ عنزیق کی ہمدردی میں بولا۔ ''کیتلی چولہے پر چڑھادو۔''

ان الفاظ سے عنزیق کے چہرے پر دوبارہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ وہ پیار سے بولا ''تم بڑے بے وقوف ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ آگے ہمیں کس سمت میں جانا چاہئے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کہ میں بار بار ایک سی راہداریوں میں چلتا جارہا ہوں۔ ایک منٹ انتظار کرو۔ تمام پلیوں والے راستے جزیرے کے اوپر سے نیچے آتے ہیں۔ میں ذرا یاد کر لوں کہ میں کدھر سے آیا ہوں۔ مجھے یاد رہے کہ ہم سبھی ایک وقت میں سمندر کے نیچے بھی تھے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ تمام

پلیوں والے راستے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ایک سیدھی سرنگ میں کھلتے ہیں۔ اب میں ادھر ہی جاتا ہوں، ہو سکتا ہے خوش قسمتی سے میں مرکزی راستے میں پہنچ جاؤں۔ اگر میں وہاں تک پہنچ گیا تو اوپر بھی چلا جاؤں گا۔"

عزیق چلا تو ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جو بند تھی اور آگے جانا ناممکن تھا۔ لہٰذا ایک دفعہ پھر اسے واپس جانا پڑا۔ نئے سرے سے آغاز کرنا پڑا۔ دوبارہ وہ ایسی ہی جگہ پہنچا جہاں چھت گر چکی تھی۔ عزیق کا دل ٹوٹ گیا۔ مٹھو بھی ان اندھیرے راستوں کے سفر سے تنگ آ چکا تھا۔ اس بار اس نے اصلی جمائی لی۔ وہ اپنے آپ سے بولا۔ "اپنے منہ کے آگے ہاتھ رکھو۔ میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ دروازہ بند کر دو۔ خدا ہماری حفاظت کرے۔"

عزیق بیٹھ گیا اور مٹھو سے کہنے لگا۔ "تمہاری جمائی سے مجھے بھی جمائیاں آنے لگی ہیں۔ کچھ دیر آرام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے مٹھو۔ میں تو بہت تھک گیا ہوں۔"

وہ چٹان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر غنودگی میں چلا گیا۔ اسی حالت میں ایک دو گھنٹے گزر گئے۔ جب وہ جاگا تو بالکل بھول چکا تھا کہ وہ کس جگہ پر ہے۔ جب اسے یاد آیا تو خوف پھر اس کے اندر عود آیا۔ مٹھو بدستور اس کے کندھے پر براجمان تھا۔ وہ سختی سے اپنے آپ سے بولا۔ "گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ صرف چلتے رہنا ہے۔ دیر بدیر میں کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جاؤں گا۔"

وہ ابھی انہی راہداریوں میں بھٹک ہی رہے تھے کہ مٹھو نے ان آدمیوں کی آوازیں سنیں جو بچوں کا پیچھا کر رہے تھے جس کی وجہ سے وہ بھی زور سے چلایا۔ لیکن عنزیق کے کانوں نے کوئی آواز نہیں سنی۔ اس سے پہلے کہ وہ آدمی اس تک پہنچ جاتے وہ ایک اور جانب مڑ گیا۔ اسے بالکل علم نہیں تھا کہ وہ مرکزی پلی کے سوراخ کے بالکل نزدیک تھا۔ اب وہ مرکزی راستے میں مڑ گیا تھا اور وہاں رُک گیا۔ اس نے سوچا۔ "کیا یہی وہ مرکزی راستہ ہے جو ہم نے نقشے میں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے لیکن کاش ٹارچ کی روشنی میں مَیں اسے دیکھ سکتا۔ اس نے کچھ کھردری

سے سیڑھیاں چٹان پر بنی ہوئی دیکھیں جو اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔ تجسس سے مجبور ہو کر عنزیق اوپر چڑھا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ ایک اور راستہ نکل رہا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ یہ راستہ کسی اور کان میں جاتا ہو گا جہاں کبھی لوگ کام کرتے ہوں گے۔ وہ دیوار سے ٹکرایا اور گر پڑا جس سے دیوار میں سے ایک پتھر علیحدہ ہو کر گرا۔

اس پتھر کے گرنے سے کافی اونچی آواز پیدا آئی۔ عنزیق ڈر گیا کہ شاید چھت اس کے سر پر گر رہی ہے۔ کوشش کر کے اس نے ٹارچ دوبارہ جلائی تو اس کی بچی کھچی روشنی میں اس نے دیکھا تو وہ تانبے کا ایک سرخ پتھر تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا کہ یہ پتھر نہیں بلکہ خالص تانبے کا ٹکڑا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا خوبصورت پتھر ہے۔ کیا وہ اسے آسانی سے اٹھا کر لے جا سکتا ہے؟ عنزیق نے بہت احتیاط سے تانبے کا ٹکڑا اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ وہ ٹکڑا ایسا تھا جیسا کسی نے خود چٹان میں جگہ بنا کر چھپا کر رکھ دیا ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس نے خود چھپایا تھا یا واقعی یہ قدرتی انداز میں زمین کی اتنی گہرائی میں لگا ہوا تھا۔ عنزیق کچھ سمجھ

نہیں پا رہا تھا۔ یہ بہت وزنی ٹکڑا تھا۔ لیکن عنریق اسے اٹھا کر لے جا سکتا تھا۔ خالص تانبے کا ٹکڑا، عنریق خوشی سے بار بار یہ الفاظ دہرا رہا تھا۔ اسے اس کے ملنے کی اتنی خوشی تھی جیسے اسے عظیم آک مل گیا ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب دوسرے ساتھی دیکھیں گے تو کتنے خوش ہوں گے۔

عنریق مرکزی راستے سے ہٹ کر چلنا چاہتا تھا تاکہ کانوں میں کام کرنے والے اسے دیکھ نہ سکیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے یہ تانبا چھین لیں۔ ہو سکتا ہے قانونی طور پر وہ اس کے مالک ہوں لیکن اسے جو خوشی اسے اپنے دوستوں کو دکھا کر ہونے والی تھی وہ اس سے محروم ہونا نہیں چاہتا تھا۔ عنریق واپس مرکزی راستے پر لوٹا تو تانبے کا یہ ٹکڑا اس کے ہاتھوں میں تھا۔ اب اسے اپنی ٹارچ بھی اپنی پتلون کی جیب میں رکھنی پڑی کیونکہ وہ ٹارچ اور ٹکڑے میں سے ایک چیز اٹھا سکتا تھا۔ ٹارچ کی روشنی کے بغیر وہ راستہ بھی تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ عنریق نے اچانک دور سے ایک آواز سنی تو وہ وہیں کھڑا ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ ہو نہ ہو یہ وہی ٹکاٹک والی آواز ہے جسے وہ پہلے بھی سن چکے ہیں۔ اور جہاں لوگ کام کرتے

ہیں۔ اس کے خیال میں وہ اپنے ساتھیوں کے بھی نزدیک پہنچ گیا ہوں تھا۔

عنزیق آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ وہ ایک ایسے راستے پر چل رہا تھا جو اچانک مڑ گیا تھا اور اب اس کے سامنے پھر چندھیا دینے والی روشنی والی غار تھی۔ جب وہ پہلی بار یہاں آیا تھا تو وہ خالی تھی لیکن اس دفعہ اس میں لوگ کام کر رہے تھے۔ وہ لکڑی کی پیٹیاں اور گتّے کے ڈبے خالی کر رہے تھے۔

عنزیق حیرانی سے دیکھنے لگا کہ ان ڈبّوں میں آخر کیا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہی وہ راستہ ہے جہاں مٹھو اڑ گیا تھا اور مجھے اس کے پیچھے اسے ڈھونڈنے جانا پڑا تھا۔ پتا نہیں باقی بچوں کا کیا بنا لیکن شکر ہے میں اندھیرے میں رہ کر دوبارہ اتنی تیز روشنی دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں اس اُڈی ہوئی چٹان کے پیچھے چھپ جاؤں تو شاید مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مٹھو بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ وہ چندھیائی ہوئی روشنی سے ڈرا ہوا تھا کیونکہ اتنا عرصہ وہ مکمل اندھیرے میں رہا تھا۔ وہ عنزیق کے کندھے پر اپنے پنجے جمائے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ان ڈبوں اور پیٹیوں میں دھات کے چھوٹے ڈبے تھے جن میں گوشت اور پھل محفوظ کیے گئے تھے۔ عنزیق کو یہ

کھانے کے ڈبّے دیکھ کر شدید بھوک کا احساس ہونے لگا۔ خاصی دیر سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ آدمیوں نے کچھ ڈبّے کھولے، ان کا کھانا پلیٹوں میں انڈیلا اور کھانا کھانے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہے تھے۔ عنزیق ان کی گفتگو نہیں سن سکا۔

عنزیق نے سوچا کہ ان کے سامنے جا کر درخواست کرے کہ اسے بھی کچھ کھانے کو دے دیں لیکن وہ اسے اچھے لوگ نہیں لگے۔ انہوں نے صرف پتلونیں پہن رکھی تھیں اور قمیصیں اتارے ہوئے تھے۔ کانوں میں اتنی گرمی تھی کہ پورے کپڑے پہننا انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ عنزیق کا جی چاہ رہا تھا کہ کاش وہ بھی صرف نیکر پہنے ہوتا۔ وہ جانتا تھا کہ ننگے کندھے پر مٹھو کے پنجے اسے کیسے چبھتے ہیں۔ ان لوگوں نے کھانا کھا لیا تو دوبارہ اس غار کے آخری کونے میں بنی ایک اور غار میں چلے گئے۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ ٹکا ٹک والی آواز دوبارہ آنا شروع ہو گئی جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ لوگ دوبارہ کام میں جت گئے ہیں۔ عنزیق رینگتا ہوا گیا اور اس غار میں جھانکنے لگا۔ وہ حیران ہو گیا کہ وہاں کوئی

درجن بھر آدمی ہوں گے جو مختلف مشینوں پر کام کر رہے تھے۔ آوازوں کی ٹکا ٹک سے جو گونج پیدا ہو رہی تھی وہ انسان کو بہرا کرنے کے لیے کافی تھی۔ وہاں ایک انجن بھی تھا جس سے شور میں اضافہ ہو رہا تھا۔ عزیق سوچ رہا تھا۔ ”کیا عجیب مشینیں ہیں۔ یہ اتنی مشینیں آخر اتنی گہرائی تک نیچے کیسے لائے ہوں گے۔ لازماً ان مشینوں کو حصّوں اور ٹکڑوں میں لائے ہوں گے اور پھر نیچے لا کر انہیں جوڑا ہو گا۔ یہ کتنے مصروف ہیں اور کتنا شور ہے۔

عزیق حیرت سے انہیں دیکھتا رہا۔ کیا یہ لوگ مشینوں سے تانبا اکٹھا کر رہے ہیں؟ وہ پڑھ چکا تھا کہ کئی دھاتوں کو پگھلانا پڑتا ہے یا انہیں کیمیائی عمل سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ لوگ اسی جیسا کوئی کام کر رہے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ تانبا ان کانوں میں اس طرح ٹکڑوں کی صورت میں نہیں ملتا۔ اچانک ار شخص مڑا اور بڑے غار کی طرف چلا۔ عزیق رینگ کر ایک اور تنگ کونے میں سرک گیا تاکہ وہ شخص گزر جائے۔ واپسی میں وہ پانی کا جگ بھر کر لایا۔ عزیق نے وہیں چھپ کر کچھ لمحے گزارے۔ جسے وہ کسی چٹان کا حصّہ سمجھ کر اس

کے پیچھے چھپ رہا تھا، اچانک وہ سرک گئی اور عنزیق پیچھے کی طرف پھسل گیا۔ تب اس نے ٹارچ کی بجھی بجھی روشنی سے دیکھا وہ چٹان نہیں تھی بلکہ ایک مضبوط لکڑی کا دروازہ تھا جو ایک قید خانے جیسے کمرے میں کھلتا تھا۔

یہ ویسا ہی کمرہ تھا جس میں معاذ اور دوسرے بچے قید رہے تھے۔ پھر قدموں کی آہٹ سن کر وہ جلدی سے کمرے میں چلا گیا اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ قدموں کی چاپ آگے گزر گئی۔ عنزیق نے ٹارچ دوبارہ جلائی تاکہ دیکھے کہ اس غار میں کیا ہے۔ وہ غار کاغذوں کی کراری گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ گڈیاں ایک دوسرے کے اوپر پڑی تھیں۔ وہ کاغذ ایک ہی سائز اور رنگ کے تھے اور ایک دوسرے سے مضبوطی اور ترتیب سے جڑے ہوئے تھے۔ عنزیق نے انہیں بغور دیکھا اور پھر بار بار دیکھا۔ ہر بار اسے اپنی سانس بند ہوتے ہوئے محسوس ہوئی۔

اس کمرے میں ملکی کرنسی کے بڑے نوٹوں کی گڈیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ وہاں سو روپے کے نوٹوں کی گڈیاں تھیں، پانچ سو روپے، ہزار روپے اور حتیٰ کہ پانچ ہزار روپے کے نوٹوں کی گڈیوں کے انبار بھی تھے۔ وہ اِسی طرح ترتیب سے

رکھے ہوئے تھے جیسے ابھی اسٹیٹ بینک سے نئے نکلوا کر لائے گئے ہوں اور اتنے زیادہ تھے کہ کسی بھی شخص کو راتوں رات ارب پتی بنا سکتے تھے۔ عنزیق اپنی آنکھیں ملتے ہوئے کہنے لگا۔ "اب میں ضرور خواب دیکھ رہا ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ میں ایک غیر معمولی خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں تھوڑی دیر میں جاگوں گا تو خود پر ہنسوں گا۔ لوگوں کو کبھی اس طرح کے تجربے نہیں ہوتے۔ ایک اندھیری غار میں خزانہ !! شاید میں پریوں کی کسی جادوئی کہانی کا حصّہ ہوں۔ یہ ناممکن ہے۔ بہتر ہو گا اگر میں جلد جاگ جاؤں۔

حیرت انگیز ملاقات

عزیق حیرت سے نوٹوں کے اس انبار کو دیکھ رہا تھا۔ نوٹوں کو اکٹھا کرنے کی یہاں کوئی وجہ تو نہیں تھی۔ اتنی زیادہ رقم کو زیرِ زمین اس غار میں جمع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ رقم کس کی ملکیت ہے اور کیا یہ رقم یہاں رکھنے کی بجائے عمومی طریقے سے کسی بنک میں رکھی نہیں جا سکتی تھی؟ عزیق نے سوچا کہ ہو سکتا ہے یہاں کام کرنے والے یہاں سے ڈھیروں تانبا نکال رہے ہوں اور پھر خفیہ طور پر اسے بازار میں بیچ رہے ہوں۔ تبھی تو یہ نوٹوں کا انبار اکٹھا ہو سکا ہے۔ وہ حیرت

کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ وہاں دولت اس طرح بکھری پڑی تھی اور غار میں کوئی موجود نہیں تھا۔

پھر اس نے کسی کے قدموں کی چاپ دروازے کی طرف آتے سنی۔ وہ آدمی جس نے غار کا دروازہ کھولا اور عنزیق کو غار میں دیکھ کر عنزیق سے بھی زیادہ حیران رہ گیا۔ وہ عنزیق کو گھورنے لگا۔ اس کا منہ اور آنکھیں حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔ پھر اس نے بڑی سختی سے لڑکے کو غار سے باہر گھسیٹ لیا اور کھینچتا ہوا اس کمرے میں لے گیا جہاں مشینیں کام کر رہی تھیں اور چلاتے ہوئے بولا۔

''ذرا اسے دیکھو۔ میں نے اسے اسٹور سے پکڑا ہے۔'' فوراً مشینیں بند کر دی گئیں۔ آدمی عنزیق کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے ایک آدمی آگے بڑھا۔ وہ ثناء اللہ تھا۔ وہ بہت ہی ڈراؤنا لگ رہا تھا اور اس کی آنکھ کے نیچے زخم کا نشان اسے مزید خوفناک بنا رہا تھا۔ اس نے عنزیق کو اس بری طرح جھنجوڑا کہ عنزیق کا سانس بند ہونے لگا۔ وہ بے حال ہو کر زمین پر گر گیا تو ثناء اللہ نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ ثناء اللہ نے پوچھا۔ ''باقی بچے کدھر ہیں؟ مجھے فوراً بتاؤ تمہیں کون یہاں لے

کر آیا ہے؟ تم ان کانوں میں کیا کر رہے ہو؟ تم کیا کیا جانتے ہو؟"

عنزیق نے اپنا تانبے کا ٹکڑا اٹھایا اور دیکھا کہ مٹھو کدھر گیا۔ وہ خوفزدہ ہو کر غار کی چھت کے ساتھ ساتھ اُڑ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کیا بولے۔ آدمیوں نے تانبے کے ٹکڑے کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا جس سے عنزیق کو بہت حیرانی ہوئی۔ وہ تو ڈر رہا تھا کہ وہ کہیں اس سے یہ ٹکڑا چھین نہ لیں۔ آخر وہ بولا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ باقی کدھر ہیں۔ ہم سب مل کر جزیرے پر آئے تھے۔ ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں اور میں ان سے بچھڑ گیا ہوں۔"

ثناء اللہ نے پھر سے پوچھا۔ "مجھے بتاؤ تمہارے ساتھ کون ہے؟ تم تنہا بچے اس جزیرے پر نہیں آسکتے۔"

عنزیق نے اسے دوبارہ بتایا۔ "ہم اکیلے ہی آئے تھے لیکن غار میں جو اتنی رقم پڑی ہے وہ کس کی ہے؟" اس شخص نے آہستہ آواز میں دھمکیاں اور گالیاں بکنی شروع کر دیں۔ عنزیق نے بے تابی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ثناء اللہ کا رنگ اور بھی تاریک ہو گیا تھا۔ اس نے قریب کھڑے دوسرے ساتھیوں کی طرف دیکھا

اور کہنے لگا۔ "کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔" مجھے لگتا ہے کہ یہ لڑکا کچھ ضرورت سے زیادہ ہی جانتا ہے۔ ہاں بھئی! اب وہ سب کچھ بتادو جو تم جانتے ہو ورنہ آئندہ تم سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکوگے۔ کیا تم نے میری بات غور سے سنی ہے؟"

عنزیق نے واقعی بڑے غور سے اس کی بات سن لی تھی۔ عنزیق خوف سے کانپنے لگا۔ مٹھو نے یہ باتیں سن کر اتنے زور سے چیخ ماری کہ سبھی لوگ حیرت سے اچھل پڑے۔ عنزیق بے چارے نے انہیں صدق دل سے بتایا۔ "مجھے نہیں معلوم آپ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ ہمیں صرف اتنا پتا تھا کہ کوئی تانبے کی کانوں میں کام کر رہا ہے اور پرویز صاحب ان کے لیے کھانا وغیرہ فراہم کرتے ہیں۔ میں ایمانداری سے بتارہا ہوں کہ مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہے۔"

ثناء اللہ نے نام دھرایا۔ "پرویز صاحب! یہی نام دوسرے بچوں نے بھی بتایا تھا۔ لیکن آخر یہ پرویز صاحب کون ہیں؟"

عنزیق نے بوکھلا کر پوچھا۔ "تو کیا یہ ان کا اصل نام نہیں ہے؟"

اچانک ثناء اللہ نے پوچھا۔ "یہ کیا تم نے اصلی اور نقلی ناموں کی رٹ لگائی ہوئی

ہے۔" اس کے لہجے میں اس دفعہ اتنی سفّاکی تھی کہ عنزیق کے ہاتھ سے قیمتی دھات کا ٹکڑا زمین پر گر پڑا۔ اسے یہ گمان ہوا تھا کہ شاید یہ ظالم اسے مارنے لگا ہے۔ وہ ٹکڑا ثناء اللہ کے پیروں کے نزدیک گرا تھا۔ اس نے ٹکڑا زمین سے اٹھا لیا اور اسے دیکھنے لگا۔ اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ "تم یہ پتھر کیوں اٹھا کر پھر رہے ہوں۔ کیا تم سارے شیطان پاگل ہو گئے ہو۔ کوئی توتا لیے پھر رہا ہے اور کوئی اتنا بھاری پتھر۔ پھر یہ پرویز صاحب اور تانبے کی کانیں۔ واقعی تم لوگ پاگل ہو۔"

عباس ثناء اللہ کے ساتھ آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے یہ لڑکا کچھ مزید جانتا ہے۔، ایک آدھ دن اسے بھوکا قید میں رکھا جائے تو یہ اپنے توتے کی طرح بولنا شروع کر دے گا۔ کیا خیال ہے اس کی تھوڑی سی دھنائی کر دی جائے۔"

عنزیق کا رنگ زرد ہو گیا لیکن اس نے چہرے کے تاثرات سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ خوفزدہ ہو گیا ہے۔ اس نے کہا۔ "میں نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے،

اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اور آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟ آخر کون سا راز ہے جس کے متعلق آپ جاننا چاہتے ہیں؟"

ثناء اللہ نے درشتگی سے پوچھا۔ "اسے لے جاؤ اور بھوکا رکھو۔ یہ خود ہی بولنے لگے گا۔" عباس نے لڑکے کو کندھے سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا غار میں لے گیا۔ اس کا رویہ عنزیق سے بہت غیر انسانی تھا۔ اتنی دیر میں مٹھو نیچے آیا اور عباس کے منہ پر دونوں پنجوں سے جھپٹا مارا اور اپنی چونچ کا بڑی بیدردی سے استعمال کیا۔ عباس نے چہرہ بچانے کے لیے دونوں ہاتھ آگے کر لیے۔ اس کی ٹارچ ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی اور فوراً بجھ گئی۔ عنزیق جلدی سے اس غار سے باہر نکل گیا۔ مٹھو کو اب اندازہ نہیں ہو تھا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ اندھیرے میں اڑتا ہوا ایک میز سے ٹکرایا۔ وہ چیختے ہوئے بولا۔ "بہت افسوس ہے اب یہ کیا مصیبت ہے؟"

غار کا دروازہ زور سے بند ہو گیا۔ عباس سمجھا کہ یہ باتیں توتا نہیں بلکہ عنزیق کر رہا ہے۔ اس نے غار کا دروازہ بند کر دیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ

ایک توتا اس طرح گفتگو بھی کر سکتا ہے۔ اس نے چابی تالے میں گھمائی۔ مٹھو ابھی بھی دھیمے لہجے میں باتیں کر رہا تھا حالانکہ نہ عنزیق اور نہ ہی عباس اس کی باتیں سن سکتا تھا۔ جیسے ہی عباس مڑا ثناء اللہ نے پوچھا۔ "کیا تم نے اسے بند کر دیا ہے؟" اور پھر ٹارچ جلا کر بند غار کو دیکھا۔ عباس نے کہا۔ "ہاں کر دیا ہے۔

وہ اندر بیٹھا اپنے آپ کو کوس رہا ہے۔ تم اس کی آواز سن سکتے ہو۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ پاگل ہو گیا ہے۔"

ثناء اللہ نے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ پچھتا رہا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے بھیانک قہقہہ لگایا جس سے اندھیرے میں چھپے عنزیق کی روح ہوا ہو گئی۔ وہ کہہ رہا تھا ابھی یہ اور بھی پچھتائے گا۔ پھر دونوں آدمی مشینوں والی غار میں چلے گئے اور وہاں سے دوبارہ ٹکاٹک۔ ٹکاٹک پورے زور و شور سے شروع ہو گئی۔ عنزیق وہیں کھڑا تھا۔ مٹھو نے اسے بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا تھا۔ بے چارہ مٹھو۔ عنزیق دروازے کے قریب پہنچا تاکہ اس میں لگا ہوا تالہ کھولے اور توتے کو باہر نکالے لیکن تالے میں چابی نہیں تھی۔ وہ اسے ساتھ ہی لے گئے تھے۔ اب مٹھو قیدی تھا اور

اتنی دیر تک اسے قید میں رہنا تھا جب تک کوئی تالا کھول کر اسے باہر نہ نکالے۔ عنزیق اب آزاد تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کاروبار میں کچھ نہ کچھ غلط ہے۔ اتنی بڑی رقم کا یہاں ہونا غلط ہے اور پھر یہ عجیب و غریب مشینیں اور یہ لوگ جو ان کو چلا رہے ہیں شریف آدمی نہیں دکھتے۔ یہ کسی صورت میں پرویز صاحب کے دوست نہیں لگتے۔"

وہ احتیاط سے راستے میں گیا اور ٹارچ کو نہیں جلایا۔ اب وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اسے پلی والا راستہ مل جائے اور وہ اوپر جزیرے تک پہنچ جائے۔ ہو سکتا ہے اس کے ساتھی اسے اوپر مل جائیں۔ وہ اس کا انتظار کر رہے ہوں گے؟"

عنزیق راستوں کی خاک چھانتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش مٹھو اس کے ساتھ ہوتا۔ اب وہ اکیلا تھا اور ڈر رہا تھا۔ وہ کسی سے بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ دوسروں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ آخر وہ چلتا ہوا اتنا تھک گیا کہ اب مزید نہیں چل سکتا تھا۔ وہ ایک چھوٹی سی غار کے کونے میں سمٹ کر بیٹھ گیا۔ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ایک تھکے ماندے لڑکے کی نیند سو گیا۔ کئی گھنٹے تک وہ سوتا رہا۔ اس کے جسم کا ہر حصہ تھکن

سے چور ہو رہا تھا۔ مٹھو بھی غار میں سو یا رہا تھا۔ وہ حیران بھی تھا اور ناراض بھی۔ وہ عنزیق کو اسی طرح یاد کر رہا تھا جسے عنزیق اسے۔ جب عنزیق نیند سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے کندھے پر ہاتھ پھیر کر مٹھو کو ڈھونڈا لیکن مٹھو اس کے کندھے پر نہیں تھا۔ اسے یاد آیا کہ مٹھو تو قیدی ہے اور اس کی محنت اور بولنے کی صلاحیت کی وجہ سے ہی عنزیق آزاد تھا۔ اسے بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ اسے چھپائے ہوئے خزانے کا پتا تھا۔ اسے عجیب و غریب مشینوں کا پتا تھا جنہیں زیر زمین کسی خاص مقصد کے لیے لے جا کر نصب کیا گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مشینوں کو چلانے والے شریف آدمی نہیں تھے۔ انہیں اگر معلوم ہو جاتا کہ وہ اُن کا اَن جانا راز جانتا ہے تو وہ کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتے تھے۔

عنزیق نے سوچا۔ ”اسے فوراً فرار ہو کر دوسروں کو سب کچھ بتانا چاہیے۔ میرا خیال ہے ہمیں پولیس کے پاس جانا چاہیے یا مجھے پرویز صاحب کو بتانا چاہئے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ پرویز صاحب ان لوگوں کے ساتھی نہیں ہو سکتے۔ یہ میرا اندازہ ہے۔ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پھر بھی مجھے ہر بات سب کو بتا دینا

چاہیے۔"

یہ سوچ کر تھکا ماندہ عنزیق دوبارہ کانوں راستہ تلاش کرنے لگا۔ وہ سیلن سے بھرے ہوئے اوپر نیچے راستوں میں گیا۔ اب اس کی ٹارچ بہت معمولی سی روشنی دے رہی تھی۔ آخر وہ بھی بجھ گئی۔ عنزیق نے بہتیرا اسے تھپکیاں دیں۔ لیکن اس کی کی بیٹری ختم ہو چکی تھی۔ اب اس ٹارچ میں نئی بیٹری کی ضرورت تھی۔ اور ہی اس وقت ممکن نہیں تھا۔

عنزیق اب بہت خوفزدہ تھا۔ فرار کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ خوش قسمتی سے اسے پلی والا راستہ مل جاتا جو اسے جزیرے پر لے جاتا۔ لیکن اس کا امکان بہت ہی کم تھا۔ اب وہ ہاتھوں میں تانبے کا ٹکڑا بہت مشکل سے تھامے ہوئے تھا اور راستہ ڈھونڈنے کے لیے اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے کانوں میں کوئی آواز پڑی ہو۔ وہ رک کر اسے سننے لگا لیکن اُسے سمجھ نہ سکا۔ وہ پھر چلا لیکن پھر اس کے قدم رُک گئے۔ اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کئی لوگ اس کے نزدیک ہیں۔ وہ ان کی سانسیں سن رہا تھا۔ وہ اندھیرے میں

اپنی سانسیں روکے کھڑا رہا اور سننے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ کچھ نہیں سن سکا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی طرح دوسرے آدمی نے بھی سانسیں روک رکھی ہوں اور سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ چلنے لگا اور اچانک کسی چیز سے ٹکرا گیا۔ کیا یہ ثناء اللہ اور عباس میں سے کوئی تھا؟ وہ خود کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کرنے لگا لیکن اسے کسی نے بازو سے سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ اس کے بازو میں درد ہونے لگا۔ تانبے کا ٹکڑا زمین پر گر گیا اور عنزیق کے پاؤں سے ٹکرایا تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ ایک دم شور مچانے لگا۔ ''اوہ میرا پاؤں۔ اوہ میرا پاؤں''

پھر اچانک ایک حیران کن خاموشی چھا گئی۔ جس نے اسے پکڑا تھا اس نے ٹارچ کی تیز روشنی اس کے چہرے پر ڈالی۔ ایک حیرت سے ڈوبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''ارے یہ تو عنزیق ہے'' اسے معاذ کی آواز سنائی دی۔

''ارے عنزیق یہ تم ہو۔''

پھر وہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچا اور اسے گلے سے لگا لیا۔ ''عنزیق خدا کا شکر ہے تم

بحفاظت مل گئے ہو۔"

عنزیق نے کہا۔" بودی والے لڑکے۔ تم اور پرویز صاحب آپ!" اس کی آواز میں عجیب سی طمانیت تھی۔ اس نے عرصے کے بعد کوئی شناسا آواز سنی تھی۔ ورنہ اندھیرے میں نہ وہ دیکھ سکتا تھا اور نہ کسی سے بات کر سکتا تھا۔ معاذ کو دیکھنے کی خوشی جس کے ماتھے پر اس کی ہمیشہ کھڑی رہنے والی بالوں کی بودی اب بھی کھڑی تھی اور پرویز صاحب کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح مسکراہٹ تھی اور چمکتی آنکھیں تھیں۔ بڑے ہونے کی وجہ سے ان کی ذات میں خود اعتمادی تھی۔ بچے بہت سے اچھے کام خود کر سکتے ہیں لیکن ایک وقت آتا ہے جب انہیں بڑوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ پرویز صاحب سے لپٹ گیا اور جواب میں انہوں نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔

"تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی عنزیق۔ مجھے علم ہے کہ تمہارے پاس ہمیں بتانے کو بہت کچھ ہے۔"

عنزیق بولا۔ "واقعی میرے پاس بتانے کو بہت کچھ ہے۔" اس نے جیب سے

رومال نکالا اور زور سے اپنا ناک صاف کیا۔ اس وہ کچھ مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ بولا۔
”لڑکیاں کہاں ہیں؟“

معاذ نے کہا۔ ”وہ گھر میں ہیں۔ ہم نے کل کانوں میں تمہیں بہت یاد کیا۔ ہمیں کان والے آدمیوں نے قیدی بنالیا تھا لیکن ہم فرار ہو گئے۔ پھر پلی والے راستے پر پہنچ کر جزیرے پر پہنچے۔ وہاں سے کشتی لی اور اندھیرے میں گھر واپس پہنچے۔ میں نے پرویز صاحب کو تلاش کیا اور اب وہ میرے ساتھ ہیں۔ ہم پرویز صاحب کی کشتی لے کر نہیں آسکے کیونکہ ان کی کشتی میں کسی نے بڑے شگاف کر دیے تھے۔ صغیر کی کشتی بھی وہاں موجود نہیں تھی۔ عزیق حیرانی سے پوچھنے لگا۔ تو پھر آخر تم یہاں تک کیسے پہنچے؟“

معاذ بولا۔ ”ہمارے گھر سے جزیرے تک سمندر کے نیچے بھی ایک خفیہ راستہ ہے۔ تمہیں سن کر حیرانگی تو ہوئی ہو گی لیکن ہمیں یہاں آنے کے لیے بہت وقت اور بہت محنت کی ضرورت پڑی ہے۔ بہت ہی خوفناک راستہ ہے۔ مجھے بالکل پسند نہیں آیا لیکن پھر بھی ہم پہنچ ہی گئے۔“

عنزیق یہ سن کر حیران رہ گیا کہ وہ یہاں کیسے پہنچے ہیں۔ وہ ان سے بہت سے سوال کرتا رہا لیکن پرویز صاحب نے عنزیق سے کئی سوال کرنا چاہتے تھے۔ وہ بولے۔ ”عنزیق میرے سوالوں کے جوابات دینا بہت ضروری ہیں۔ آؤ بیٹھیں۔ میرے پاس ایک ترکیب ہے۔ تم ایک بہت بڑا معمہ میرے لیے حل کر سکتے ہو۔“

انکشافات

عزیق بڑی بے تابی سے بولا۔ ”میرے پاس آپ کو بتانے کے لیے انتہائی حیرت انگیز معلومات ہیں۔ پہلے یہ بوجھیں کہ میں نے وہاں کیا ڈھونڈا؟ ایک غار جو نوٹوں کی گڈیوں سے بھری ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے میں نے وہاں کروڑوں کے نوٹ تو ضرور دیکھے ہوں گے۔ اتنے روپے دیکھے ہیں کہ میں ان کی مالیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔“

پرویز صاحب نے نوٹوں کی خبر سن کر جیسے اطمینان کا سانس لیا اور وہ کہنے لگے۔

"عزیق یہ واقعی بہت بڑی خبر ہے۔"

عزیق نے جب یہ دیکھا کہ اس کی دی ہوئی خبر پرویز صاحب کے لیے اہمیت کی حامل ہے تو اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے وہاں بہت سی مشینیں اور ایک انجن دیکھا جس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ تانبے کو گرم کرنے یا پگھلانے کے کام آتا ہو گا۔ مجھے ایک مشین بھی دکھائی دی جو اخبار چھاپنے والی مشین کی طرح تھی۔"

پرویز صاحب نے یہ سنا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

"واہ یہ تو بڑی زبردست خبر ہے عزیق۔ تم نے ایک پانچ سال پرانا معمّہ میرے لیے حل کر دیا ہے۔ ایک ایسا معمّہ جس نے حکومت کو پاگل کر رکھا تھا اور پوری پولیس اس کے پیچھے تھے۔"

عزیق بولا۔ "کیسا معمّہ؟"

معاذ جوش سے بولا۔ ”میں سمجھ گیا ہوں۔ پرویز صاحب! میرا خیال ہے کہ وہ ان مشینوں سے جعلی نوٹ چھاپ رہے ہیں اور ان جعلی نوٹوں کے ڈھیر عنزیق نے اس غار میں دیکھے ہیں۔ یہ نوٹ جزیرے سے لائے جاتے ہوں گے۔ یہ چور یا ان کا سرغنہ انہیں بازار میں پہنچاتا ہو گا۔“

پرویز صاحب بولے۔ ”معاذ تم نے تقریباً صحیح اندازہ لگایا ہے۔ ہم چوروں کے اس گروہ کے پیچھے سالوں سے تھے لیکن ہم اس جگہ کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے جہاں یہ لوگ نوٹ چھاپتے تھے۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ بازاروں میں یہ نقلی نوٹ کہاں سے آ رہے ہیں۔ تم نے زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ صرف بنک میں کام کرنے والے ماہرین ہی ان نوٹوں کا جائزہ لے کر بتا سکتے ہیں کہ اصلی نوٹ کون سے ہیں اور جعلی کون سے؟“

عنزیق حیرانی سے چلّا کر بولا۔ ”تو یہ لوگ تانبے کی کانوں میں کام نہیں کرتے۔ ہم سب اس بارے میں غلط اندازہ لگا رہے تھے۔ انہوں نے جان بوجھ کر یہ کانیں چنیں ہیں لیکن تانبا نکالنے کے لیے نہیں بلکہ چھپائی کی مشینیں چھُپانے کے

لیے۔ اور یہ سارا دھندہ غیر قانونی کام چھپانے کے لیے ہے۔ یہ لوگ کتنے چالاک ہیں۔"

پرویز صاحب نفرت سے کہنے لگے۔ "بہت ہی چالاک۔ اور انہیں ایک ایسا آدمی بھی چاہیے جو کشتی سے جزیرے تک آ جا سکے۔ ان کے لیے خوراک دوسری ضروریاتِ زندگی جزیرے پر پہنچائے اور ان بدمعاشوں کے سرغنہ کو واپسی پر جعلی نوٹ پہنچا سکے۔ اصل تو یہ آدمی ہی ہے جو سارا تماشہ چلا رہا ہے۔"

عنزیق نے گہری دلچسپی سے پوچھا۔ "اور یہ درمیان والا آدمی کون ہے؟ کیا ہم میں سے کوئی اسے جانتا ہے؟"

پرویز صاحب بولے۔ "کیوں نہیں؟ میرا تو خیال تھا کہ تم فوراً اس تک پہنچ جاؤ گے۔ اس کا نام ہے صغیر۔"

دونوں بچے چلّائے۔ "صغیر" لیکن پھر چشمِ زدن میں پوری کہانی ان کے ذہن میں فلم کی مانند چلنے لگی۔ صغیر انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ ہوتا تھا۔ معاذ بولا۔ "بالکل ٹھیک ہے۔ اس کے پاس کشتی ہے اور جب بھی وہ جزیرے پر جانا چاہے

اسے گھر میں صرف یہی بہانہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ مچھلیاں پکڑنے جا رہا ہے۔ اگر وہ چاہے تو رات میں بھی جا سکتا ہے۔ وہ روشنی کے اشارے جو صغیر نے دیکھے تھے وہ اس کے اپنے آدمی اسے جزیرے سے کر رہے تھے۔ اور وہ صغیر ہی تھا جو چٹان سے انہیں جوابی اشارے کر رہا تھا کہ اچانک اسے عنزیق وہاں مل گیا۔"

عنزیق نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ جب وہ کار پر خرید و فروخت کے لیے گیا تھا تو وہ یہ جعلی کرنسی اپنے سرغنہ اور دوسرے ساتھیوں کے حوالے کرنے کے لیے ساتھ لے کر گیا ہو گا۔ یہی وہ وجہ تھی جو وہ ہمیں کبھی اپنی کار یا کشتی پر اپنے ساتھ لے کر نہیں جاتا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ہمیں اس کی کسی بات پر شک نہ گزرے۔"

معاذ کہنے لگا۔ "تمہیں یاد ہے باورچی خانے کے ساتھ بنے دوسرے تہہ خانے کے دروازے کو کس طرح اس نے لکڑی کی پیٹیوں اور گتّے کے ڈبّوں سے چھپایا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ڈبّے چچی کے نہیں تھے۔ وہ اس کی کم بخت صغیر کے ہی تھے۔ وہ انہیں کشتی میں لاد کر جزیرے تک لے کر جاتا تھا اور اس کی کہانیاں اور

ان میں وہ ’چیزیں‘ جو رات کو چٹانوں پر سیریں کرتی تھیں، صرف ہمیں ڈرانے کی بھونڈی کوشش تھی۔ تاکہ ہم رات کو باہر نکل کر اس کی کاروائیوں کے بارے میں نہ جان سکیں۔“

پرویز صاحب معاذ کی کی تائید میں بولے۔ ”تم بالکل درست کہہ رہے ہو۔“ وہ اس گفتگو کو بڑی توجّہ سے سن رہے تھے۔ اچانک عنزیق بولا۔ ”پرویز صاحب آپ تنہا ساحلِ سمندر پر ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں رہنے کیوں آئے تھے؟ کیا واقعی آپ پرندوں کو دیکھنے کے شوقین ہیں؟“

پرویز صاحب ہنستے ہوئے بولے۔ ”بالکل بھی نہیں۔ میری ملاقات پرندوں کے شوقین سے تھی تو میں نے خود کو پرندوں کا شوقین ظاہر کر دیا۔ تم مجھ سے پرندوں کے بارے میں اتنے چبھتے ہوئے سوال کرتے رہے کہ مجھے پرندوں کے بارے میں بات کرنے کے لیے کئی کتابیں پڑھنی پڑیں۔ میرے لیے یہ بہت مشکل تھا لیکن میں تم سب کو اپنی حقیقت نہیں بتا سکا۔ میں ایک پولیس افسر ہوں اور میری ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ میں صغیر کا پیچھا کروں اور اس کی سرگرمیوں کے

متعلق جان سکوں۔"

معاذ نے پوچھا۔ "آپ کو صغیر کے بارے میں یہ شک کیسے ہوا کہ وہ غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہے؟"

پرویز صاحب نے بتایا۔ "پولیس کے لیے وہ اجنبی نہیں ہے کیونکہ وہ پہلے بھی بینکوں کو جعلی نوٹ دینے میں ملوث رہا ہے اور اسی لیے ہم اس کے تعاقب میں تھے اور یہ جاننا چاہتے تھے کہ اتنے بڑے پیمانے پر تیار ہونے والے جعلی نوٹوں میں کہیں اس کا ہاتھ تو نہیں۔ نوٹ کہاں چھپ رہے ہیں اور کیسے آگے پہنچائے جا رہے ہیں؟ ہم نے سوچا کہ اس شخص کی نگرانی کرنا ضروری ہے۔ جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ آج کل وہ کہاں رہ رہا ہے تو اس کی نگرانی شروع کر دی گئی۔ دراصل ماضی میں خود صغیر خود کو چھپانے میں کامیاب ہوتا رہا ہے۔ وہ تمہاری چچا اور چچی کی ملازمت پچھلے پانچ سال سے کر رہا ہے۔ وہ جان بوجھ کر اس الگ تھلگ جگہ مقام پر نوکری کر رہا تھا تاکہ لوگ یہ نہ جان سکیں کہ ماضی میں اس کا ریکارڈ مجرمانہ رہا ہے۔ پھر پولیس کے ایک جوان نے اس کو بازار میں دیکھ کر اس کی

نشاندہی کی۔ ہم نے یہ سراغ لگایا کہ آخر وہ کہاں کام کرتا ہے۔ اس کے بعد ہی میں اس کی نگرانی کے لیے یہاں آیا۔"

عنزیق کہنے لگا۔ "پرویز صاحب۔ آپ نے کیسے ایسا جال بچھایا۔ اس کام میں ہم نے بھی تو آپ کی کوئی مدد کی۔"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ "بہت زیادہ۔ اگرچہ یہ مدد تم نے نادانستگی میں کی۔ تم نے مجھے یقین دلادیا کہ صغیر ہی وہ آدمی ہے۔ تم نے ہی مجھے بتایا کہ وہ دکھ والے جزیرے پر بار بار جاتا ہے۔ لہٰذا اسی لیے ایک دن میں بھی جزیرے پر گیا اور تھوڑی بہت تانبے کی کانوں میں تاک جھانک کی۔ یہ اس دن کی بات ہے جب میری پنسل وہاں گر گئی تھی۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے وہاں ایسا کچھ نہیں ملا جس سے مجھے شک ہو سکتا کہ کچھ لوگ تانبے کی ان کانوں میں کام کر رہے ہیں اور مشینوں سے دھڑادھڑ جعلی نوٹ چھاپ رہے ہیں۔"

عنزیق بولا۔ "ہم نے یہ معمہ حل کر ہی لیا۔ اب پرویز صاحب! آپ اس بارے میں کیا کریں گے؟"

پرویز صاحب بولے۔ ”کل رات میں نے وائرلیس پر اپنے افسران کو پیغام بھجوایا ہے۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ مجھے یقین ہے یہاں کیا ہو رہا ہے۔ میں جزیرے کی کانوں میں کسی کو بچانے جارہا ہوں وہ تیّاری کرلیں اور اس معاملے کے مجرمان کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔“

عنزیق نے پرجوش انداز میں پوچھا۔ ”وہ کیا کرنے والے ہیں؟“

پرویز صاحب بولے۔ ”جب تک میں واپس جا کر ان سے مل نہیں لیتا مجھے اس بات کا علم نہیں ہو سکتا۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چلنا چاہئے۔ ہم سمندر کے نیچے والے راستے سے ہی واپس چلیں گے۔ جس راستے سے مَیں اور معاذ آئے ہیں۔“

معاذ کہنے لگا۔ ”اب تو مجھے یقین ہے کہ صغیر نے ہی پرویز صاحب کی کشتی تباہ کی تھی۔ اسے کسی بات سے شک ہو گیا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ ہی ہمارے دوست ہیں۔“

پرویز صاحب بولے۔ ”صغیر بہت ہی کائیاں مجرم ہے۔ اس کی چالاکی یہی تھی کہ

وہ خود کو بے وقوف ظاہر کرتا رہے۔ آؤ اب چلیں اچانک۔"

عنزیق بولا۔ "پرویز صاحب! میں مٹھو کو آزاد کروانا چاہتا ہوں۔ میں اسے قید میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ یہ لوگ اس کی گردن مروڑ دیں گے یا وہ خود ہی بھوک یا خوف سے مر جائے گا۔ کیا ہم وہاں جا کر اسے آزاد نہیں کروا سکتے؟"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ "ہرگز نہیں۔ ابھی اس سے زیادہ اہم کام باقی ہیں۔"

معاذ بولا۔ "ہمیں صرف نقشے کو نکالنے کی ضرورت ہے۔ وہاں سے ہم مرکزی راستے کو تلاش کریں گے اور پھر غاروں میں جا سکیں گے۔ عنزیق کو معلوم ہو گا کہ مٹھو کو کہاں قید کیا گیا ہے؟ عنزیق نے جو معلومات دی ہیں اس سے یہی لگتا ہے کہ یہ وہی غار ہے جہاں ہمیں قید کیا گیا تھا۔"

پرویز صاحب جھجکتے ہوئے بولے۔ "تو پھر جلدی کرو۔ خیال رہے کہ کسی قسم کی آواز پیدا نہ ہو تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔" انہوں نے نقشہ نکالا اور اسے سامنے پھیلایا وہ جگہ ڈھونڈی جہاں وہ موجود تھے۔ پھر مرکزی راستہ کا سراغ لگایا اور ادھر چل پڑے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ مرکزی راستے پر رواں دواں

تھے۔ وہ محتاط تھے اور بہت خاموشی سے چل رہے تھے۔ پرویز صاحب نے مشینوں کی ٹکاٹک سنی۔ مشینیں حسبِ معمول کام کر رہی تھیں۔

وہ بہت غور سے آواز سن رہے تھے۔ یہ آوازیں چھاپنے والی مشینوں کی ہی تھیں۔ وہ اس غار کی طرف بڑھے جہاں مٹھو قید تھا۔ انہیں لوگوں کی باتیں سنائی دیں۔ وہ دیوار کے ساتھ چھپ کر کھڑے ہو گئے اور سانس بند کر لیا۔ معاذ نے بہت آہستگی سے پرویز صاحب کے کان کے قریب آ کر بتایا۔ "یہی ثناء اللہ ہے۔" وہ تین تھے اور غار کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے جہاں توتا قید تھا۔ وہ حیرت سے سن رہے تھے۔ ایک آواز غار سے آ رہی تھی جو اتنی اونچی تھی کہ بآسانی سنی جا سکتی تھی "چھینکو مت۔ کتنی بار تمہیں کہا ہے کہ اپنے پاؤں صاف کرو۔ بے چارہ غریب مٹھو۔ کیتلی میں پانی ڈال کر گرم کر لو۔"

ثناء اللہ بولا۔ "یہ لڑکا تو واقعی پاگل ہو گیا ہے۔" وہ ابھی بھی سمجھ رہے تھے کہ ان کی قید میں عنزیق ہی ہے۔ تبھی مٹھو نے ریل گاڑی کے انجن کی سیٹی کی سی آواز نکالنی شروع کر دی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے غاروں میں واقعی ریل گاڑی کا انجن

گھس آیا ہو اور سیٹی بجاتا پھر رہا ہو۔

عباس حیرانی سے بولا۔ ”اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

پھر ایک زور دار چیخ کی آواز آئی اور تیسرا شخص بولا۔ ”یہ ضرور توتا ہے۔ یہ توتا ہی ہو سکتا ہے۔ لڑکے کے ساتھ اس کا توتا بھی اندر ہے۔“

عباس نے کہا۔ ”آؤ دروازہ کھول کر اندر دیکھیں۔“ ثناء اللہ نے قفل میں چابی ڈال کر اسے کھولا۔ دروازہ اندر کی طرف کھل گیا۔ مٹھو ایک چیخ مارتا ہوا فوراً اڑ گیا۔ اس چیخ سے تینوں گرتے گرتے بچے۔ تینوں آدمیوں نے لالٹین اوپر کر کے غار میں دیکھا۔ غار بالکل خالی تھا۔ ثناء اللہ غصّے سے عباس کی طرف مڑا اور کہنے لگا۔ بے وقوف۔ تم نے ایک توتا قید میں ڈال دیا اور لڑکے کو فرار کروا دیا۔ تمہیں گولی مار دینی چاہیے۔“

عباس خالی غار کو گھور رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ صرف توتا ہی غار میں موجود تھا۔ عباس بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ لڑکا کانوں میں سر ٹکرا کر مر جائے گا اور اس کا ذکر بھی نہیں کرے گا۔ اسے ایسی ہی سزا ملنی چاہئے تھی۔“

ثناء اللہ انتہائی تلخی سے بولا۔ ”ہم بے وقوف ہیں عباس۔ پہلے ہمیں ان تین بچوں نے دھوکہ دیا اور پھر یہ لڑکا فرار ہو گیا۔“

انہوں نے دروازہ کھلا رہنے دیا اور روشنی والی غار کی طرف بڑھ گئے۔ عنزیق نے اطمینان کا سانس لیا۔ مٹھو اس کے کندھے پر موجود تھا اور پیار سے آہستہ آہستہ آوازیں نکال رہا تھا۔ اس نے جھوٹی موٹی اس کا کان کاٹا۔ وہ اپنی خوشی کا بھرپور اظہار کر رہا تھا۔ عنزیق نے اس کا سر تھپتھپایا۔ وہ بھی مٹھو کو پا کر اتنا ہی خوش تھا۔ پرویز صاحب آہستگی سے بولے۔ ”خدا کا واسطہ ہے اب یہاں سے چلو۔“

انہوں نے مرکزی راستہ چھوڑا اور تیزی سے چلنے لگے۔ ان کی ٹارچوں سے بھرپور روشنی نکل رہی تھی۔ تھوڑی دور جا کر انہیں کسی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ انہوں نے ٹارچوں کو بجھا دیا اور انتظار کرنے لگے۔ معاذ نے آہستگی سے کہا۔ ”یہ شخص مرکزی پُلی والی راستے سے آرہا ہے۔“

وہ شخص ان کے نزدیک آگیا۔ اس کی ٹارچ بہت زیادہ روشن تھی۔ وہ اسے دیکھ نہیں سکے۔ انہوں نے کوشش کی کہ وہ کسی تاریک راستے میں داخل ہو جائیں

لیکن عنزیق لڑکھڑایا اور گر گیا جس سے آواز بلند ہوئی۔ مٹھو بھی چیخا۔ ٹارچ کی روشنی کا رُخ ان کی جانب ہو گیا اور اندھیرے میں آواز بلند ہوئی۔ ”وہیں کھڑے رہو ورنہ گولی مار دوں گا۔“

پرویز صاحب نے ہاتھ نکالا لیکن لڑکے ساکت کھڑے رہے۔ اس آواز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ اسے ماننے پر مجبور تھے۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر انہوں نے کہنا نہ مانا تو واقعی وہ گولی مارنے سے گریز نہیں کرے گا۔ وہ تینوں کھڑے آنکھیں جھپک رہے تھے۔ پھر عنزیق نے وہ آواز پہچان لی۔ معاذ کو بھی سمجھ آ گئی کہ یہ کس کی آواز ہے؟ وہ کون تھا؟

عنزیق چیخا۔ ”یہ صغیر ہے۔ صغیر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

صغیر نے بڑے سفّاکانہ لہجے میں جواب دیا۔ ”یہی بات تم تینوں سے پوچھنے والا تھا۔“ ٹارچ کی پوری روشنی پرویز صاحب کے چہرے پر پڑی۔ صغیر بولا۔ ”تو تم بھی یہاں موجود ہو۔ میں نے تمہاری کشتی تباہ کر دی تھی لیکن لگتا ہے تم نے سمندر کے نیچے والا قدیم راستہ ڈھونڈ لیا ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ تم تینوں

اپنے آپ کو بڑا چالاک سمجھتے ہو لیکن تم ضرورت سے زیادہ چالاک ہو۔ اب تمہارا مشکل وقت آ چکا ہے۔ بہت ہی مشکل وقت۔"

پھنس گئے

ٹارچ کی روشنی میں وہ صغیر کے ہاتھوں میں چمکتا ہوا پستول دیکھ سکتے تھے۔ پرویز صاحب دل ہی دل میں خود کو کوس رہے تھے کہ اگر وہ اس توتے کی رہائی کے لیے واپس نہ آتے تو انہیں اس مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ صغیر بہت چالاک آدمی تھا۔ اسے دھوکہ دینا اتنا آسان نہیں تھا جتنا کہ ثناء اللہ اور اس کے ساتھیوں کو تھا۔ صغیر نے انہیں حکم دیتے ہوئے کہا۔ ''اپنا رُخ پیچھے کو موڑلو، اپنے ہاتھ سر سے بلند کرلو اور میرے آگے آگے چلو۔ ارے یہاں تو یہ کم بخت توتا بھی موجود

ہے۔ اس کے کئی احسان مجھ پر قرض ہیں اور مجھے ان کا حساب بھی چکانا ہے۔"

عزیق کو پتا تھا کہ صغیر ہر قیمت پر مٹھو کو مار دے گا۔ اس نے کندھے پر بیٹھے مٹھو کو زور سے ٹھوکا دیا۔ مٹھو تیزی سے ہوا میں بلند ہو گیا۔ وہ اندھیرے کی وجہ سے چیخ رہا تھا۔ "جان بچا کر بھاگو مٹھو۔ یہاں سے بھاگو مٹھو۔" مٹھو اندھیرے میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ خطرے کی بُو سونگھ چکا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا مالک نہیں چاہتا کہ وہ ان کے پاس رہے اور وہ سب سے پیچھے اڑنے لگا۔ وہ صغیر سے کافی پیچھے تھا اور اب اِدھر اُدھر خاموشی سے اڑ رہا تھا جیسے وہ کوئی چمگادڑ ہو۔ جلد ہی وہ تینوں اپنی جانی پہچانی غار میں بند کر دیے گئے۔ صغیر ایک دو دفعہ ثناء اللہ پر چلایا اور اس کی غار کے دروازے کو تالہ لگا دیا۔ قیدیوں نے اس کے قدموں کی چاپ دور جاتی ہوئی سنی۔ پرویز صاحب کہنے لگے۔

"میرا خیال ہے ہم خاصی بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔ بھلا مجھے کیا ضرورت تھی کہ بچوں کا کہا مان کر توتے کو چھڑانے واپس چلا آیا۔ ہو سکتا ہے صرف اتنی سی بات کے لیے ہم سب کی زندگیاں چلی جائیں اور یہ تمام مجرم اپنی کروڑوں

اربوں کی جعلی کرنسی لے کر یہاں سے فرار ہو جائیں۔ پھر ان نوٹوں کو سارے ملک میں خرچ کرتے رہیں۔ اب واقعی ہم بڑی مشکل میں ہیں۔"

عزیق بے چارگی سے کہنے لگا۔ "مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے آپ کو واپس آنے کے لیے مجبور کیا۔"

پرویز صاحب سگریٹ سلگاتے ہوئے بولے۔ "میں بھی اتنا ہی قصوروار ہوں جتنا تم۔ اف! یہاں کتنی گرمی ہے۔"

وقت بہت سست روی سے گزر رہا تھا۔ دروازہ دوبارہ کھلا اور صغیر اندر آیا۔ اس کے ساتھ ثناء اللہ، عباس اور مزید دو تین ساتھی تھے۔ صغیر کا سیاہ چہرہ لیمپ کی روشنی سے تمتمارہا تھا۔ وہ بولا "ہم صرف تمہیں خدا حافظ کہنے آئے ہیں۔ ہم نے اپنی ہر چیز یہاں مکمل کرلی ہے۔ تم بہت دیر سے یہاں پہنچے ہو۔ پرویز تم پولیس والے ضرور ہو لیکن بہت دیر کر دی یہاں تک پہنچنے میں۔ اب تم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس اتنے نوٹ ہیں جو ہم ساری زندگی بھی خرچ کرتے رہیں تو ختم نہیں ہو سکتے۔"

پرویز صاحب جلدی سے بولے۔ ”تو تم یہاں سے جا رہے ہو۔ لیکن کیا تم اپنی تمام مشینیں تباہ کر کے جا رہے ہو یا ساتھ لے کر جاؤ گے۔ تم سارے جعلی نوٹوں کی گڈیاں تو ساتھ لے جاؤ گے ہی لیکن جہاں تم نے یہ سب جمع کر رکھا تھا وہ جگہیں تو ساتھ لے کر نہیں جا سکتے۔ تم اتنی آسانی سے اپنی جان نہیں چھڑوا سکتے۔ تمہاری مشینیں ثبوت کے طور پر پولیس قبضے میں لے گی۔ بے شک انہیں تباہ کر دو یا چھوڑ دو اور پھر۔۔۔۔“

صغیر بولا۔ ”پرویز صاحب! پولیس کو کبھی کچھ نہیں ملے گا۔ اگر پورے صوبے کی پولیس بھی جزیرے پر چلی آئی تو بھی انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ کوئی ایسا ثبوت نہیں بچا جس سے وہ ہم تک پہنچ سکیں۔“

پرویز صاحب حیرت اپنے لہجے میں نہ چھپا سکے اور بولے۔ ”آخر کیسے؟“

صغیر عیّاری سے مُسکراتا ہوا بولا۔ ”کیونکہ ہم ان مشینوں کو ڈبو رہے ہیں۔ جی پرویز صاحب ان کانوں میں جلد ہی پانی بھر جائے گا۔ پانی ہر سرنگ میں گھس جائے گا۔ ہر راستے اور ہر غار میں پانی ہی پانی ہو گا جس سے سارے ثبوت مٹ

جائیں گے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ اس پانی میں تم سب کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا۔"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ "مجھے یقین ہے تم ہمیں یہاں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ تم مجھے چھوڑ جاؤ لیکن لڑکوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

صغیر اپنی کمینگی بھری آواز میں بولا۔ "ہمیں تم میں سے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تم پانی میں ہی ڈوبو۔" پرویز صاحب چلّائے۔ "تم اتنے ظالم نہیں ہو سکتے۔ یہ صرف بچے ہیں۔"

صغیر بولا۔ "میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔" وہ باقی مجرموں جیسا آدھا پاگل بے وقوف شخص نہیں تھا جنہیں وہ پہلے دھوکہ دے چکے تھے۔ یہ بالکل مختلف صغیر تھا۔ یہ وہ صغیر نہیں تھا جو چچی کا ملازم تھا۔

پرویز صاحب نے پوچھا۔ "تم اس ساری جگہ میں سیلاب کیسے لاؤ گے؟"

صغیر بولا۔ "بہت آسانی سے۔ تم جس راستے سے جزیرے پر آئے ہو وہ تمام

کانوں سے جڑا ہے۔ ہم سمندر کے نیچے سے گزرنے والے راستے کی چھت اڑا دیں گے اور سمندر سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔ تم خود اندازہ کر سکتے ہو پانی تمام کانوں میں بھر جائے گا اور اس جگہ کو سطح سمندر کے نیچے غاروں میں تبدیل کر دے گا۔ عزیق نے اٹھنے کی کوشش کی تاکہ صغیر کو باور کرا سکے کہ وہ ڈرتا نہیں۔ لیکن اس کے گھٹنوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ ڈرا ہوا تھا۔ یہی حال معاذ کا تھا۔ صرف پرویز صاحب ہمّت دکھا رہے تھے۔ وہ ہنسنے لگے۔ ''تم اپنا ارمان پورا کر لو۔ تم اتنی آسانی سے فرار نہیں ہو سکتے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ تمہارے متعلق تمام اطلاعات پہنچائی جا چکی ہیں اور تمہارے گروہ اور تمہارے سرغنہ کے بارے میں پولیس والے جانتے ہیں۔''

صغیر کے ساتھیوں میں سے ایک نے صغیر کے کان میں کچھ کہا تو اس نے سر ہلایا۔ لڑکے سمجھ گئے کہ وقت قریب آگیا ہے۔ اب یہ چھت پھوڑنے والے ہیں جس سے کانوں میں سیلاب آجائے گا اور ہر کونے کھدرے میں پانی بھر جائے گا۔ صغیر نے اپنے سفید دانت کوستے ہوئے انہیں الوداع کہا۔

پرویز صاحب نے اسی کے لہجے میں جواب دیا۔ ”جلد ملیں گے“

لڑکوں نے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکالا۔ مٹھو جو مرکزی راستے میں تھا اس نے البتہ ایک قہقہہ ضرور لگایا۔ صغیر بولا۔ ”میں اس پرندے کو اپنے ہاتھ سے گولی مارنا چاہتا تھا۔“

پھر وہ اپنے ساتھیوں سمیت غار سے باہر نکل گیا۔ اس نے دروازہ زور سے بند کیا اور باہر سے تالا لگا دیا۔ کچھ دور تک ان کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ پرویز صاحب نے لڑکوں کی طرف دیکھا اور بولے۔ ”ہم ابھی مرے نہیں ہیں۔ ذرا خود کو سنبھالو۔ ان لوگوں کو ذرا اپنے سے دور چلے جانے دو پھر میں دروازہ کھول دوں گا اور ہم سب آزاد ہوں گے۔“

عنزیق بولا۔ ”آپ دروازہ کیسے کھول لیں گے پرویز صاحب؟“

پرویز صاحب مسکرائے اور کہنے لگے۔ ”ارے بھائی! پولیس والوں کے پاس کام کو کرنے کے کئی راستے ہوتے ہیں۔“

پھر انہوں نے جیب سے کچھ ہدایات والے کاغذات نکالے اور مختلف چابیوں کا ایک گچھا بھی۔ اور پھر ہدایات پڑھنے اور کام کرنے میں جت گئے۔ کچھ ہی دیر میں وہ دروازہ کھول چکے تھے۔ پرویز صاحب بولے۔ ”جلدی کرو۔ پُلی والے راستے کی طرف چلو۔ اس سے پہلے کہ زیادہ مزید دیر ہو۔“

وہ تیزی سے مرکزی راستے پر پہنچے۔ وہ تقریباً بھاگ رہے تھے۔ انہیں وہاں تک پہنچنے میں کچھ وقت لگا۔ وہ جیسے ہی مرکزی راستے تک پہنچے انہیں معمولی سی روشنی دکھائی دی۔ پھر انہیں ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ یہ ایک دبی ہوئی آواز تھی جو کانوں میں سے آئی تھی اور جس کی گونج عجیب انداز میں کانوں میں پھرتی رہی۔

پرویز صاحب بولے۔ ”صغیر سچ کہہ رہا تھا۔ یہ بارود کی آواز تھی۔ اگر واقعی انہوں نے سمندر کے نیچے راستے میں داخل ہونے والا سوراخ اڑا دیا ہے تو پانی اب ٹھاٹھیں مارتا ہوا آرہا ہو گا۔“

معاذ بولا۔ ”تو پھر جلدی کریں۔ جلد سے جلد اوپر پہنچیں۔“ عنزیق بولا مجھے۔

”اپنے تانبے کا ٹکڑا جسم کے ساتھ کہیں باندھنے دیں۔ عنزیق اب بھی وہ تانبے کا ٹکڑا اٹھائے پھر رہا تھا۔ پرویز صاحب اچانک سختی سے بولے جس سے لڑکے ہل کر رہ گئے۔ ”وہ دیکھو۔“ وہ ٹارچ سے پلی کو دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے۔ ”جو آدمی اس سیڑھی سے اوپر گئے ہیں انہوں نے بڑی ہوشیاری سے کچھ سیڑھی اوپر اٹھالی ہے کہ کسی طرح بھی ہم اوپر نہ چڑھ سکیں۔ اگر کسی طرح ہم غار سے باہر نکل بھی آئیں تو وہ ہمارے لیے بچنے کا کوئی طریقہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ہم پھنس گئے ہیں۔ اب ہم فرار نہیں ہو سکتے۔ سیڑھی کے بغیر اوپر چڑھنا ناممکن ہے۔ عنزیق یہ سن کر بے بسی سے بولا۔ ”لیکن پرویز صاحب! میرا خیال ہے کہ ہم کھلی غار میں اگر ڈھونڈیں تو شاید ہمیں وہاں سے کوئی سیڑھی مل جائے۔ وہاں خوراک کی پیٹیاں اور ڈبّے پڑے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے میں نے وہاں ایک سیڑھی بھی دیکھی تھی۔ کیا ہم واپس جا کر اسے تلاش کریں؟ میرا خیال ہے کہ ان مجرموں نے سیڑھی کے پہلے کچھ قدم ہی ہماری دسترس سے دور کئے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ ہم اتنا اوپر چڑھ کر باقی سیڑھی استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ نیچے سے

اوپر چڑھنے کے لیے ہمارے پاس اضافی سیڑھی نہیں ہو گی۔"

معاذ بولا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ غار میں سیڑھی موجود ہے؟" مجھے تو یاد نہیں ہے۔"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ "لیکن یہ ہمارے پاس آخری موقعہ ہے۔ آؤ واپس جا کر سیڑھی ڈھونڈیں۔"

لیکن وہ غار تک نہیں پہنچ سکے۔ ابھی وہ مرکزی راستے ہی میں تھے کہ وہ خوف کے مارے ساکت کھڑے ہو گئے۔ کوئی چیز بڑے زور و شور سے ان کی طرف بہتے ہوئے آرہی تھی جس کا رنگ سیاہ تھا اور وہ بہت طاقتور تھی۔ پرویز صاحب چلّائے۔ "پانی پہلے ہی اندر آ چکا ہے۔ واپس آ جاؤ تا کہ ہم کوئی اونچی جگہ ڈھونڈیں۔ اوہ خدایہ تو پورا سمندر کانوں میں اُڈ آرہا ہے۔" پانی پوری گھن گرج سے راستے میں آنے والی رکاوٹیں ہٹا رہا تھا اور غاریں بالکل زمین کی سطح سے مل رہی تھیں۔ یہ اتنی خوفناک آواز تھی جس سے پرویز صاحب بھی دہل کر رہ گئے۔ وہ تینوں پلی والے راستے کی طرف بھاگے۔ یہ جگہ باقی جگہوں سے اونچی

تھی لیکن جلد ہی وہاں بھی پہنچ گیا۔ پرویز صاحب کہنے لگے "پانی اپنی سطح خود بنا لے گا۔ یہ ساری پلیاں اس پانی کی سطح میں چلی جائیں گی اور کانیں بھی سمندر کا حصّہ بن جائیں گی۔ میرا خیال ہے پانی سے آدھی اونچائی تک یہ پلیوں والے راستے بھر جائیں گے۔"

عزیق سہمی آواز میں بولا۔ "پرویز صاحب کیا ہم سب ڈوب جائیں گے؟"

پرویز صاحب نے پوچھا۔ "کیا تم تیر سکتے ہو؟ سنو! اب ہمارے لیے صرف ایک ہی امید بچی ہے۔ وہ یہ کہ جب پانی اس پلی کو بھر دے ہمیں تیرتے ہوئے اس کی سطح تک بلند ہونا ہو گا۔ اس لیے ہم کوئی کوشش نہیں کریں گے سوائے اس کے کہ پانی ہمیں اوپر لے جائے اور جب ہم سیڑھی کے اس حصّے تک پہنچ جائیں جہاں سیڑھی موجود ہے تو ہم سیڑھی کی مدد سے اوپر چڑھ سکتے ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ کیا تم اپنا سر پانی سے باہر رکھ سکو گے۔ جب پانی آئے تو ہم اس راستے سے جزیرے تک پہنچ سکیں۔"

لڑکوں نے پُر امید لہجے میں کہا۔ "جی ہاں۔ انشاء اللہ"

عنزیق نے مڑ کر ڈرتے ڈرتے اس طرف دیکھا جہاں اسے کالا پانی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ پرویز صاحب کی ٹارچ کی روشنی اس کی لہروں کو واضع کر رہی تھی۔ یہ بہت ہی خوفناک منظر تھا۔ معاذ کہنے لگا۔ "پرویز صاحب ان تانبے کی کانوں کا تو آج خاتمہ ہو گیا ہے اب کوئی یہاں نیچے اتر کر انہیں نہیں دیکھ سکے گا۔"

پرویز صاحب کہنے لگے۔ "ان کا خاتمہ تو تبھی ہو گیا تھا جب ان سے سارا تانبا نکال لیا گیا تھا۔ عنزیق خوش قسمت ہے کہ اس کے پاس تانبے کا ایک ٹکڑا ہے جو یہ سب کو دکھا سکتا ہے۔ یہ ٹکڑا شاید مدّتوں پہلے کسی کان کن نے چھپا کر رکھا ہو گا جو بعد میں یہ بھول گیا ہو گا کہ اس نے اسے کہاں چھپایا تھا؟ اور پھر مدّتوں کے بعد یہ عنزیق کو اچانک مل گیا۔"

عنزیق کہنے لگا۔ "میں ہر صورت اس ٹکڑے کو واپس لے کر جاؤں گا۔ لیکن مجھے احساس ہے کہ میں اسے پکڑ کر تیر نہیں سکتا۔ یہ بہت بھاری ہے۔ پرویز صاحب نے اپنا سویٹر اتارا اور قمیض بھی۔ انہوں نے تانبے کے ٹکڑے کو قمیض میں لپیٹ لیا پھر اسے گانٹھیں دے دیں اور پھر ایک موٹی رسی اس کے گرد گھما کر باندھ

دی۔ پھر سویٹر پہن کر تانبے کے ٹکڑے کو رسی کی مدد سے گلے میں لٹکا لیا۔ وہ ہنس کر بولے۔ ”بھاری ہے لیکن اب محفوظ ہو گیا ہے۔ تم مٹھو کو کندھے پر بٹھاؤ اور میں تانبے کے ٹکڑے کو اٹھاتا ہوں۔“

عنزیق بولا۔ ”پرویز صاحب! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ لیکن اس ٹکڑے کا بوجھ آپ کو پانی میں نہ گھسیٹ لے۔“

معاذ مُضطرب انداز میں بولا۔ ”پانی قریب آرہا ہے۔ وہ دیکھو۔“

وہ سب پانی کو دیکھنے لگے۔ وہ آہستہ آہستہ پلی کے راستے کو جانے والی اونچی جگہوں کو چھو رہا تھا اور اب اس جگی پہنچ گیا جہاں وہ کھڑے تھے۔ عنزیق بولا۔ ”کیا یہ پانی بہت زیادہ کالا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے اندھیرے کی وجہ سے یہ اتنا سیاہ اور خوفناک لگ رہا ہے۔“

پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”ہماری پلی تک آتے آتے اسے تھوڑا وقت لگے گا۔ آؤ بیٹھ کر تھوڑا ستالیں کیونکہ ہمیں پھر محنت کرنی ہو گی۔“

وہ بیٹھ گئے۔ معاذ کا چوہا اس کی آستین سے نکل کر بھاگ گیا اور اس کی ٹانگ کے پیچھے ٹخنے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ مٹھو نے اسے دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ بولا۔ ”اپنے پاؤں صاف کرو۔ میں تمھیں بار بار کہہ رہا ہوں۔“

معاذ نے کہا۔ ”مٹھو میرے چوہے کو مت ڈراؤ۔“

وہ تینوں چوہے کی حرکات دیکھنے لگے۔ پانی نزدیک آتا گیا۔ وہ سب راستوں اور راہداریوں کو صفحہ ہستی سے مٹاتا چلا آ رہا تھا۔ معاذ کہنے لگا۔ ”پانی تو طوفان کی طرح سمندر کے نیچے ہر راستے میں داخل ہو رہا ہو گا۔ کیا یہ پانی ہمارے گھر کی طرف بھی جا رہا ہو گا اور اس سے کنویں کا پانی ہمیشہ کے لیے نمکین ہو جائے گا۔“

پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”یہ بالکل ممکن ہے۔ کنواں سطح سمندر سے کہیں نیچے ہے لہٰذا سمندر کا پانی لازمی طور پر اُدھر جائے گا۔ معاذ یہ تو بہت برا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہاں رہنے والا تمہارا خاندان کبھی کنویں کا پانی استعمال نہیں کر سکے گا۔ مجھے پتا نہیں اب تم اس کا متبادل کیسے ڈھونڈو گے؟“

عنزیق نے پانی کی ایک لہر اپنے پاس اٹھتی دیکھی تو بولا ”لو پانی اب ہمارے پیروں

سے اونچا ہو گیا ہے۔ مٹھو اب مضبوطی سے میرے کندھے پر بیٹھے رہو اور بودی والے لڑکے تمہارا چوہا کدھر ہے؟"

معاذ کہنے لگا۔ "میری گردن کے نیچے ہے۔ اوہ! یہ کتنا ٹھنڈا پانی ہے؟ چونکہ کانیں بہت گرم تھیں اسی لیے پانی ٹھنڈا محسوس ہو رہا ہے۔" اب پرویز صاحب، معاذ اور عزیق کھڑے ہو گئے اور پانی کو اپنے ٹخنوں کے گرد چکر لگاتا دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کے گھٹنوں تک پہنچ گیا تھا اور مزید بلند ہو رہا تھا۔ وہ تینوں پلی والے راستے کے عین نیچے کھڑے تھے۔ وہ اس لمحے کے منتظر تھے جب پانی ان کو اوپر اٹھاتا تاکہ وہ پانی میں تیر سکتے۔

معاذ کہنے لگا۔ "میں تو ٹھنڈ سے جم رہا ہوں۔ میں کبھی اتنے ٹھنڈے پانی میں کھڑا نہیں ہوا۔"

پرویز صاحب بولے۔ "یہ اتنا ٹھنڈا نہیں ہے جتنا ہمیں محسوس ہو رہا ہے۔ لیکن اتنی گرم جگہ میں کھڑے تھے کہ اچانک آنے والا ٹھنڈا پانی ہمیں بہت ٹھنڈا محسوس ہونے لگا ہے۔"

پانی اب ان کی کمروں تک پہنچ گیا تھا اور پھر بڑی تیزی سے ان کے کندھوں تک۔ مٹھو بڑی عجیب آواز میں بڑبڑایا۔ ”اللہ ہمیں بچائے۔“ وہ عنزیق کے کندھے پر بیٹھا ہوا نیچے تاریک پانی میں جھانک رہا تھا۔ جلد ہی دونوں لڑکے اور پرویز صاحب کے پاؤں زمین سے اُٹھ گئے۔ وہ بڑی مشکل سے پانی کی سطح پر پہنچے لیکن ابھی وہ پلی والے راستے سے نیچے ہی تھے۔ عنزیق ہانپتے ہوئے بولا۔ ”یہ جگہ بہت تنگ ہے اور ہم سبھی ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہیں۔“ وہ واقعی بری طرح پھنسے ہوئے تھے اور تیرنے کی کوشش کر رہے تھے جہاں تیرنے کے لیے جگہ بالکل نہیں تھی۔ پانی اوپر تک ایک ہی رفتار سے چڑھتا جا رہا تھا۔ پرویز صاحب نے معاذ سے اس کی چھوٹی ٹارچ لے لی تھی اور اپنے دانتوں سے اسے منہ میں بھینچ لیا تھا تاکہ روشنی سے انہیں پلی والا راستہ دکھائی دیتا رہے۔ وہ سیڑھی کو بھی دیکھ رہے تھے کہ وہ ان کی پہنچ میں ہے اور کیا اسے مجرموں نے نقصان بھی پہنچایا ہے یا نہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ کتنا نقصان ہے۔ آخر انہوں نے منہ سے ٹارچ نکالی اور بولے۔

”سیڑھی یہاں سے ٹوٹی ہوئی نہیں ہے۔ ہم پانی سے خاصا اوپر پلی والے راستے پر آگئے ہیں اور اب سیڑھی پر چڑھ سکتے ہیں۔ میں تمہیں اوپر چڑھنے میں مدد کرتا ہوں۔ عنزیق تم مٹھو کو لے کر پہلے سیڑھی پر چڑھو۔ وہ بہت خوفزدہ ہو گیا ہے۔“

عنزیق ہاتھ پاؤں مارتا ہوا سیڑھی کے پاس پہنچا۔ پرویز صاحب نے ٹارچ سے سیڑھی کو روشن کیا۔ عنزیق سیڑھی کو پکڑ کر اس کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ جب وہ خاصا اوپر پہنچ گیا تو معاذ بھی سیڑھی چڑھنے لگا۔ پرویز صاحب کی باری آئی تو ان کے لیے اوپر چڑھنا مشکل تھا۔ وہ تانبے کے ٹکڑے کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ انہیں سیڑھی کے پہلے زینے پر چڑھنا بہت مشکل تھا لیکن کسی نہ کسی طرح وہ چڑھنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ وہ اوپر چڑھتے چلے گئے۔ انہیں چڑھتے ہوئے ایسا لگنے لگا جیسے مدّت گزر گئی ہو۔ تب کہیں جا کر وہ جزیرے کی سطح کے قریب پہنچے۔ اور جلد ہی سردی سے نجات مل گئی لیکن ان کے گیلے کپڑے ان کے لیے وبالِ جان بنے ہوئی تھے۔ مٹھو عنزیق کے کان میں کھسر پھُسر کر رہا تھا۔ وہ اپنی حالت پر کڑھ رہا تھا۔ اسے بھیگنا بالکل پسند نہیں تھا۔ معاذ کے چوہے کو بھی یہ

سب کچھ پسند نہیں تھا۔ جب پانی میں سے صرف معاذ کا سر ہی باہر تھا تو وہ اس کے کان پر چڑھ رہا تھا۔ اور اب معاذ کے کپڑے گیلے تھے۔ آستین بھی جہاں وہ آرام سے چھپا بیٹھا رہتا تھا۔ آخر عنزیق نے نعرہ مار کر نیچے والوں کو بتایا۔ ''ہم اوپر پہنچ گئے ہیں۔''

یہ اس وقت ان کے لیے سب سے بڑی خوشی کی خبر تھی۔ وہ تیزی سے چڑھنے لگے۔ اس خبر نے ان کے بازوؤں اور ٹانگوں میں نئی طاقت بھر دی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ اب یہ جان لیوا اور دشوار چڑھائی بس ختم ہونے کو ہے۔ عنزیق سب سے پہلے اوپر پہنچا تو مٹھو نے کھلی فضا میں پہنچ کر خوشی سے ایک چیخ ماری لیکن پھر وہ وہیں رک گیا اور حیرانی سے ششدر رہ گیا۔ ایک آدمی پلی والے راستے کے اوپر خاموشی سے کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس آدمی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو اور نیچے سے اوپر آنے والوں کو خبردار کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہاں کھڑے ہو جاؤ۔''

انت بھلا سو بھلا

عنزیق اپنے ہاتھ سر سے بلند کر کے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف تھا۔ کیا انہوں نے فرار ہونے میں اتنی محنت اس لیے کی تھی کہ دوبارہ پکڑے جائیں۔ اس میں چلّانے کی جرأت نہیں تھی۔ معاذ اوپر آیا تو اس کا بھی وہی حال ہوا۔ وہ بھی بے حال اور دل شکستہ کھڑا تھا۔ جس آدمی کے ہاتھ میں پستول تھا وہ خاموشی سے کھڑا تھا۔ وہ انتظار کر رہا تھا کہ کنویں سے کون باہر آتا ہے۔ پھر پرویز صاحب اوپر آئے۔ ان کی کمر آدمی کی طرف تھی۔ انہیں بھی وہی پرانے مخصوص حکم کا

سامنا کرنا پڑا۔ ”ہاتھ اوپر کر لو اور جو پیچھے آ رہا ہے اس کو خبر دار نہیں کرنا۔ وہاں کھڑے ہو جاؤ۔“

پرویز صاحب پیچھے مُڑے۔ انہوں نے ہاتھ فوراً اوپر کر لیے لیکن پھر فوراً ہی نیچے کر لیے اور مسکرا کر بولے۔ ”اب سب ٹھیک ہے جاوید۔ پستول نیچے کر لو۔“

جاوید نے افسوس کا اظہار کیا اور پستول نیچے کر کے کور میں رکھ لیا۔ پرویز صاحب کی طرف ہاتھ بڑھا دیا بولا۔ ”پرویز صاحب! یہ آپ ہیں۔ میری ڈیوٹی اِدھر لگائی گئی تھی کہ میں انتظار کروں تا کہ اس گروہ کا کوئی رُکن اوپر آئے تو میں اسے گرفتار کر لوں۔ مجھے اس بات کی قطعی امید نہیں تھی کہ کنویں سے آپ اوپر آئیں گے۔“

لڑکوں کے منہ ابھی تک حیرت سے کھلے تھے اور وہ ان دونوں کو حیرانگی سے دیکھ رہے تھے۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟ پرویز صاحب ان کو حیران دیکھتے ہوئے بولے۔ ”کیا تمہیں حیرت ہوئی ہے؟ یہ جاوید صاحب ہیں۔ یہ ہمارے سراغ رساں اور میرے دوست ہیں۔ جاوید تمہیں یہاں دیکھ کر میرا سیروں خون بڑھ گیا ہے۔ کیا

ہوا ہے؟"

جاوید صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ "آؤ اور دیکھو۔" وہ انہیں لے کر ایک سمت کو بڑھے۔ پہاڑیوں کے درمیان ایک راستے سے گزرتے ہوئے وہ ایک کھلے میدان میں جا پہنچے۔ جب وہ ساحل کی طرف گئے تو انہیں ایک دلچسپ منظر دکھائی دیا۔ ایک قطار میں کان میں کام کرنے والے سارے لوگ کھڑے تھے۔ صغیر بھی ان میں شامل تھا اور اس کے چہرے پر شدید غصّے کے تاثرات تھے۔ اس کے قریب دو اشخاص ان پر پستول تانے کھڑے تھے۔ ان قیدیوں سے ہتھیار چھین لیے گئے تھے۔

معاذ چلایا۔ "وہ دیکھو۔ صغیر۔" صغیر نے اس کی طرف نفرت سے دیکھا۔ یہ نفرت بعد میں حیرت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ لڑکے اور ان کا ساتھی کیسے بچ گئے کیونکہ وہ تو انہیں غار میں قید کر کے آیا تھا۔ پھر غاروں میں سمندر کا پانی بھی بھر گیا اور پلی والے راستے سے سیڑھی اوپر کھینچ لی گئی تھی۔ تو پھر یہ لوگ یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔

عنزیق نے حیران ہو کر پوچھا۔ "یہ کیسے گرفتار ہو گئے؟" مٹھو اپنے دشمن صغیر کو دیکھ کر اڑا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس کے سر پر اڑتے ہوئے چیخنے لگا جیسے کہ اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔ مٹھو اب بہت با اعتماد تھا کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اب صغیر اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

جاوید صاحب عنزیق کے چہرے کی حیرت کو دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔ "پرویز صاحب ادھر موجود ہیں۔"

انہوں نے پرویز صاحب کی تعریف میں سر تھوڑا سا جھکایا اور بات جاری رکھی۔ "آپ نے وائرلیس پر رات ہمیں اس گروہ کے بارے میں کافی معلومات مہیا کر دی تھیں اور ان معلومات سے ہمیں صورتِ حال کا اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہمیں جزیرے پر جانا چاہیئے۔ اس فیصلے کے بعد ہم جتنی جلد ممکن تھا جزیرے پر پہنچ گئے۔ یہاں ہم نے صغیر کو دیکھا جو فرار ہونے کی تیزی میں تھا اور اس کے ساتھ ہمیں نوٹوں سے بھری پیٹیاں اور ڈبّے ملے۔ ان کے متعلق اہم دستاویزات بھی ساتھ ہی تھیں۔"

معاذ پوچھنے لگا۔ ”لیکن آپ جزیرے تک آپ اتنی جلد کیسے پہنچ گئے جبکہ ساحل پر کشتی بھی موجود نہیں تھی۔“

جاوید صاحب کہنے لگے۔ ”پولیس کے پاس کچھ اپنی موٹر بوٹ ہوتی ہیں جو کشتیوں سے بہت تیز ہوتی ہے۔ ہم نے ان میں سے دو موٹر بوٹ لیں اور پوری رفتار سے یہاں تک پہنچے۔ وہ دیکھو موٹر بوٹ وہاں ہیں۔“

لڑکوں نے مُڑ کر دیکھا تو انہیں ساحل پر خالی جگہ میں دو بہت خوبصورت موٹر بوٹ پانی میں ہچکولے کھاتی نظر آئیں جن کے اوپر چلانے والے ابھی تک کھڑے تھے۔ قریب ہی صغیر کی کشتی بھی کھڑی تھی۔ جاوید صاحب دوبارہ بتانے لگے۔ ”جیسے ہی ہمیں معلوم ہوا کہ سارا گروہ اپنا گھناؤنا کاروبار سمیٹ کر فرار ہونے کے چکر میں ہے تو ہم سمجھ گئے کہ اب وار کرنے کا وقت آگیا ہے۔ لہٰذا ہم نے سارے پلیوں والے راستوں پر اپنے آدمی مقرر کر دیے۔ ہمیں یہ معلوم تھا کہ یہ کون سا راستہ استعمال کریں گے۔ پھر یہ ایک ایک کر کے اوپر آتے گئے اور ہم آرام سے ان پر قابو پاتے گئے۔“

عنزیق بولا۔ ”جیسے آپ نے ہمیں قابو کر لیا تھا۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟“

جاوید صاحب بولے۔ ”اس سارے تماشے کے دولہا پرویز صاحب ہیں۔“ پھر وہ سوالیہ انداز میں پرویز صاحب کی طرف دیکھنے لگے۔ پرویز صاحب کہنے لگے۔ ”اب ان خوبصورت شریف آدمیوں کو حفاظت سے موٹر بوٹ تک پہنچانا ہے۔“

گروہ کے خطرناک ارکان کو دونوں موٹر بوٹ میں دھکیل دیا گیا۔ ثناء اللہ اب بھی نفرت سے مٹھو کو گھور رہا تھا۔ اگر نظروں سے قتل ہو سکتے تو ان مجرموں کی نظر سے مٹھو اب تک کئی دفعہ قتل ہو چکا ہوتا۔ ثناء اللہ کو یاد آ رہا تھا کہ کس طرح اس نے عنزیق کو قید کرنے کی بجائے اس توتے کو قید کر دیا تھا۔ اسی ایک غلطی کی وجہ سے شاید اب وہ اس حال کو پہنچے تھے۔

پرویز صاحب لڑکوں سے کہنے لگے۔ ”میرا خیال ہم تینوں صغیر کی کشتی لے کر گھر جائیں۔ ٹھیک ہے؟ موٹر بوٹوں کو جانے دو۔ ان کے بعد ہم چلیں گے۔“

موٹر بوٹیں بچوں کے گھر کے قریب ساحل سے لگیں تو دونوں لڑکیاں بھاگیں۔ وہ تمام لوگوں میں صغیر کو بھی شامل دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ پھر وہ گھور کر انہیں

دیکھنے لگیں۔ ان کی نگاہیں بھائیوں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ جاوید صاحب نے انہیں مخاطب کیا "کیا آپ دونوں پرویز صاحب اور اپنے بھائیوں کو کو ڈھونڈ رہی ہیں؟ وہ کشتی میں ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔ کیا آپ کے گھر میں ٹیلی فون ہے؟"

تزئین بولی۔ "جی ہاں۔ لیکن یہ سب لوگ کون ہیں؟ اور صغیر ان کے ساتھ کیوں ہے؟" جاوید صاحب بولے۔ "آپ کو سب بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ میں سب سے پہلے ٹیلی فون کرنا چاہتا ہوں پھر کچھ اور کہوں گا۔ مجھے ٹیلی فون تک لے جاؤ۔ آپ بہت اچھی بچی ہو۔"

جاوید صاحب نے ٹیلی فون پر پیغام دیا کہ چار پانچ موٹر بوٹ ساحل پر بھجوا دی جائیں جو ان مجرموں کو آ کر لے جائیں۔ چچی کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ انہوں نے بڑی حیرت سے ساری باتیں سنیں لیکن وہ سوچ رہی تھیں کہ ان سب باتوں کا آخر مطلب کیا ہے؟" جب لڑکے پرویز صاحب کو لے کر گھر آئے تو جلد ہی وہ سمجھ گئیں۔ لڑکوں نے چچی کو ساری کہانی سنائی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ صغیر کتنا ظالم اور خطرناک ہے تو وہ خوفزدہ ہو کر ایک کرسی میں سکڑ کر بیٹھ گئیں۔

پرویز صاحب بولے۔ ”یہ بہت ہی چالاک آدمی ہے لیکن اس دفعہ قابو میں آ گیا ہے۔ یہ صرف ان چار ذہین بچوں کی وجہ سے ممکن ہو سکا ہے۔“

عنزیق بولا۔ ”یہ بہت مزے دار کہانی ہے۔ ہم ویران جزیرے پر عظیم آک کو ڈھونڈنے گئے تھے لیکن ہمیں ملا کیا؟ کانوں میں نوٹ چھانے والی مشینوں پر جعلی نوٹ چھاپنے والا مجرموں کا گروہ۔“

چچی سختی سے بولیں۔ ”اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم سونے کی بجائے اس طرح کی سرگرمیوں مصروف رہتے ہو تو میں تمہیں تمہارے کمروں میں بند کر دیتی۔“

مٹھو جو چچی کے اِرد گرد اڑ رہا تھا بولا۔ ”شرارتی لڑکی۔ چچی شرارتی لڑکی۔“

جب کاریں آئیں تو پرویز صاحب اور لڑکے کھانا کھا رہے تھے۔ مجرموں کو ان کاروں میں سوار کروا کر بھجوا دیا گیا۔ پھر جاوید صاحب بھی سب کو خدا حافظ کہہ کر روانہ ہو گئے۔ وہ جاتے وقت کہنے لگے۔

”پرویز صاحب! آپ نے بہت اچھا کام کیا ہے اور ان بچوں کا تو کیا ہی کہنا۔ انہیں

شاباش ملنی چاہیے۔"

اور واقعی انہیں ہر طرف سے شاباش ملی۔ اگلے دو دن اتنے مصروف تھے کہ ان بچوں میں سے کوئی بھی اپنی نیند پوری نہیں کر سکا۔ انہیں قریب کے بڑے شہر میں دو تین دفعہ جانا پڑا اور ان مجرمان کے بارے میں بتانا پڑا۔ پرویز صاحب نے عنزیق سے بڑی رازداری سے پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس دھات کے ان خالی کھانے کے ڈبّوں کی تصویر ہے جو تم نے جزیرے میں کھینچی تھی۔ صغیر انکار کر رہا ہے کہ وہ کھانا جزیرے تک نہیں پہنچا تا رہا۔ ہمیں اس کے تہہ خانے سے کچھ اسی طرح کے خالی ڈبے مل ہیں۔ اب تمہاری تصویر سے ان ڈبّوں کو پہچان سکیں گے۔"

ایک معمولی عام سی کھینچی ہوئی تصویر بھی اہم ہو گئی تھی۔ پرویز صاحب اس تصویر کو مجرمان کے خلاف شہادت کی حیثیت دیتے تھے۔ ایک اور معمولی لیکن اہم چیز عنزیق کا تانبے کا ٹکڑا تھا۔ لڑکے کو بہت مایوسی ہوئی جب اسے معلوم ہوا کہ وہ ٹکڑا زیادہ قیمتی نہیں ہے لیکن وہ اس ساری مہم کی یادگار کے طور پر بہت اہم

تھا۔

عنزیق بولا۔ ”میں اسے اپنے اسکول لے جاؤں گا اور اپنے اسکول کے عجائب گھر میں محفوظ کروں گا۔“

سبھی لڑکے اسے دیکھنا چاہیں گے۔ اسے چھو کر دیکھیں گے اور اس کی کہانی پوچھیں گے۔ وہ سن کر بہت حیران ہوں گے۔ ہر کوئی اتنا خوش نصیب نہیں ہوتا کہ اسے تانبے کی کانوں میں گم شدہ کئی سو سالوں پرانے تانبے کا ٹکڑا مل جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ زیادہ قیمتی نہیں ہے کیونکہ میں اسے بیچنا چاہتا تھا۔ میں اسے بیچ کر رقم سب میں تقسیم کرنا چاہتا تھا۔“

نایاب بولی۔ ”پھر تو بہت مزا آتا۔ تزئین اور معاذ کے حصّے میں جو رقم آتی وہ ان کے اسکول کے اخراجات دینے کے کام آتی تاکہ ان کی امّی اور چچی کچھ وقت پیسوں کی فکر کرنے کی بجائے آرام کر لیتیں۔ کاش ہمیں اس کے بدلے بہت سی رقم مل جاتی۔“

لیکن ان کا یہ مسئلہ جلد ہی حل ہو گیا کیونکہ ان چاروں کو بہت سے روپے ایک اور

ذریعے سے مل گئے۔ یہ اس خطرناک گروہ کے بارے میں اطلاع دینے اور گرفتاری کا انعام تھا جس کا اعلان حکومت کی طرف سے ہو چکا تھا۔ یہ رقم چاروں بچوں کو دی گئی لیکن پرویز صاحب کو بھی ان کا حصّہ ملا۔ معاذ کی امّی یہ حیران کن مہم کی خبر سن کر گھر واپس آئیں۔

نایاب اور عنزیق کو وہ بہت پسند آئیں۔ ان میں وہ سب خوبیاں تھیں جو بچے اچھی ماؤں میں ڈھونڈتے ہیں۔ عنزیق معاذ سے کہنے لگا۔ "وہ صرف ماں ہیں۔ یہ پیسے کمانے والی بات ان کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔ انہیں گھر میں رہ کر ماں کی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں اور ان کا ایک چھوٹا سا اپنا خوبصورت سا گھر ہو جہاں وہ تمہارے اور تزئین کے ساتھ خوش رہ سکیں۔"

تزئین کی آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ بولی۔ "ہم جا رہے ہیں۔ ہم دونوں کے حصّے میں اتنی رقم آئی ہے جس سے ہم اپنا گھر بھی لے سکتے ہیں اور امی کو محنت طلب کام بھی نہیں کرنا ہو گا۔ ہم نے سارا پروگرام بنا لیا ہے اور تم بہن بھائی کیا ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تم اپنے بوڑھے تایا اور ایک بوڑھے ملازم کے پاس نہیں جانا

چاہتے۔" نایاب جس کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں فوراً منہ بولے بھائی معاذ کے پاس پہنچی اور اس کے گلے میں محبت سے باہیں حمائل کر دیں۔ تزئین نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا لیکن معاذ کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس محبت کے جذبے کو پسند کرتا ہے۔

نایاب بولی۔ "اس سے اچھی بات تو ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم تمہارے اور تمہاری امی کے ساتھ بہت خوش رہیں گے لیکن کیا تمہاری امی ہمیں اپنے پاس رکھ لیں گی؟"

تزئین بولی۔ "کیوں نہیں۔ ہم نے خاص طور پر ان سے پوچھا تھا تو وہ بولیں کہ میں دو بچوں کی ماں نہیں ہوں بلکہ چاروں کی ہوں۔"

عنزیق کے ذہن میں ایک شبہ تھا جو اس نے دور کرنے کے لیے پوچھا۔ "مٹھو بھی ہمارے ساتھ رہے گا؟" تو معاذ اور تزئین یک زبان ہو کر بولے۔ "بالکل۔ کیوں نہیں۔" یہ تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جہاں وہ رہیں گے مٹھو ان کے ساتھ نہ ہو۔

عنزیق بولا۔ "تو پھر تمہارے چچا آصف اور چچی کا کیا بنے گا؟" میں تمہاری بیچاری

چچی کے بارے میں سوچتا ہوں۔ ان کو اس تباہ حال مکان میں نہیں رہنا چاہئے۔ وہ اکیلی چچا کو کیسے سنبھالیں گی۔ وہ خود بھی بیمار اور کمزور ہیں۔"

تزئین بولی۔ "اب انہیں یہ مکان چھوڑنا ہو گا کیونکہ کنویں کا پانی نمکین ہو گیا ہے کیونکہ سمندر کا کھارا پانی پرانے خفیہ راستے سے اس میں مل گیا ہے۔ کنویں کا پانی پینے کے قابل نہیں رہا اور اسے درست کرنے میں بہت زیادہ رقم کی ضرورت ہے۔ اب چچا اور چچی کو فیصلہ کرنا ہو گا کہ وہ کہیں اور رہیں گے یا یہاں نمکین پانی کی وجہ سے پیاسا مرنا ہے۔"

معاذ کہنے لگا۔ "چلو صغیر نے جانے سے پہلے کچھ تو اچھا کام کیا۔ اس نے چچا کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ کہیں اور جا کر بس جائیں اور اس بہانے سے چچی کو بھی ان کی مرضی کا چھوٹا سا گھر مل جائے گا جہاں صغیر جیسا چالاک نوکر بھی ان کے ساتھ نہیں ہو گا۔"

نایاب جھرجھری لے کر بولی۔ "توبہ صغیر کتنا خوفناک آدمی تھا۔ مجھے اس سے نفرت ہے اور اب خوشی بھی کہ اب وہ کئی سال تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے

رہے گا۔ جب وہ جیل سے باہر آئے گا تو میں بڑی ہو چکی ہوں گی اور اس سے نہیں ڈروں گی۔"

پرویز صاحب اپنی کار میں آئے۔ ان کی کار میں صاف پانی کی بہت سی بوتلیں تھیں کیونکہ کوئی بھی کنوئیں کا پانی نہیں پی سکتا تھا۔ بچے بہت خوش تھے۔ پرویز صاحب ایک تھرموس میں گرم گرم چائے بھی لے کر آئے تھے جو انہوں نے گھر کے بڑوں کو پیش کی۔ پرویز صاحب کھانے تک رکے۔ معاذ کی آستین سے سے اس کا چوہا بھی شاید کھانے کا انتظار کر رہا تھا۔ تزئین کی حالت اسے دیکھ کر بگڑ گئی۔ وہ غصّے میں آ گئی اور باقی سب ہنسنے لگے۔ نایاب نے اپنے ارد گرد ہنستے مسکراتے لوگوں کو دیکھا تو خود بھی خوش ہو گئی۔ اب وہ اپنی ماں کے ساتھ اپنے گھر میں رہنے جا رہی تھی۔ سب معاملات ٹھیک ہو گئے تھے۔ کیا مزے کی بات تھی کہ وہ اور عنزیق کچھ ہفتے قبل رائے صاحب سے چھپ کر فرار ہو کر یہاں پہنچے تھے۔ نایاب اونچی آواز میں بولی۔ "بہت شاندار مہم تھی۔ شکر ہے یہ بخیر انجام کو پہنچی۔"

معاذ فوراً بولا۔ ”مہم ختم ہونے تک جو حیرت انگیز واقعات رونما ہوتے ہیں وہی سب سے مزے کی بات ہوتی ہے۔ مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ یہ اتنی جلدی ختم ہو گئی۔“

مٹھو کے بولنے کی باری آخر میں ہی آتی تھی۔ بولا۔ ”کیا مصیبت ہے۔ اب پاؤں صاف کرو۔ دروازہ بند کر دو۔ کیتلی چولہے پر چڑھا دو اور اللہ ہی خیر کرے۔“